بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

اکرمُ التفاسیر

یَعْتَذِرُوْنَ

مولانا
محمد اکرم اعوان

11

از دل خیزد بر دل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خودنمائی کی پہلے کوئی تمنا تھی، نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسر قرآن کہے، نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں، یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاذ المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لئے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔



www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کرسکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل وحمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے۔ اس لئے ایک سے دوسری جگہ علوم وایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Valley اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے۔ اس لئے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی۔ لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطاو کرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہم قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالات حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجات اخروی کا سبب

بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

امیر محمد اکرم
مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکر قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسیرین کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار ﷺ کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدنی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدنی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی ﷺ کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکات نبوی ﷺ قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔
حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا باالفاظ دیگر ''فکر قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنان اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں' لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں' قانون وراثت سے پریشان ہیں' جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکر قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لئے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کر لو۔تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فرد جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہل حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالم اسلام

ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکر قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لئے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لئے یہ آیہ کریمہ قیامت تک کے لئے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار انداز بیان میں فکر قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکر قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خون مسلم کو گرم اور امت مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسر قرآن

سے آگے مفکر قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسر قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکر قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکر قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

حسب سابق احباب سلسلہ عالیہ جناب ذکاء اللہ جان، سید انور علی شاہ اور عاصم نذیر نے تدوین و تالیف میں معاونت کی، اللہ تعالیٰ سب کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَللّٰهُمَّ سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیۡبِکَ مَنۡ زَانَتۡ بِہِ الۡعُصُرُوۡا

پارہ 11 یَعۡتَذِرُوۡنَ

سورۃ التوبہ رکوع 12 آیات 94 تا 99

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡکُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ ؕ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکُمۡ
قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰہُ مِنۡ اَخۡبَارِکُمۡ ؕ وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُہٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ
اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾
سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَکُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا
عَنۡہُمۡ ؕ اِنَّہُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّمَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾
یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَرۡضٰی عَنِ
الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۹۶﴾ اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ کُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا یَعۡلَمُوۡا
حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ
مَنۡ یَّتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّیَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ
السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ
الۡاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰہِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّہَا
قُرۡبَۃٌ لَّہُمۡ ؕ سَیُدۡخِلُہُمُ اللّٰہُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۹۹﴾

جب آپ ان کے پاس واپس جائیں گے تو وہ آپ سے عذر کریں گے۔ فرما دیجیے کہ عذر مت کرو ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے یقیناً اللہ نے ہم کو تمہارے سب حالات بتا دیے ہیں اور ابھی اللہ اور اُس کا پیغمبر تمہارے اعمال کو دیکھیں گے پھر تم حاضر اور غائب کو جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے (اور) جو تم کرتے رہے ہو سو وہ سب تمہیں بتائے گا ﴿۹۴﴾ جب آپ ان کے پاس واپس جائیں گے تو یہ آپ کے روبرو اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ آپ ان سے درگزر کریں۔ سو آپ ان سے رُخِ انور پھیر لیں کہ بے شک یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے رہے ہیں، ان کے بدلے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ﴿۹۵﴾ یہ آپ کے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ آپ ان سے راضی ہو جائیں۔ سو اگر آپ ان سے راضی ہو بھی جائیں تو یقیناً اللہ ان نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتے ﴿۹۶﴾ دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں سخت ہیں اور وہ اس قابل ہیں کہ جو احکام اللہ نے اپنے پیغمبر پر نازل فرمائے، وہ ان سے واقف ہی نہ ہوں۔ اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۹۷﴾ اور کچھ دیہاتی ایسے ہیں کہ جو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اس کو تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے (مسلمانوں کے) حق میں مصیبتوں کا انتظار کرتے ہیں، ان ہی پر برا وقت پڑے اور اللہ سننے والے جاننے والے ہیں ﴿۹۸﴾ اور کچھ دیہاتی ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اس کو اللہ کے قرب اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ دیکھو! بلاشبہ یہ ان کے لیے قربت (کا سبب) ہے۔ عنقریب اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیں گے۔ بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۹۹﴾

تفسیر و معارف

غزوۂ تبوک کے حالات بیان ہو رہے ہیں۔ پیچھے رہ جانے والوں کے دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو مخلصین تھے جو محض سستی کی بناء پر پیچھے رہ گئے۔ گزشتہ آیات میں مخلصین کا تذکرہ ہوا ہے کہ انہوں نے کھرے پن کا مظاہرہ کیا۔ جو

سستی ہو گئی تھی اسے دور کیا۔ اللہ کریم کے ہاں توبہ کی۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم سستی کے باعث پیچھے رہ گئے۔ انہوں نے کوئی عذر ہی پیش کیا نہ جھوٹا بہانہ گھڑا۔ سیدھی سیدھی بات کی اور اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ مخلصین کی شان کے مطابق کچھ سختی کے بعد اللہ کریم نے ان ؓ کی توبہ قبول فرمائی۔ پھر ان ؓ کے حق میں وحی کا نزول بھی ہوا۔

اب ان آیات میں منافقین کی بات ہو رہی ہے کہ ایک تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کی، اس سعادت سے محروم رہے پھر غزوۂ تبوک سے مجاہدین کی واپسی پر مختلف قسم کے بہانے تراش لیے۔ فرمایا، يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ جب آپ لوگ واپس پہنچیں گے تو وہ طرح طرح کے بہانے گھڑیں گے۔ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا ان سے فرما دیجیے کہ بہانے نہ تراشو۔ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ ہم تمہاری بات پر یقین نہیں کریں گے اس لیے کہ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ اللہ کریم نے تمہاری باتیں ہمیں بذریعہ وحی بتا دی ہیں۔ دنیا میں لوگ خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے کیا نہیں کرتے لیکن ایمان ایسی دولت ہے کہ جسے نصیب ہو جائے وہ ہر پہلو سے کھرا انسان بن جاتا ہے چنانچہ صحابہ کرام ؓ نے اپنی کوتاہی کھلے دل سے قبول کی اور ہر قیمت پر توبہ چاہی جبکہ منافقین نے عذر تراشنا شروع کر دیے۔

ہم دوسروں کا جائزہ لیتے رہتے ہیں کہ فلاں اچھا مسلمان ہے، فلاں اچھا مسلمان نہیں ہے حالانکہ ہمیں ان کے دلوں اور نیتوں کی کیا خبر۔ لیکن یہاں منافقین کے نفاق کی خبر نبی کریم ﷺ دے رہے ہیں جن پر وحیٔ الٰہی نازل ہوتی تھی۔ منافقین نے ایک تو اطاعتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کوتاہی کی اور غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کی سعادت سے محروم رہے پھر واپسی پر بجائے اقبالِ جرم کرنے کے بہانے گھڑے۔ توبہ ندامت کا نام ہے، توبہ اقبالِ جرم کا نام ہے کہ یا اللہ! یہ غلطی میں نے کی ہے مجھے معاف کر دے۔ اگر غلطی کا جواز ڈھونڈتے رہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی غلطی تسلیم ہی نہیں کی تو پھر توبہ کیسی۔

مصیبت میں عبادت ہی متاثر کیوں؟

ہم اپنی روزمرہ زندگی کا جائزہ لیں تو اول تو ہم بلا عذر نمازیں ترک کیے ہوئے ہیں۔ صلوٰۃ بنیادی فرض ہے (ہر صاحبِ ایمان پر)۔ انسان کو جب دین نصیب ہو، کلمہ نصیب ہو، ایمان نصیب ہو تو وہ نماز کا اہتمام بالضرور کرے۔ یہ فرض عین ہے۔ اس کی ادائیگی اتنی ضروری ہے کہ انسان وضو نہیں کر سکتا تو تیمم کر لے۔ کھڑا نہیں ہو سکتا تو

بیٹھ کر پڑھ لے۔ بیٹھ نہیں سکتا، لیٹ کر اشارے سے پڑھ لے۔ چار رکعت فرض ہیں۔ چار رکعت نہیں پڑھ سکتا تو دو پڑھ لے۔ لیکن جب تک حواس قائم ہیں، نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ ہاں! اگر بے ہوش ہو جائے تو وہ مکلف نہیں ہے۔ اگر اعضاء و جوارح ساتھ چھوڑ دیں۔ ہاتھ پاؤں کو حرکت نہ دے سکے تو جس سمت لیٹا ہے اس سمت آنکھوں سے رکوع و سجود کے اشارے کرلے تو نماز قبول ہو جائے گی لیکن چھوڑنے کا حکم نہیں جبکہ ہمارا یہ حال ہے کہ ہماری اکثریت نے نماز چھوڑ رکھی ہے جبکہ ان کے پاس کوئی عذرِ شرعی نہیں۔ پھر ہم میں سے جو نمازی ہیں ان کا بھی یہ حال ہے کہ ذرا سی طبیعت خراب ہو جائے، سر میں درد ہو جائے حتیٰ کہ موڈ بھی خراب ہو جائے تو سب سے پہلے نماز ہی چھوٹتی ہے۔ کھانا نہیں چھوٹتا، سونا نہیں چھوٹتا دنیا کا کوئی کام نہیں چھوٹتا بس نماز چھوٹ جاتی ہے، یہ سب کیا ہے؟ یہ سارے وہ غیر معقول اور ناجائز بہانے ہیں جو نہیں کیے جانے چاہییں۔

فرمایا! ان سے فرما دیجیے ہم تمہارے بہانوں پر یقین نہیں کریں گے، اس لیے کہ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ اللہ کریم نے تمہارے بارے میں ساری باتیں ہمیں بتا دیں لہٰذا بات بہانوں سے نہیں چلے گی۔ یعنی اطاعتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بہانے نہیں چلتے۔ اگر کوئی دل سے اطاعت کرنا چاہتا ہے اور پھر بھی اس سے کوئی کام چھوٹ جاتا ہے تو اسے دکھ ہوتا ہے۔ معافی مانگتا ہے۔ اللہ کے حضور گڑگڑا کر توبہ کرتا ہے اگر ممکن ہو تو اس کی تلافی بھی کرتا ہے۔ لیکن بالارادہ غلط کام کرنا اور پھر اس کے لیے جواز گھڑنا منافقانہ روش ہے۔

یہی معاملہ سلاسل تصوف میں مشائخ کے ساتھ تعلق کا بھی ہوتا ہے۔ بعض لوگ ان کے سامنے بڑا اچھا کردار ظاہر کرتے ہیں لیکن الگ ہوں تو وہ بات نہیں ہوتی۔ شیخ تو ایک انسان ہوتا ہے اسے وقتی طور پر دھوکا بھی دیا جا سکتا ہے لیکن نتائج تو اللہ کی طرف سے مرتب ہوتے ہیں کیونکہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے۔ پھر یہی لوگ دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ 'کتاب الافراد' میں صاحب کتاب ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ کوئی مولوی صاحب تھے بہت نیک، متقی آدمی لیکن نادار تھے۔ ان کی شادی ہوئی، پاس پڑوس کی دیکھا دیکھی بیوی کے مطالبے آئے دن بڑھنے لگے کہ "ہمارے پاس برتن، لباس، زیور، مکان کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ تو صرف نماز پڑھا کر آ جاتے ہیں۔ اس سے دو وقت کی روٹی بھی پوری نہیں ہوتی۔ کچھ تو کریں"۔ مولوی صاحب حافظ بھی تھے اور عالم بھی۔ انہوں نے کہا کہ اچھا پھر نیک بخت! جیسے تیسے گزارا کرو اور مجھے دو چار مہینے کے لیے رخصت دو، میں پیسے لے آؤں گا۔

مولوی صاحب گھر سے نکلے، کچھ دور جا کر انہوں نے لباس تبدیل کیا، ہندوؤں جیسا حلیہ بنایا، دور کہیں جا

کر ہندوؤں کے کسی مندر میں گھس گئے۔ عالم تو وہ تھے ہی۔ ہندوؤں کی کتابوں کا مطالعہ بھی انہوں نے کر رکھا تھا۔ انہیں ان کی کتابوں کے اقتباسات سنائے۔ ان کے مذہب کے متعلق عالمانہ سی باتیں کیں۔ ہندوؤں نے انہیں اپنی کوئی بہت بڑی مذہبی شخصیت سمجھ کر سر آنکھوں پر بٹھایا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ علاقے میں بڑی دھوم ہوئی کہ بہت بڑا فاضل ہندو ہے۔ بڑا بزرگ پروہت ہے دو چار مہینے جب خوب شہرت ہو چکی تو ایک صبح اٹھے اور شہر کی جامع مسجد میں پہنچ گئے۔ لوگ حیران ہو گئے کہ ہندوؤں کی اتنی بڑی مذہبی شخصیت مسجد میں کیا لینے آئی ہے؟ مولوی صاحب گویا ہوئے، مجھے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے، انہوں نے مجھے مسلمان کیا ہے، دین بھی سکھایا اور قرآن کا حافظ بھی کر دیا ہے۔ ثبوت کے طور پر جہاں سے کسی نے کہا قرآن سنا دیا، مسائل شرعی بیان کرنے لگے گئے۔ لوگوں کو بے حد خوشی ہوئی، لباس بدلوایا، لٹ کٹوائی، اسلامی نام دیا اور دھڑا دھڑ عقیدت مند جمع ہونا شروع ہو گئے۔ جس کے پاس جو کچھ بھی تھا پیش کرتا چلا گیا۔ چند ہفتوں میں زیورات اور نقدی سے پوری بوری بھر گئی۔ ایک رات وہاں سے بھاگے اور بیوی کے پاس پہنچ گئے۔ بوری اُس کے سامنے ڈھیر کر دی کہ اب تم گھر بھی بنالو، زیورات ہیں پہن لو، کپڑے بنوالو، جو جی چاہے کرو۔ بیوی نے پوچھا، کہ اتنی کم مدت میں اتنا کچھ کیونکر کما لائے ہو؟ مولوی صاحب نے جواب دیا، نیک بخت! دنیا نجس ہے، مردار ہے، حرام ہے۔ یہ حرام اور مردار طریقوں سے جلدی جمع کی جا سکتی ہے اور پھر انہوں نے سارا قصہ بیوی کو کہہ سنایا۔ وہ بھی کوئی اللہ کی نیک بندی تھی۔ اس نے کہا میرا مطلب یہ تو نہیں تھا، میں تو چاہتی تھی کہ آپ کوئی کاروبار کریں، مزدوری کریں، حلال ذرائع سے کمائیں، میں تو اس ناجائز دولت کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔ بیوی کے کہنے پر انہوں نے وہ بوری اٹھائی اور واپس وہاں پہنچے جس جس کا جتنا مال تھا انہیں حقیقت بتا کر واپس کر دیا۔ وہ تو اللہ کے بندے تھے، وہ سب کچھ انہوں نے بیوی کو سبق دینے کے لیے کیا۔ لیکن ہم جو کچھ کرتے ہیں، ہم شریعت پر عمل نہ کرنے کے لیے بہانے تراشتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی اللہ کے نبی کو بھی چرب زبانی سے دھوکا دے دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ کوئی زیادہ باتیں بنانے والا شخص ہوسکتا ہے کہ مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ کرالے لیکن یاد رہے کہ اللہ تمہاری باتوں پر فیصلے نہیں کرے گا۔ اللہ حقائق پر فیصلے کرے گا۔

فرمایا! بہانے نہ کرو۔ اللہ نے تمہارے معاملہ کے بارے مجھے بتا دیا ہے۔ **وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ** توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا، اگر تم خلوص سے توبہ کر کے اطاعت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اختیار کرتے ہو تو بہت اچھی بات ہے۔ نہیں کرتے تو تمہارے کردار کو اللہ کریم بھی دیکھ رہے ہیں اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمہارے کردار کو دیکھیں گے اور یہ معاملہ تو دنیا میں ہے **ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** پھر تم سب کو پلٹ کر اس بارگاہ میں جانا ہے جو حاضر و غائب سب بات کو جانتا ہے۔ ہوسکتا ہے تم جرم کر کے بھول چکے ہو، کتنے گناہ

جو تم نے کیے تمہیں یاد بھی نہ ہوں۔ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۹۴﴾ اس اللہ کریم کی بارگاہ میں وہ سب موجود ہیں اور وہ تمہیں یاد دلائے گا کہ تم کیا کیا کرتے رہے۔ اس بارگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

اور یہ کیوں قسمیں کھاتے ہیں؟ فرمایا! سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ یہ اس لیے قسمیں کھاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کوئی گرفت نہ کریں۔ یہ جھوٹ بول کر اس پر اللہ کی قسمیں کھا رہے ہیں تا کہ آپ ان سے اعراض فرمائیں، ان سے درگزر فرمائیں۔

فرمایا! فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے درگزر فرمایئے اور فَاَعۡرِضُوۡا کا مطلب یہ بھی بنتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے رُخِ انور پھیر لیں یعنی ان کی پروا نہ کریں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ یہ تو ایک ظاہری صورت ہے لیکن اس کی معنوی حقیقت یہ ہے کہ جس فرد یا جن افراد کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رُخِ انور پھیر لیں، ان کے پاس پھر باقی بچتا کچھ نہیں۔ پھر نہ انہیں اصلاح کی توفیق ہوتی ہے، نہ توبہ کی، نہ وہ کسی بھی طریقے سے دنیا و آخرت میں رحمت الٰہی کو پا سکتے ہیں۔ کیونکہ رحمتِ الٰہی وسیع ترین ہے لیکن اسے پانے کا ذریعہ ہے وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ○ (الانبیاء: 107) اور ہم نے آپ کو (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) اور جو کوئی خلوص سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو تھامے گا، وہ ہی اپنا حصہ اس میں سے پائے گا جتنا جس کا خلوص ہوگا اتنی برکات، اتنی رحمت اس کو نصیب ہوگی تو فرمایا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے رُخِ انور پھیر لیجیے۔ اس لیے کہ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ یہ نجس لوگ ہیں۔

اشرف المخلوقات نجس کیسے؟

انسان تمام مخلوق میں اشرف مخلوق ہے لیکن تب ہے جب اس کے دل میں نورِ ایمان ہو، عمل میں اتباعِ سنت ہو، خوفِ خدا ہو، اللہ کریم کے ساتھ تعلق ہو۔ اگر اس تعلق سے محروم ہو جائے، اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کرنے سے محروم ہو جائے تو ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِيۡنَ ○ (التین: 5) پھر وہ ایسا گرتا ہے کہ ذلیل ترین مخلوق سے بھی نیچے چلا جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا: فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے رُخِ انور پھیر لیجیے۔ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ یہ ناپاک ہیں نجس ہیں وَّمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ ان کا ٹھکانہ، ان کا انجام، ان کا گھر دوزخ ہے۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ﴿۹۵﴾ ان سے کوئی زبردستی یا زیادتی نہیں ہو رہی۔ انہوں نے بڑی محنت، بڑی مشقت سے اپنے لیے دوزخ کمائی ہے۔ رب العالمین نے کیسی لطیف بات ارشاد فرمائی کہ اتنی محنت جنت میں جانے کے لیے نہیں لگتی،

محنت لوگ دوزخ میں جانے کے لیے کرتے ہیں۔ برائی کرنا، چوری کرنا، قتل کرنا، ڈاکہ ڈالنا، رشوت لینا، دھوکا دینا یہ سارے کام کیا آسان ہیں؟ دنیا میں ان پر جو دارو گیر ہوتی ہے، لوگ ان پر جو لعن طعن بھیجتے ہیں، جو بدنامی ہوتی ہے، کیا یہ سارے کام آسان ہیں؟ اللہ کریم فرماتے ہیں بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ انہیں دوزخ میں جانے دو، ان بے چاروں نے بڑی محنت بڑی مشقت کر کے اپنے لیے دوزخ کمائی ہے۔ آج کی بات کی جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ زندگی میں تکلیفیں اٹھا اٹھا کر، بدنامیاں سہہ سہہ کر، جیلیں بھگت بھگت کر، تھانوں میں مار کھا کھا کر اور بڑے مشکلات میں زندگی گزار کر انہوں نے جہنم کمائی ہے انہیں موج کرنے دیں، انہیں جانے دیں۔ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یہ ان کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے، اس کی جزا ہے، اس کا بدلہ ہے۔ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ آپ ان سے راضی ہو جائیں۔ ہوسکتا ہے چکنی چپڑی باتوں سے، آنسو بہا کر، رو پیٹ کر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرلیں۔

فرمایا! فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں معاف کر بھی دیں فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ اللہ بدکاروں سے کبھی راضی نہیں ہوتا۔ انہوں نے جو پہلے گناہ کیا کہ اتباع نہیں کیا، وہ الگ گناہ تھا۔ پھر جھوٹے بہانے تراش کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو ایک اور بڑا گناہ ہے۔ وقتی طور پر ہوسکتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرلیں۔ لیکن اللہ انہیں معاف نہیں فرمائیں گے کہ یہ ظلم پر ظلم کر رہے ہیں۔

علمِ ظاہر کی فضیلت:

فرمایا! اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ شہریوں کی نسبت دیہاتی کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اس لیے کہ وہاں جہالت زیادہ ہے، ان کے پاس علم کی کمی ہے۔ معلومات کے ذرائع بھی کم ہیں، لہٰذا معلومات کی بھی کمی ہے۔ یہاں علم ظاہر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ علم ظاہر بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ علم انسانی اقدار و تہذیب سے روشناس کراتا ہے اچھے برے کی تمیز دیتا ہے جو جاہل کو نصیب نہیں ہوتی۔ علم کم از کم دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کا پتہ تو دیتا ہے جبکہ جاہل جانور کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ جانور کے دل میں جو خواہش پیدا ہوتی ہے وہ پوری کرنا چاہتا ہے۔ اسے ضابطے، قاعدے نہیں آتے۔ اسی طرح جاہل کو انسانی معیار و اقدار کا پتہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا علمِ ظاہر بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ فرمایا! یہ لوگ جو ویرانوں میں، جنگلوں میں اور دیہات میں رہتے ہیں، ان میں علم کی کمی ہے۔ یہ کفر اور نفاق میں بڑھے ہوئے ہیں اور زیادہ سخت ہیں۔ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ

اللهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ اس لیے کہ ان کو ان حدود کی خبر ہی نہیں پہنچی جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائیں۔ یعنی ان لوگوں کا ماحول ہی ایسا ہے کہ وہ اللہ کی نازل کی ہوئی حدود سے بے خبر رہیں کیونکہ نہ قرآن ان کے سامنے آتا ہے، نہ اس کے معانی ومطالب اور احکام سے ان کو واقفیت ہوتی ہے۔ اس سب کی وجہ یہ بتلائی گئی کہ یہ لوگ علم اور علماء سے دور رہنے کے سبب عموماً جہالت اور قساوت میں مبتلا ہوتے ہیں اور حقیقی علم وہ ہے جو اللہ کی طرف سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور یہ علم وہ ہے جو دونوں جہانوں کو نافع ہے۔ بدن کی اصلاح کرتا ہے اور روح کی بھی۔ اس دنیا میں عزت دیتا ہے اور آخرت کی عزت کا سبب بھی بنتا ہے۔ دوسرے درجے میں وہ علم ظاہر ہے جو کم از کم انسانی اقدار اور انسانی جسم کی ضروریات اور ان کی تکمیل کے جائز اور واضح ذرائع تو بتاتا ہے یعنی کچھ سمجھ تو آتی ہے اور اگر علم کا یہ درجہ بھی حاصل نہیں یعنی بالکل جہالت ہے تو پھر ان سے کس بات کی امید کی جاسکتی ہے یہ لوگ برائی میں بڑے سخت مزاج اور کفر ونفاق میں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ان حدود سے واقف ہی نہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ نے نازل فرمائیں۔ اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان مرد وعورت پر فرائض کو جاننا فرض ہے۔ واجبات کو جاننا واجب ہے، سنن کو جاننا سنت ہے اور مستحبات کو جاننا مستحب ہے۔ ہر کوئی عالم تو نہیں ہوسکتا لیکن روزمرہ زندگی کے جائز وناجائز، حلال وحرام، رشتوں کا احترام، لوگوں سے تعلقات، لین دین کے ضابطے، روزمرہ کے معمولات سے واقف ہونا ضروری ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝ اللہ کریم ہر چیز کو جاننے والے بھی ہیں اور دانا تر ہیں۔ ان کے فیصلے، ان کی اپنی حکمت کے مطابق ہوتے ہیں وہ (ان) کو کیوں مہلت دیتے ہیں، کتنی مہلت دیتے ہیں، اس میں کیا مصلحت ہے، اس کا انجام کیا ہوگا، اس کے نتائج کیا ہوں گے، یہ انسانی افکار سے بالاتر چیز ہے۔ یہ اس مالک الملک کا اپنا نظام ہے جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ وہ خود بہتر جانتا ہے، کس کو کتنی ڈھیل دینی ہے، کس کو کتنی مہلت دینی ہے اور کون کس شعبے میں کہاں تک آگے جاتا ہے۔

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا یہ گنوار ایسے ہیں کہ بظاہر کلمہ پڑھ بھی لیں تو جب زکوٰۃ دینے کی باری آتی ہے تو یہ اسے ایک جرمانہ ایک مصیبت سمجھ کر دیتے ہیں کہ مجبوراً یہ اخراجات کرنا پڑ رہے ہیں۔ وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ اور لوگ امید کرتے ہیں کہ اسلامی حکومت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت پر کوئی مصیبت آجائے، یہ حکومت ہی نہ رہے، یہ اختیارات ہی نہ رہیں، یہ بات بدل جائے۔

فرمایا! عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ جو حکومتِ اسلامی کے لیے مصیبتیں تلاش کرتا ہے، جو آپ ﷺ کی حکومت کے لیے ابتلاء کی خواہش کرتا ہے، سب سے بڑی مصیبت تو خود اس پر آ گئی کہ وہ اسلام کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہا ہے کسی انسان کے لیے اس سے بڑی بدبختی اور مصیبت اور کیا ہوگی۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۹۸ اللہ کریم سننے والے بھی ہیں اور جاننے والے بھی ہیں۔

ہر بندہ اپنی قلبی کیفیات کے مطابق اثرات و نتائج پاتا ہے۔ بڑی عجیب بات ہے، اگر انسانی زندگی پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ لوگ جھوٹ فریب سے عہدے بھی لے لیتے ہیں، دولت بھی کما لیتے ہیں۔ بڑے بڑے گھر، بڑی بڑی گاڑیاں بھی لے لیتے ہیں لیکن انہیں کوئی پل سکون کا نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ کی شان ایسی ہے کہ انہی چیزوں کے اندر ایسی مصیبتیں رکھ دیتا ہے، ایسی پریشانیاں رکھ دیتا ہے کہ انہی دنیوی آسائشوں کے سبب اس قدر رسوا ہوتے ہیں کہ کہہ اٹھتے ہیں کہ اس سے تو بہتر تھا میں کوئی فقیر ہوتا اور ان مصیبتوں سے بچ جاتا۔ اس کے برعکس بعض لوگوں کے پاس دنیوی وسائل نہیں ہوتے لیکن ان کے دل میں اللہ کی محبت، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی ہے اور ان کے عمل میں دین کی اطاعت ہوتی ہے جس کے سبب وہ اپنی مفلسی میں بھی اتنے مطمئن اور اتنے خوش ہوتے ہیں کہ انہیں کسی کی پرواہی نہیں ہوتی۔ یعنی نتائج تو من جانب اللہ مرتب ہوتے ہیں۔

فطرتِ انسانی پر قائم رہنا سبب ہدایت:

اور فرمایا! ضروری نہیں کہ سارے دیہاتی ایک جیسے ہی ہوں، وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں کہ جو ایمان لے آئے تو پھر واقعی لے آئے۔ جب مان لیا تو پھر مان لیا۔ ان کے پاس ظاہری معلومات نہیں ہیں لیکن ان کے پاس انسانی اقدار ہیں۔ انہوں نے جب نہیں ماننا تو نہیں مانا، جب مانا تو پھر کلی طور پر مان لیا۔ ''دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں''۔ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ان کے پاس جو وسائل ہوتے ہیں، وہ انہیں اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اللہ کے قرب کی تلاش میں خرچ کرتے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر دعا دیں گے۔ خرچ کرنے کے لیے صرف مال ہی نہیں ہوتا، انسان کے پاس جان ہے، کردار ہے، سوچ ہے، علم ہے، معلومات ہیں، غرض جو جو چیز وہ جہاں جہاں

خرچ کرتا ہے، دیکھا جاتا ہے کہ یہ اللہ کے لیے کر رہا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کر رہا ہے، اللہ کے دین کے لیے کر رہا ہے یا ذاتی شہرت ومنفعت کے لیے جال بچھا رہا ہے تو فرمایا! اگرچہ دیہات میں جہالت ہے، لوگ اُجڈ گنوار بھی ہیں لیکن ان میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جب انہوں نے مان لیا، پھر دل سے مان لیا۔ پھر انہوں نے اقرار کیا کہ ہم کلی طور پر اللہ پر یقین رکھتے ہیں، اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ہم جو کام کریں گے، جو خرچ کریں گے، اس سب کا محور اللہ کی خوشنودی کے حصول کی خواہش ہوگی اور یہ خواہش ہوگی کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے خوش ہوں اور ہمیں دعا دیں فرمایا! سن لو! اَلَآ خوب توجہ سے سنو اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ ان کے لیے واقعی ان کا کردار، ان کے اخراجات، اللہ کے قرب کا سبب بن جائیں گے۔

حاصلِ علوم:

دنیا میں جتنے بھی علوم ہیں، مادی ہیں یا روحانی، دینی ہیں یا دنیوی، دینی ظاہری علوم ہیں یا روحانی۔ طبی ہیں یا سائنسی ہیں، اصولِ تجارت سے متعلق ہیں یا اصولِ سیاست سے، تاریخ وجغرافیہ کے علوم ہیں یا اصولِ حکمرانی کے ان سارے علوم میں آگے سے آگے تحقیق کرتے جائیں اور سارے نتائج کو جمع کریں تو ان سب کا آخری نتیجہ کیا ہوگا؟ سب علوم کا حاصل یہی ہوگا کہ اس جہان اور سارے جہانوں سے اوپر ایک طاقت ہے جو اس ساری کائنات کی حکمران طاقت ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے وہ جو چاہتی ہے، کرسکتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نہیں مانتے، آخر کار وہ بھی یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کوئی ایک ہستی ایسی ہے جو اس نظام کائنات کو چلا رہی ہے جس کے نظام میں کوئی مداخلت نہیں کرسکتا۔ اگر یہ منطقی نتیجہ کسی کو علم وکتاب میں سر کھپائے بغیر، بطفیل محمد رسول اللہ ﷺ نصیب ہو جائے۔ اگرچہ اس نے علم کی الف، ب نہیں پڑھی۔ اسے مفروضے قائم کر کے تجربات کیے بغیر ہی ان کا حاصل اور نتیجہ نصیب ہو گیا۔ وہ اللہ کی توحید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین کامل لے آیا۔ جس کا پہلا ثمر یہ تھا کہ اس کا کردار مثبت ہو گیا یعنی ایمان کی دلیلِ اوّلین یہ ہے کہ مومن کا کردار مثبت ہو جاتا ہے۔ کوئی اپنے ایمان کا دعویٰ کرتا رہے، کلمہ پڑھتا رہے لیکن اس کا کردار مثبت نہ ہو تو یہ کمزوریٔ ایمان کی علامت ہے۔ ایمان اس یقین کو کہتے ہیں جو ہمارے ہاتھ کو اللہ کی نافرمانی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی طرف بڑھنے سے روک دے۔ ایمان اس درجہ یقین کا نام ہے کہ جس سے اعتبار حاصل ہو جائے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی

نافرمانی زہر ہے، اس کے قریب بھی نہیں پھٹکنا بالکل جیسے ہمیں یقین ہو کہ پانی زہر آلو ہے تو ہم پیاسا رہنا پسند کر لیتے ہیں مگر اس پانی کا ایک گھونٹ بھی پینے کا خطرہ مول نہیں لیتے۔

تو فرمایا کہ یہ بے شک دیہاتی ہیں، پڑھے لکھے نہیں ہیں، انہی دیہاتیوں کے ساتھ رہتے ہیں جو کفر و نفاق میں آگے بڑھ گئے لیکن جب انہوں نے رب کو اپنا رب اور رسول ﷺ کو اپنا رسول ﷺ مانا تو دل کی گہرائیوں سے مان لیا۔ پھر تمام علوم کا ماحصل اور نتیجہ انہیں حاصل ہو گیا۔ اللہ پر ایمان، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آخرت پر یقین کا وہ درجہ نصیب ہو گیا کہ ان کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور ان کا کردار، ان کے لیے قربِ الٰہی کا سبب ہے۔ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ خلوص کے ساتھ اتباعِ رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حاصل کرنے کا سبب ہے۔ یعنی ان خوش نصیبوں نے دو خواہشیں کیں اور دونوں پالیں۔ ایک یہ کہ اللہ کا قرب حاصل ہو، وہ انہیں نصیب ہو گیا۔ دوسری یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر انہیں دعا دیں۔ جب انہوں نے خلوصِ دل سے اتباعِ رسالت کیا، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی نصیب ہو گئی۔ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ موت رحمت کی ہوگی۔ قبر، دوزخ میں ان پر رحمت ہوگی میدان حشر میں وہ اللہ کی رحمت کے زیر سایہ ہوں گے۔ پھر اللہ کی جنت میں اللہ کی رحمت سے پہنچیں گے اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۹﴾ یقیناً اللہ کریم بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ جہاں تک عظمتِ الٰہی کا تعلق ہے۔ اللہ کریم بخشنے والے بھی ہیں اور رحم فرمانے والے بھی۔ یہ بندہ ہے جو کبھی بخشش طلب نہیں کرتا، جو ناراضگی سمیٹتا رہتا ہے اور اللہ کی رحمت کی طرف نہیں پلٹتا۔ سارا قصور بندے کا ہے ورنہ اللہ کریم تو، کوئی زندگی بھر جرائم کرتا رہے، موت سے لحہ بھر پہلے بھی اسے احساس ہو جائے، اس وقت بھی خلوصِ دل سے توبہ کر لے۔ تو اللہ کریم قبول فرما لیتے ہیں۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ جب تک اس پر موت کے فرشتے اور برزخ ظاہر نہیں ہو جاتے، اللہ کریم کافر کی توبہ بھی قبول فرما لیتے ہیں۔ بندۂ مومن اگر خطا کرتا رہے، اس پر برزخ کھل بھی جائے، موت کے فرشتے بھی نظر آ جائیں۔ اس وقت بھی خلوص سے کہہ دے کہ یا اللہ میں نے جتنے بھی گناہ کیے تھے، میں توبہ کرتا ہوں تو بندۂ مومن کی توبہ اللہ کریم اس وقت بھی قبول کر لیتے ہیں لیکن یہ توبہ کی توفیق بھی تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو لوگ ارادتاً نبی کریم ﷺ کی اطاعت چھوڑ بیٹھتے ہیں، ان سے توبہ کی توفیق سلب ہو

جاتی ہے۔ اس زمرے میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو جھوٹ بول کر اتباعِ رسالت سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ وقتی بہانے تراشتے ہیں۔ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرنے کی بجائے ہر گناہ کے لیے جواز پیدا کر لیتے ہیں۔

ہم تو وقت کے دھارے میں بہتے بہت دور آ گئے۔ وقت اپنی قدرتی سبک روی سے چلتے چلتے بڑی دور نکل آیا ہے ہم، آج کے مسلمان حضور نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک سے ساڑھے چودہ سو سال دور کھڑے ہیں۔ برکاتِ نبوت تو اسی آن بان سے جاری و ساری ہیں، ہمارے قلوب زنگ آلود ہو چکے ہیں۔ ہم لوگ تو اس درجہ بدنصیب ہیں کہ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے۔ سود کو اللہ نے حرام قرار دیا اسے بے دھڑک لے رہے ہیں۔ قرآن میں تمام جرائم کی حدود مقرر کی گئی ہیں۔ سب سے سخت حد زنا کی ہے کہ اس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ کوئی اس پر رحم نہ کھائے لیکن جب سود کی بات کی گئی تو حد نہیں لگائی گئی۔ فرمایا: فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ (البقرہ:279) جو سود نہیں چھوڑتا، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ اب ہم ہیں کہ سود کھاتے ہیں اور اس کا نام منافع رکھ دیتے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے! سود کو سود سمجھ کر کھانے والا گناہگار ہے لیکن سود کا نام بدل کر اسے حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے۔ شرعی حلال کو حرام سمجھنے والا اور حرام کو حلال سمجھنے والا کافر ہوتا ہے جبکہ حرام کو حرام سمجھ کر کھانے والا گہنگار ہوتا ہے، کافر نہیں۔ ہمارا تو یہ عالم ہے کہ پیسہ وہاں جمع کرواتے ہیں، جہاں سود زیادہ ملے۔ اور سود کی رقم سے ہم حج کرنے تک چلے جاتے ہیں۔ تو کیا ایسے لوگ توبہ کریں گے جو گناہ کو گناہ سمجھتے ہی نہیں؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر انسان کو، مجھے بھی اور آپ کو بھی، اپنے اپنے کردار پر نظر کرنا ہوگی۔ بات سادہ سی ہے، اگر کسی کو ایمان نصیب ہو گیا، عظمتِ الٰہی کا احساس نصیب ہو گیا، عظمتِ رسالت کا احساس نصیب ہو گیا تو اس نے تمام علوم کا ماحصل پا لیا۔ لیکن اگر ساری عمر پڑھ پڑھ کر بھی بہانے ہی بناتا اور عذر ہی تراشتا رہا کہ اِدھر سے بھی اتباعِ رسالت پناہی سے نکل جانے کی کوئی راہ نکالوں اور اُدھر سے بھی شریعت کی پابندیوں سے بچنے کے لیے کوئی جواز کھڑا کر لوں، تو وہ ساری عمر پڑھ پڑھ کر بھی مارا گیا علم کا ماحصل نہ پا سکا، جہالت کی محرومیاں اور بدنصیبیاں ہی اس کے حصے میں آئیں۔ اللہ کریم ہمیں ایسی گمراہی سے اپنی پناہ میں رکھے۔ حقیقی علم عطا فرمائے۔ اپنی ذات اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ خلوص کا رشتہ عطا فرمائے۔ توحید و رسالت کے ساتھ ایمان پر زندہ رکھے، ایمان پر موت نصیب فرمائے اور ایمان داروں کے ساتھ حشر نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

سورة التوبہ رکوع 13 آیات 100 تا 110

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ
بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١٠٠ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ
الْأَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ ۛ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا
تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ
عَظِيْمٍ ۝١٠١ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ
سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠٢ خُذْ مِنْ
اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ
سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝١٠٣ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ
عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝١٠٤ وَقُلِ
اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٠٥ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ
لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝١٠٦
وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا

الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ١٠٧ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ
اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ
يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ١٠٨ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى
تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ
فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ١٠٩ لَا يَزَالُ
بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ١١٠

اور سبقت لے جانے والے، اوّلیت رکھنے والے (ایمان لانے میں) مہاجرین اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے خلوص کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ اللہ ان سے راضی ہوئے اور وہ اللہ سے خوش ہوئے اور ان کے لیے ایسے باغ بنا رکھے ہیں جن کے تابع نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے ١٠٠ اور تمہارے گرد و نواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینہ والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے، ان کو ہم جانتے ہیں۔ عنقریب ہم ان کو دہری سزادیں گے پھر یہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ١٠١ اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا (اور) انہوں نے اچھے اور بُرے اعمال کو ملا جلا دیا۔ قریب ہے کہ اللہ ان پر (مہربانی سے) توجہ فرمائیں (ان کی توبہ قبول فرمائیں) بے شک اللہ بڑے بخشنے والے رحم والے ہیں ١٠٢ آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (زکوۃ) قبول فرمالیں کہ آپ ان کو اس سے ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی پاک کرتے ہیں۔ اور ان کے حق میں دعا فرمائیں کہ بے شک آپ کی دعا ان کے لیے تسکین (اطمینانِ قلب) کا سبب ہے اور اللہ سنتے ہیں،

جانتے ہیں ﴿۱۰۳﴾ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور
ان کے صدقات کو قبول فرماتے ہیں اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول فرمانے والے مہربان
ہیں ﴿۱۰۴﴾ اور فرما دیجیے کہ کام کیے جاؤ تو جلد ہی اللہ اور اس کا پیغمبر اور اہل ایمان
تمہارے کاموں کو دیکھ لیں گے اور تم عنقریب غائب وحاضر جاننے والے کی طرف
لوٹائے جاؤ گے پس وہ تمہیں تمہارے اعمال کے بارے سب بتا دیں گے ﴿۱۰۵﴾
اور کچھ لوگ ہیں جن کا کام اللہ کے فیصلہ کے آنے پر ملتوی ہے یا ان کو سزا دیں گے
اور یا ان کی توبہ قبول فرمائیں گے اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۱۰۶﴾ اور کچھ
لوگوں نے (اس غرض سے) مسجد بنائی کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں اور کفر
کریں اور ایمان والوں میں تفریق ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر سے پہلے
جنگ کر چکے ان کے ٹھہرنے کا سامان کریں اور وہ ضرور (اللہ کی) قسمیں کھائیں
گے کہ بھلائی کے علاوہ ہماری کوئی نیت نہیں اور اللہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ جھوٹے
ہیں ﴿۱۰۷﴾ آپ اس میں کبھی کھڑے بھی نہ ہوں البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے
پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں (نماز کے
لیے) کھڑے ہوں اور اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور
اللہ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں ﴿۱۰۸﴾ کیا پھر جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد
اللہ کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی
بنیاد گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی پس وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے
گری۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتے ﴿۱۰۹﴾ ان کہ یہ عمارت جو انہوں نے
بنائی ہمیشہ کانٹا بن کر ان کے دلوں میں رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل پاش پاش
ہو جائیں اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۱۱۰﴾

تفسیر و معارف

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ کریم نے امتِ مسلمہ کو تین جماعتوں میں تقسیم فرما دیا۔ ایسی تین جماعتیں متعین فرما دیں جن کے باہر اسلام کا تصور نہیں۔ وہ ہی شخص مسلمان ہے جو ان تینوں گروہوں میں سے کسی ایک گروہ میں شامل ہے۔ سب سے پہلا گروہ مہاجرین و انصار، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔

قرآن کے مثالی مسلمان:

فرمایا! وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ سبقت لے جانے والے دو طبقے ہیں۔ سب سے پہلے نمبر پر السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ہیں یعنی ایمان لانے میں اوّلیت رکھنے والے۔ ان کی یہ سبقت صرف اس امت پر ہی نہیں ہے بلکہ یہ تمام اُمتوں پر سبقت لے جانے والے ہیں۔ جس طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہ السلام پر اوّلیت رکھتے ہیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت، تمام اُمتوں پر فضیلت رکھتی ہے جب سے نسلِ انسانی وجود میں آئی ہے اور جب تک اللہ نے اسے باقی رکھنا ہے، ساری انسانیت میں اوّلیت رکھنے والے، سب سے آگے نکل جانے والے مہاجرین و انصار ہیں۔ مہاجرین میں وہ لوگ شامل ہیں جو مکہ مکرمہ میں ایمان لائے۔ صحبتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انہیں اس قدر پختہ یقین نصیب ہوا کہ دنیا کی ہر مصیبت جھیل گئے لیکن ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ہجرت کا حکم ہو گیا کہ اپنا شہر چھوڑ دیں۔ شہر چھوڑنے کا مطلب یہ تھا کہ زندگی کا جو سرمایہ تھا، دنیا میں جو کمایا، زمینیں، جائیداد، باغات، گھر، مکان بنائے، وہ سب کچھ مکہ میں رہ جائے اور صحابہؓ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مدینہ منورہ ہجرت کر جائیں۔ جن کے بارے میں اللہ کریم یہ فرما رہے ہیں کہ یہ ساری مخلوق پر سبقت لے گئے یہ مہاجرین صحابہؓ کی وہ مقدس جماعت ہے جس نے تیرہ برس حضور ﷺ کے ساتھ دنیا کی ساری مصیبتیں برداشت کیں لیکن دامانِ رسالت کو نہ چھوڑا اور جب حکم ہوا کہ ہجرت کر جاؤ تو سب کچھ چھوڑ دیا۔ صحابہ کرامؓ نے وہ اولادیں چھوڑ دیں جو مسلمان نہیں تھیں، والدین چھوڑ دیے جو مسلمان نہیں تھے، دین کی خاطر بہن بھائی دوست احباب چھوڑ دیئے۔ زمینیں، باغات، جائیدادیں چھوڑ دیں اور اس طرح چھوڑ دیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو مہاجرین نے اپنے گھر اور زمینیں واپس نہیں لیں۔ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں رہ کر انہوں نے قصر نمازیں پڑھیں کہ ہم تو یہاں مسافر ہیں۔ ہم اللہ کے نام پر گھر چھوڑ چکے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر صلوٰۃ ادا فرمائی۔

آج کے مسلمان:

ہم آج کے مسلمان شاید اس بات کو نہ سمجھ سکیں کہ آج ہم اسلام کو بھی دنیا کے حصول کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ کوئی مولوی بن کر، کوئی فقیر بن کر اور کوئی وظیفے پڑھ کر بھی دنیا ہی کا طالب ہے۔ عوام کی اکثریت کا اسلام اور اللہ سے بس اتنا ہی تعلق ہے کہ کوئی وظیفہ کریں کہ نوکری مل جائے، دولت آجائے یا کوئی اور دنیوی مطلوب حاصل ہو جائے حالانکہ اسلام تو اللہ سے تعلق کا نام ہے۔ ضروریاتِ دنیا کی تقسیم اللہ کے اپنے فیصلے پر ہے۔ اس میں بندوں کا دخل نہیں۔ یہ سب اللہ کریم کے فیصلے ہیں کہ کس کو کتنا رزق دینا ہے، کس کے پاس کتنی دولت ہوگی۔ کون کتنا غریب ہوگا، کس کی صحت کیسی ہوگی، کس کو کتنی بیماریاں بھگتنا پڑیں گی، کس کے پاس اقتدار ہوگا، کون رعایا ہوگی؟ اللہ ہی نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کا نصیب خود لکھا۔ ان کے لیے رزق پیدا فرمایا اور تقسیم کر دیا۔ ہر ایک کو اس کا نصیبہ ملے گا۔ کوئی فرد دوسرے کے حصے سے ایک گھونٹ پانی کا پی سکتا ہے نہ ایک دانہ رزق کھا سکتا ہے۔ اگر لوٹ مار کر کے جمع کر بھی لیا تو چھوڑ کر مر جائے گا۔ وہی کھائیں گے جن کے نصیب میں ہوگا۔

دین کا مآخذ:

بندے کا اللہ کریم سے ایسا تعلق کہ اسی کو الٰہ، معبود، خالق و مالک مانے، یہی اسلام ہے اور بعثتِ رسول اللہ ﷺ سے لے کر رہتی دنیا تک کی ساری مخلوق کے لیے اللہ کریم سے اس تعلق کا واحد ذریعہ حضور ﷺ کی ذاتِ کریمہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ سے تعلق کا ذریعہ صرف قرآن ہے۔ قرآن کس نے دیا اور کہاں سے آیا؟ حضور اکرم ﷺ کے علاوہ کس نے وحی کی آواز سنی، کس کو وحی کا ادراک ہوا؟ قرآن بھی تو وہی ہے جسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن ہے۔ قرآن حکیم کی سب سے پہلی تفسیر حضور ﷺ کے ارشادات اور حدیثِ رسول ﷺ ہے۔ حدیث بھی وحی ہے۔ وحی دو طرح کی ہے، وحی مَتْلُوْ اور وحی غیر مَتْلُوْ۔ قرآنِ حکیم وحی مَتْلُوْ ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اس میں الفاظ و مفاہیم اللہ کریم کے اپنے ہیں۔ حدیث وحی غیر مَتْلُوْ ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ اس میں الفاظ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہیں اور مفہوم اللہ کریم کا عطا کردہ ہے۔ یعنی جو بات اللہ کریم نے حضور ﷺ کو بتائی کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے بتائیں وہ حدیث ہے اور جو کلام الٰہی حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوا اور اللہ نے فرمایا، اسے لوگوں تک پہنچائیں، وہ قرآن ہے۔ قرآن و حدیث دونوں کا مآخذ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے لہٰذا تعلق باللہ کا واحد راستہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں دوسرا نام ہے وَالْاَنْصَارِ یہ وہ لوگ ہیں جن کا وفد مدینہ سے مکہ مکرمہ جا کر

مسلمان ہوا تھا۔ جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ آنے کی یہ جانتے ہوئے بھی دعوت دی کہ وہ پوری دنیا کی مخالفت مول لے رہے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ان پر یہ سوال کیا گیا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ ہماری ہجرت اور مدینہ منورہ آنے کا مطلب کیا ہوگا، تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ پوری دنیا کا کفر و شرک ہمارے خلاف متحد ہو جائے گا لیکن ہم ہر مصیبت کا مقابلہ کریں گے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت کا حق ادا کریں گے۔

آج کا مسلمان جو اسلام کو بھی دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتا ہے وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ساری دنیا ہار دینا اور ایمان کو تھام لینا اتنا بڑا کام تھا کہ اللہ کریم نے فرمایا! وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ یہ دو گروہ ایسے ہیں جو ایمان لانے میں سب پر سبقت لے گئے۔ یہ دو جماعتیں ہیں، مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ایک وہ جنہوں نے ہجرت کی اور دوسری وہ جنہوں نے مدینہ منورہ میں مہاجرین کے لیے دل وا کر دیے۔ ان کی مدد پر ایسے کمربستہ ہوگئے کہ کوئی کمی نہ چھوڑی۔ انہیں گھروں میں بسایا، جائیدادیں بانٹ دیں، ان کے شانہ بشانہ جہاد کیے اور غلبۂ اسلام کے لیے جانیں دیں۔

یاد رہے ہجرت بھی فتح مکہ تک ہی تھی۔ آپ ﷺ کا ارشادِ عالی ہے، ''لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّة'' (صحیح الجامع) جب ہجرت ختم ہوگئی تو نصرت بھی ختم ہوگئی۔ انصار بھی وہی طبقہ ہے جس نے مہاجرین کی مدد کی اور مہاجر وہ ہیں جو فتح مکہ سے پہلے گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ آ گئے۔ اس کا مطلب ہے جو صحابہ کرامؓ فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ منتقل ہوئے وہ مہاجر نہیں ہوں گے کہ ہجرت فتح مکہ تک ہے۔ وہ صحابہ کرامؓ جو فتح مکہ کے بعد اپنی مرضی سے وہاں آ گئے یا کہیں اور چلے گئے یا کسی نئے شہر میں جا بسے تو ہجرت نہیں ہوئی۔ ہجرت فتح مکہ سے پہلے تک تھی۔ اس لیے وہ بھی تیسرے طبقے میں آئیں گے۔

قرآنِ حکیم نے ایمان والوں کے تیسرے طبقے کے بارے فرمایا! وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ جنہوں نے خلوصِ دل سے مہاجرین و انصار کا اتباع کیا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ متبوع صرف نبیؑ ہوتا ہے، صرف نبیؑ ہی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے۔ نبیؑ سے غلطی نہیں ہوتی۔ نبیؑ کو ہمیشہ ہر کام میں اللہ کریم کی راہنمائی نصیب ہوتی ہے اس لیے نبیؑ ہر کام کرتے ہیں۔ صحابیؓ معصوم نہیں ہوتا لیکن محفوظ ہوتا ہے۔ اللہ کریم صحابیؓ کی حفاظت فرماتے ہیں۔ اولیاء معصوم نہیں ہوتے، ان سے گناہ ہو سکتے ہیں لیکن اولیاء اللہ اپنے درجے میں محفوظ ہوتے ہیں، اللہ کریم انہیں گناہوں سے بچاتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ جو خلوصِ دل سے مہاجرین اور انصار صحابہؓ کا اتباع کرے گا، رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اللہ ان سے راضی ہوگا اور اتنا دے گا کہ ان کے پاس مانگنے کو کچھ نہ رہے گا۔ اور وہ اللہ سے راضی ہو جائیں گے اور کہہ اٹھیں گے کہ اے ہمارے ربّ! آپ نے ہمیں اتنا دے دیا کہ

ہمارے پاس مانگنے کو اور کچھ نہیں۔

اس آیت میں اللہ کریم صحابہ کرامؓ کے اتباع کو ایمان کی شرط قرار دے رہے ہیں تو سوال یہ ہے کہ غیر نبی کس طرح قابل اتباع ہو گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مہاجرینؓ و انصارؓ کی دونوں جماعتیں اس قدر فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم تھیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے خلاف کبھی سوچا بھی نہیں۔ انؓ کی ذوات حضور ﷺ کی اطاعت میں ڈھل گئیں۔ انہوں نے ہر کام میں یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کیا ہے۔ اور اس حکم کی بجا آوری پر فنا ہو گئے۔ نہ ان کی کوئی اپنی رائے رہی نہ انہیں کسی اور کی پروا رہی۔ انہیں صرف ایک ہی غرض تھی کہ کام اس طرح سے کرنا ہے جو حضور اکرم ﷺ کی منشاء ہے اور بات ختم...... اسی کو فنافی الرسول ﷺ کہتے ہیں۔

مراقبہ فنافی الرسول ﷺ:

یہ جو صوفیا فنافی الرسول ﷺ کا مراقبہ کراتے ہیں، اس کا حاصل بھی یہی ہوتا ہے کہ بندے کی اپنی مرضی اور ارادہ ختم ہو جائے۔ اس کی رائے حضور ﷺ کی اطاعت میں فنا ہو جائے۔ وہ ہر کام کرنے سے پہلے دیکھے کہ حضور ﷺ کا حکم کیا ہے۔ پھر اس میں دنیا کا نفع ہو یا نقصان، شہرت ہو یا بدنامی، پھر بندے کو اس کے سوا کوئی غرض نہیں رہتی کہ اطاعتِ رسول ﷺ بجالائے۔ نتائج کے لیے اس کا بھروسہ اللہ کریم کی ذات پر ہوتا ہے کہ نتائج اللہ کریم کے دستِ قدرت میں ہیں۔

مہاجرین و انصار اسی صفتِ فنافی الرسول ﷺ سے متصف ہو کر قرآن کے مثالی مسلمان بن گئے اور اللہ کریم نے فرمایا کہ جو بھی ان جیسا ہوگا، اس پر میں اتنا راضی ہوں گا اور انعام کروں گا کہ وہ بھی اس دیے پر راضی ہو جائے گا۔ یوں تو حضور ﷺ کے تمام صحابہؓ اللہ کے نیک اور بخشے ہوئے بندے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا "**اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عدول**"۔ تمام صحابہؓ عادل ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا! **اَصْحَابِي كَالنُّجُوْمِ** او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں، جس کا دامن تھام لو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔ یعنی جو کام کسی صحابیؓ نے جس طرح سے کیا ہے، اس کے اتباع میں ویسے ہی کام کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اس کے باوجود ایمان لانے میں اوّلیت رکھنے والے مہاجرین و انصارؓ صحابہ کرامؓ کی فضیلت باقی تمام صحابہؓ پر اس قدر زیادہ ہے کہ اللہ کریم نے فرمایا! قیامت تک آنے والی انسانیت میں سارے لوگوں میں جو خلوصِ دل سے طبقہء مہاجرین و انصارؓ کا اتباع کرے گا گویا اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر لیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے خلاف سوچتے بھی نہ تھے۔ اسی کیفیت کو حقیقی فنافی الرسول ﷺ کہا جاتا ہے اور فنافی الرسول ﷺ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اپنا ارادہ،

خواہش اور آرزو نہ رہے، ایک ہی آرزو رہ جائے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا چاہتے ہیں، میں وہ ہی کروں۔

اسلام کا یہ اصول طے ہوگیا کہ قیامت تک آنے والوں کو خلوصِ دل سے صحابہؓ کی پیروی کرنا ہے۔ قرآن کریم نے اتباع صحابہؓ کے لیے ایک لفظ استعمال فرمایا ہے بِاِحۡسَانٍ اس کا معنی ہے کہ پورے خلوص اور دل کی گہرائی سے کوئی کام کرنا۔ اسی لیے راہِ سلوک کو احسان کہتے ہیں کہ سلوک دل ہی سے بات کرتا ہے، اس کو اللہ اللہ پر لگاتا ہے اور خالص اور کھرا کرتا ہے۔

فرمایا! وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ ان ہی لوگوں کے لیے تو جنتیں بنائی گئی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی فضیلت کے لیے قرآن حکیم کا اندازِ بیاں کتنا خوبصورت اور واضح ہے کسی کو جنت عطا کر دینا، بخش دینا یا انعام دے دینا، یہ بھی اللہ کی بڑی رحمت ہے لیکن کسی کو یہ فرما دینا کہ میں نے یہ جنت بنائی ہی تمہارے لیے ہے، یہ بالکل ایک اور بات ہے یہ فضیلت صحابہ کرامؓ کی ہے جن کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تو پیدا ہی تمہارے لیے کی گئی ہے۔

فرمایا! میں نے ان کے لیے ایسے باغ بنا رکھے ہیں تَجۡرِیۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ جن کے تابع نہریں بہتی ہیں۔ دنیا میں تو یہ اصول ہے کہ باغات نہروں کے تابع ہیں۔ جہاں پانی نہیں پہنچتا وہاں باغ نہیں لگ سکتا۔ جنت کے باغ ایسے ہیں کہ نہریں ان کے تابع ہیں۔ جنتی جہاں باغ لگانا چاہے، پانی کا کام ہے کہ وہاں پہنچے۔

ایسے ہی لوگوں کے لیے ہم نے یہ نعمتیں پیدا فرمائی ہیں خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ تو انہیں موت آئے گی، نہ زندگی ختم ہوگی۔ یعنی جنت ایسی جگہ ہے جہاں نہ کوئی پریشانی آئے گی، نہ تکلیف حتیٰ کہ گرمی، سردی بھی تنگ نہیں کرے گی اور فرمایا! ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝١٠٠ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

جنت کی ضمانت:

یہ آیت بتاتی ہے کہ مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتباع جنت کی ضمانت ہے۔ یہ فَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ یعنی بڑی کامیابی کو پا گئے اور قیامت تک آنے والوں کے لیے راہ متعین کر دی گئی کہ کامیاب وہ ہیں جو اللہ کی جنت میں پہنچ گئے اور جنت میں پہنچنے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ خلوصِ دل سے مہاجرین وانصارؓ کا اتباع کیا جائے۔ فرمایا! جس نے مہاجرین وانصارؓ کی اطاعت کی، اس نے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اور جس نے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی۔ اس آیت سے حد متعین کر دی گئی کہ اطاعتِ الٰہی وہ کرتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ کا اطاعت گزار وہ ہے جو مہاجرینؓ وانصارؓ کی خلوصِ دل سے اطاعت کرتا ہے۔ یہ راستہ متعین ہوگیا، اس سے باہر نکل کر کوئی اللہ کی اطاعت کا

دعویٰ کرے تو وہ غلط ہوگا، اس میں دائیں بائیں جانے کی گنجائش نہیں۔

قرآن حکیم تو اُمت میں مہاجرین وانصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ درجہ متعین کرتا ہے کہ ان ؓ کا اتباع جنت کی ضمانت قرار دیتا ہے، تو وہ لوگ کون ہیں جو مہاجرین ؓ وانصار ؓ کے سردار خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اعتراض کرتے ہیں اور خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں جنہیں اللہ مثالی مسلمان قرار دے، ان پر سوال کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

وہ لوگ بہت خوش قسمت ہیں جنہیں ان ؓ کا خلوصِ دل سے اتباع نصیب ہو، ان ہی لوگوں میں ایسے بھی ہیں جنہیں اسی زندگی میں فنافی الرسول ﷺ نصیب ہو جاتا ہے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔ اللہ کریم پورے خلوص سے ان اعلیٰ ہستیوں کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ یہی دنیا کا محدود وقت ہے، جس نے جو کچھ کمانا ہے، یہیں کمانا ہے خواہ کسی کی زندگی کا عرصہ کم ہے یا زیادہ۔ آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں وہی کچھ ملے گا جو اس زندگی میں کما کر لے جائے گا۔ دنیا کا یہ محدود وقت بہت قیمتی ہے لیکن اکثریت اسے محض گزار رہی ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ اتنا قیمتی ہے کہ حق تو یہ ہے کہ کوئی لمحہ اللہ کے ذکر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے خالی نہ جائے اور عملاً جو کام کیا جائے وہ حضور ﷺ کے اتباع میں ہو۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (بعض حیثیات سے) مجھ سے شدت سے محبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔ ان میں سے ہر شخص یہ تمنا کرے گا کہ تمام اہل وعیال کے عوض مجھے دیکھ لے، اگر ان سے کہا جائے کہ سب اہل وعیال، جان ومال قربان اور فدا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ تب حصولِ دولتِ زیارت سے مشرف ہوگے تو وہ اس پر دل وجان سے راضی ہو جائیں گے۔ (مسلم اور مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ صحابہ ؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو اپنی اُمت کے کون سے لوگ زیادہ پسند ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا، میری اُمت کے آخر میں بہت سے لوگ آئیں گے جو مجھے محبوب ہوں گے۔ عرض کیا گیا کہ جو خدام مہاجرین وانصار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) آپ کے سامنے ہیں، جن کی فضیلت قرآنِ حکیم میں اللہ کریم نے بیان کی ہے؟ فرمایا! بلاشبہ ان کی قربانیاں اور ایثار بے مثال ہے۔ بے شک یہ مجھے بہت عزیز ہیں، انہیں اللہ نے بہت بڑا مقام بخشا ہے لیکن انہوں ؓ نے مجھے دیکھا بھی ہے، میرے ارشادات براہِ راست سنے ہیں لیکن مجھے وہ لوگ بہت محبوب ہیں جو صدیوں بعد ہوں گے، انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا، براہ راست میرا خطاب نہیں سنا ہوگا لیکن وہ میری بات پر جانیں دے دیں گے، میری ذات پر قربان ہو جائیں گے اور مجھ سے محبت کا حق ادا

کر دیں گے۔ جب تک دنیا قائم ہے ایسے لوگ بھی ہوں گے جو صدیوں کے فاصلے کی پروا کیے بغیر حضور اکرم ﷺ کے نام پر جانیں اور دل نچھاور کرتے رہیں گے۔

کچھ بد بخت ایسے بھی تھے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کا زمانہ بھی پایا لیکن نورِ ایمان نہ پایا اور ظاہراً اسلام کا دعویٰ کر دیا لیکن ان کے دل مسلمان نہ ہوئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مکی دور میں کوئی منافق نہیں ملتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تب صرف قربانیاں دی جارہی تھیں۔ منافقین جماعتوں میں تب آتے ہیں، جب جماعتیں دنیوی اعتبار سے کچھ فائدہ دینے کا سبب بنتی ہیں۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ سال کے عرصہ میں جس نے کلمہ پڑھا، گویا اس نے تلوار پر قدم رکھ دیا۔ انصارِؓ مدینہ نے ایسی ایسی قربانیاں دیں کہ ایثار کا حق ادا کر دیا۔ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو ایک اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ گئی اور لوگوں کو دنیوی مفاد کا لالچ ہو گیا، کچھ لوگ جو دل سے تو مسلمان نہیں تھے لیکن انہوں نے مسلمانی کا روپ دھار لیا، نمازیں بھی پڑھیں، روزے بھی رکھے لیکن دل سے اسلام قبول نہ کیا۔ اللہ کریم ان ہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ یہ جو بدّوی اور صحرائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جو صرف دنیا کے لیے مسلمانی کا روپ دھارے ہوئے ہیں، ان کے دل مسلمان نہیں ہوئے۔ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ اور خود مدینہ منورہ کے رہنے والوں میں بھی ایسے لوگ ہیں مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں لَا تَعْلَمُهُمْ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نہیں جانتے نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ہم انہیں جانتے ہیں۔ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾ ہم ان کو دُہرا عذاب دیں گے اور پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ دہرا عذاب کیا ہے؟ ایک تو جس دنیا کی امید پر انہوں نے نفاق اختیار کیا، اسی دنیا کے حصول سے محروم رہیں گے اور حسرتیں لیے مر جائیں گے۔ دوسرا ان کا نفاق ظاہر ہو جائے گا، بدنام ہوں گے اور ذلت و رسوائی ہو گی۔ یہ دو عذاب تو انہیں دنیا میں ہوں گے ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ جب موت آئے گی تو بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹا دیے جائیں گے یعنی موت کے بعد برزخ کا عذاب شروع ہو جائے گا، وہ ختم ہو گا تو پھر روزِ قیامت آخرت کا عذاب شروع ہو جائے گا۔ کافر کو ایک گنا عذاب ہو گا جبکہ منافق کو دو گنا عذاب ہو گا۔

چنانچہ حضور ﷺ کو منع کر دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازے پڑھیں، نہ ان کی قبر پر تشریف لے جائیں، جب یہ حکم نازل ہوا تو یقینی طور پر حضور ﷺ کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ کون ایسے لوگ ہیں جن کا آپ ﷺ نے جنازہ نہیں پڑھنا اور نہ ان کی قبر پر جانا ہے اور جب حضور ﷺ کسی کے جنازے میں یا کسی کی قبر پر تشریف نہ لے گئے

تو پھر باقی لوگوں کو بھی پتہ چل گیا کہ یہ منافق تھا یعنی حضور ﷺ کا کسی جنازے میں یا قبر پر تشریف نہ لے جانا بھی اس بات کا مظہر بن گیا کہ یہ منافق ہے۔

عمل کی کمزوری قابلِ بخشش ہے، عقیدے کی خرابی قابلِ بخشش نہیں

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ فرمایا! کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ایمان کو تو نہیں چھوڑتے لیکن مزاجاً کمزور ہوتے ہیں، نیکی بھی کر لیتے ہیں، کبھی ان سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ بھلائی اور برائی کو ملا دیتے ہیں کبھی نماز پڑھ لیتے ہیں اور کبھی جھوٹ بول جاتے ہیں لیکن انہیں پتہ ہوتا ہے کہ انہوں نے جھوٹ بول کر غلط کیا۔ اگر غلطی سے برائی ہو جائے تو توبہ کرتے ہیں، اس کے لیے جواز تلاش نہیں کرتے۔ مانتے ہیں کہ جو میں نے کیا وہ غلط ہے اور جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا، وہ صحیح ہے۔ اللہ و اللہ کے رسول ﷺ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنا کفر ہے جبکہ حرام سمجھ کر کھا لینا گناہ ہے۔ فرمایا! ایسے گنہگاروں کو بھی میں اگر بخش دوں تو میری رحمت بہت وسیع ہے عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ قریب ہے کہ اللہ ان پر مہربانی فرمائے، ان کی توبہ قبول فرما لے۔ چاہے تو انہیں معاف فرما دے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ بے شک اللہ بہت بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

یاد رہے عمل کی خرابی قابلِ بخشش ہے، ایمان کی خرابی قابلِ بخشش نہیں ہے جو بندہ گناہ کو گناہ سمجھتا ہے، پھر وہ اسے بار بار نہیں کرتا، اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، تو یہ تو درست ہے لیکن جب بندہ گناہ کے لیے جواز پیدا کر لیتا ہے اور اسے اختیار کر لیتا ہے پھر اسے ساری عمر کرتا رہتا ہے، یہ درست نہیں۔ فرمایا! جن کا ایمان کھرا اور صاف ہو، اپنے نبی ﷺ کے ساتھ عقیدت صحیح ہو، اللہ پر ایمان صحیح ہو تو قریب ہے اللہ انہیں بخش دے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔

انسان کو دنیا کی محبت، دنیا کی سہولتوں کی محبت، اقتدار کی محبت نیکی سے روکتی ہے۔ اقتدار کے لیے، دنیا کی سہولتیں حاصل کرنے کے لیے بنیاد سرمایہ ہے، عام مشاہدے کی بات ہے کہ ایک شخص عام سا کاروبار کرتا ہے، سیاست میں دلچسپی نہیں لیتا لیکن جب اس کے پاس کروڑوں روپے آ جاتے ہیں تو وہ الیکشن میں کھڑا ہو جاتا ہے یعنی دولت ہی اقتدار اور دنیوی سہولتوں کے حصول کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ انسان کی اسی کمزوری پر قابو پانے کا نسخہ ارشاد فرمایا کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا اے میرے حبیب ﷺ ان کے مال و دولت میں سے صدقات اور زکوۃ قبول کیا کیجیے۔ اس کا مطلب ہے کہ جو ذمہ دار ہو، اسے یہ اہتمام کرنا چاہیے جیسے حکومت ذمہ دار

ہے تو اس کو چاہیے کہ زکوٰۃ، صدقات جمع کر کے ان کو صحیح مصارف پر خرچ کرے۔ یہی مسنون طریقہ ہے اور یہی طریقہ عہدِ رسالت، عہدِ خلفاء راشدین میں رہا۔ زکوٰۃ بھی صدقہ ہے لیکن وہ فرض ہے۔ بہر طور دینی ہے، اس کے علاوہ صدقات نافلہ دیے جائیں اور اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کیا جائے، غریبوں کی مدد کی جائے، بیماروں کو دوا لے کر دی جائے، اڑوس پڑوس رہنے والوں کی ضروریات پوری کی جائیں۔

فرمایا! یہ مال دینے سے انہیں تزکیہ، پاکیزگی نصیب ہوگی۔ مال کا تزکیہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ زکوٰۃ وصدقات دینے سے مال پاک ہوگیا۔ فرمایا! جب آپ اپنے ہاتھوں سے مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کریں گے تو مال بھی پاک ہوگا اور دل بھی پاک ہوگا چونکہ دل بھی مال کی محبت میں آلودہ ہوتا ہے۔ فرمایا! وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اے میرے حبیب ﷺ! جو لوگ آپ ﷺ کی خدمتِ عالی میں مال پیش کریں، ان کے حق میں دعا بھی فرمائیں۔ اس سے انہیں دل اور مال کا تزکیہ نصیب ہوگا۔

یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ مشائخ جو دینی امور کے ذمہ دار ہوتے ہیں، جو بھی مال ان کی خدمت میں پیش کیا جائے تو مال پیش کرنے والے کا حق بنتا ہے کہ وہ اس کے لیے دعا بھی کریں۔ شیخ کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ مریدوں سے مال کی امید رکھے۔ شیخ کو معاوضہ نہیں چاہیے اور اگر وہ معاوضے کا خواہشمند ہے تو وہ شیخ نہیں ہے، اس منصب کا اہل نہیں ہے۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اسے کوئی دے یا نہ دے، اس کا کام ہے کہ سب کی تربیت یکساں طور پر کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مریدوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس کی ضروریات کا احساس رکھیں۔ اللہ کے نیک بندوں کی دعا اپنا ایک اثر رکھتی ہے۔

فرمایا! اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۖ میرے حبیب ﷺ! دعا ہی ان کو سکون بخشے گی۔ سکون تب آتا ہے جب مقصود حاصل ہو یعنی جو چیز ہم پانا چاہتے ہیں وہ مل جائے۔ اسی طرح جو طالب حق ہو، اسے جب وصالِ حق ہو جائے تو اسے سکون آجائے گا۔ تو فرمایا! آپ ﷺ کی خدمت میں مال پیش کریں گے، ان کے مال اور دل کا تزکیہ ہو گا، دل سے مال کی محبت نکلے گی، اللہ کی محبت آئے گی پھر آپ ﷺ ان کے حق میں دعا فرمائیں گے، توجہ فرمائیں گے تو آپ ﷺ کی دعا ان کے لیے سکون کا سبب بن جائے گی۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾ اور اللہ کریم ہر بات کو سنتے بھی ہیں اور جانتے بھی ہیں ورنہ کسی کو اللہ کریم کے سامنے اپنا دکھ بیان کرنے کی ضرورت تو نہیں کہ کوئی اپنا دکھ اللہ کریم کو بتائے گا تب وہ جانے لگا، وہ تو خود ہر بات سے واقف اور ہر قبول کو سنتا ہے۔ جہاں کہیں جو کوئی بھی دعا کرے یا پکارے تو وہ سب سنتا ہے، صرف وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ اپنا مال آپ ﷺ پر نچھاور کریں اور آپ ﷺ اپنی دعاؤں سے

ان کو نوازیں تو گویا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مال پیش کرنا، آپ ﷺ کا قبول فرمانا اور آپ ﷺ کا دعا فرمانا، یہ حصولِ رحمتِ الٰہی کا سب سے مضبوط سبب بن جاتا ہے۔ یہی نعمت اللہ کے نیک اور مقبول بندوں میں منتقل ہو جاتی ہے چونکہ ذرائع اور اسباب اس نے خود پیدا فرمائے ہیں۔

توبہ ہر شخص کی ضرورت:

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ فرمایا! کیا یہ لوگ اتنی سی بات نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ہر ایک کی توبہ اور جرم الگ ہوتا ہے ایک جاہل جرم کرتا ہے تو گناہ ہوتا ہے، ایک عالم اور ولی اللہ کو سجدے میں کوئی اور خیال آ جاتا ہے تو جرم بن جاتا ہے جیسی کسی کی حیثیت ہوتی ہے، اس کے مطابق اس کا جرم بنتا ہے۔ سجدہ کرتے وقت خیال کہیں اور چلا گیا تو اللہ کریم فرمائیں گے کہ سجدہ مجھے کر رہا ہے، سوچ کسی اور کو رہا ہے۔ ایک قول ہے، ''قربیاں را بیش بود حیرانیاں'' جتنا قریب ہوتے ہیں ان کا معاملہ اتنا نازک ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ کی عبادت نصیب ہو تو اس پر شکر کرنا چاہیے کہ یا اللہ! تیری مہربانی کہ سجدے کی توفیق عطا کر دی۔ ایسا نہ کرے کہ سجدے گن کر اپنی پارسائی کا ڈھنڈورا پیٹنے لگے۔ اللہ کے ایک ولی کا قول ہے، 'انفاس العارفین' میں آپ فرماتے ہیں کہ اے اللہ! تو توفیق نہ دیتا تو کس زبان کی جرأت تھی کہ وہ تیرا نام لیتی۔ تیرا نام اتنا عالی، اتنا پاک، اتنا عظیم ہے کہ تو توفیق نہ دیتا تو کس زبان میں یہ جرأت تھی کہ لفظ اللہ بھی کہہ سکتی، یہ بھی تیری ہی عطا ہے، تو فرمایا! ہر شخص کے درجے کے مطابق اسے توبہ کی ضرورت ہے وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ اور ان کے وہ صدقات جو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اللہ ہی وہ ذات ہے جو وہ قبول فرماتے ہیں۔ اللہ کریم ہی توبہ قبول فرمانے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔ انسان سے خطا ہو سکتی ہے، اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں کہ کسی کی خطائیں معاف کرے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

چونکہ قرآنِ حکیم نے صحابہؓ کے اتباع کو معیارِ اسلام قرار دیا ہے تو معترفین عجیب اعتراض کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ صحابہؓ سے تو غلطیاں بھی ہوئیں، بعض پر تو حدود جاری ہوئیں، سزائیں ملیں تو کیا خطا میں ان کا اتباع کیا جائے گا؟ یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ صحابہؓ سے خطائیں تو ہوئیں، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن ان کی توبہ بھی مثالی تھی، بحیثیت انسان غلطی ہو گئی، کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ انہوں نے خود جا کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں اپنی خطا کا اقرار کیا۔ بعض صحابہؓ ایسے بھی ملتے ہیں کہ حضور ﷺ کے سامنے جا کر عرض کی، حضور ﷺ نے رُخِ انور پھیر لیا پھر دوسری طرف

سے جا کر عرض کی، حضور ﷺ نے پھر رُخ انور پھیر لیا۔ اتنے اصرار کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا! جب اللہ نے تیرا گناہ ظاہر نہیں کیا تو تو کیوں ظاہر کرتا ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اللہ کے سامنے اس گناہ کو لے کر نہیں جا سکتا، مجھ پر یہاں حد جاری فرمائی جائے کہ میں اللہ کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچ جاؤں تو جنہیں یہ اعتراض ہے کہ ان سے خطائیں ہوئیں تو ان کو چاہیے کہ وہ ان کی توبہ کے بارے میں بھی پڑھیں اور ان کی توبہ میں بھی ان کی تقلید کریں۔ ان کی توبہ بھی مثالی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کہیں اور یہ باتیں نہیں ملتیں جیسی صحابہ کرامؓ نے کیں اور بارگاہ رسالت ﷺ میں اپنے آپ کو پورے خلوص سے پیش کیا۔ اللہ کریم ہمیں مہاجرینؓ وانصارؓ کا اتباع خلوصِ دل سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

توبہ کا کردار پر اثر:

توبہ الفاظ وکلمات کا نام نہیں کہ بندہ زبان سے تو توبہ توبہ کہے لیکن اس کا عمل بدستور وہی رہے توبہ تو احساسِ ندامت کے بعد کردار کی اصلاح کا نام ہے۔ لہٰذا فرمایا! وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ اگر تم توبہ کرتے ہو تو اللہ کریم، نبی اکرم ﷺ اور اللہ کے مومن بندے تمہارے کردار کو دیکھیں گے کہ ان کے ساتھ تمہارے معاملات کیسے ہیں؟ تمہارا کردار کیسا ہے؟ تم نبی اکرم ﷺ کا اتباع کرتے ہو یا نہیں؟ تمہارا کردار مومنوں جیسا ہے یا ان سے مختلف ہے؟ الختصر توبہ سے عقیدہ وعمل، دونوں کی اصلاح مطلوب ہے۔ عقیدے کی اصلاح ہوگی تو نیت خالص ہوگی۔ اگر عقیدہ صحیح نہیں تو نیت میں خلوص کہاں سے آئے گا۔ انسان کی نیت میں خلوص ہوگا تو ہی وہ توحید باری کا قائل ہوگا، اللہ کو قادر مانے گا، اسے اپنا خالق، اپنا پروردگار تسلیم کرے گا تو ہی اس کی رضا کا طالب ہوگا اور رسول ﷺ کو اللہ کا نبی اور رسول ﷺ مانے گا تو پھر آپ ﷺ کا اتباع کرے گا۔ اس اتباع کا مظہر اس کا عمل ہوگا اور اس کا عمل ہی ثابت کرے گا کہ وہ کس درجہ کی توبہ کرتا ہے اللہ تو نیتوں کا حال اور دلوں کے بھید جانتے ہیں۔ اللہ، رسول ﷺ اور اللہ کے نیک بندے تمہارے کردار کو دیکھیں گے۔

وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵ پھر تمہیں لوٹ کر اس عالم الغیب، ہر چیز جاننے والے کی بارگاہ میں پہنچنا ہے۔ جو تمہیں تمہارے کردار پر مطلع فرمائے گا۔ بے شمار ایسی باتیں ہیں جو تم دنیا میں کر کے بھول چکے ہوگے، بے شمار گناہ ایسے ہوں گے جنہیں تم نے گناہ سمجھا ہی نہ ہوگا، بے شمار خطائیں ایسی ہوں گی جو تمہیں یاد ہی نہ ہوں گی، اس ذات سے کوئی چیز لیکن چھپی نہ رہے گی۔ وہ تمہیں تمہارے ایک ایک عمل سے آگاہ فرمائے گا۔ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ کچھ لوگ ایسے ہیں جو گناہ سے تائب ہو جاتے ہیں اور اللہ پر امید کرم رکھتے ہوئے اس کے فیصلے کا انتظار کرتے ہیں۔اب یہ اللہ کریم کی مرضی ہے کہ وہ انہیں معاف فرمادے، ان کی توبہ قبول فرمالے یا انہیں سزادے۔

کوئی شخص، کوئی فرد، مخلوق میں سے کوئی بھی اس قادرِ مطلق کو کسی فیصلے پر مجبور نہیں کرسکتا ہاں! اس کے کرم سے امید رکھی جاسکتی ہے۔توبہ کرنے والے کو بھی یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس نے توبہ کی، اور اب اللہ پر فرض ہوگیا ہے کہ وہ اس کی توبہ قبول کرے۔البتہ توبہ کو مغفرت کی شرط ہی سمجھ لے۔خطا بہر حال خطا ہے۔یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ بندہ ہوتے ہوئے اللہ کی نافرمانی ہی کیوں کی؟ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں ملتا ہے کہ حشر میں لوگوں سے اعمال کی باز پرس ہوگی، لوگوں کو ان کے اعمال بتائے جائیں گے کہ تم نے یہ بھی کیا، تم نے وہ بھی کیا۔اللہ کریم ہم سب کو معاف فرمائے لیکن جس بدبخت پر یہ سوال ہوگیا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ وہ عذابِ الٰہی سے بچ نہ سکے گا یعنی یہ بتانا کہ تم نے یہ کیا، تم نے وہ بھی کیا تو محض کسی کو اس کے اعمال کے متعلق باور کرانا ہے لیکن اگر کسی سے جواب طلبی کی جائے کہ یہ کام تم نے کیوں کیا، اس کا جہنم میں جانا لازم ٹھہرے گا کیوں کہ اس کے پاس اللہ کی نافرمانی کا کوئی جواز، کوئی دلیل نہیں ہوگی۔

اللہ بہت کریم ہے، اس کی مرضی ہے کہ بندے کو سزادے یا اس کی توبہ قبول کرلے۔اس لیے کہ وہ بندے کی ہر بات سے باخبر ہے۔اس کے ہر حال کو جانتا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وہ ہر بات سے باخبر ہے، دانا تر ہے، اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ جو کام کرتا ہے سب سے صحیح، سب سے مناسب کرتا ہے اپنے علم کے ساتھ، اپنی قدرت سے کرتا ہے۔

نیت و عمل کی بات آئی تو فرمایا بعض لوگ دکھاوے کے لیے بظاہر بڑا نیک کام کرتے ہیں لیکن ان کے پیشِ نظر کوئی اور مقصد ہوتا ہے۔رضائے الٰہی نہیں ہوتی۔ہوتا کچھ ہے، دکھایا کچھ جاتا ہے۔ہماری زندگی میں روزمرہ کا یہ مشاہدہ ہے۔مثلاً سیاسی جماعتوں کے کتنے خوبصورت نعرے ہوتے ہیں، عدل ہوگا، انصاف ہوگا، روزگار دیا جائے گا، مہنگائی ختم ہوگی حالانکہ یہ سب دکھاوے کے نعرے ہوتے ہیں۔مقصد حصولِ اقتدار ہوتا ہے۔ساری نعرہ بازی کے پیچھے ایک ہی نیت کارفرما ہوتی ہے کہ کسی طرح عوام کو بے وقوف بنا کر اقتدار حاصل کیا جائے۔

حضور ﷺ غزوۂ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے۔ابو عامر جو عیسائی ہو چکا تھا، غسیل ملائکہ حضرت حنظلہؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ کا والد تھا۔حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالی میں بھی حاضر ہوا لیکن توبہ کی توفیق نہ ہوئی حتیٰ کہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں زندگی بھر آپ ﷺ کی مخالفت کروں گا۔مکہ مکرمہ فتح ہوا تو بھاگ کر شام چلا گیا کہ بقول اس کے

اب مدینہ میں اس کے رہنے کی گنجائش نہیں۔ قیصر روم کو ریاست اسلامی پر حملہ کرنے پر اکسانے میں یہودیوں کے علاوہ ابو عامر کا بھی ہاتھ تھا۔ جب قیصر روم مدینہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھا تو ابو عامر نے مدینہ کے منافقین کو مشورہ دیا کہ وہ مدینہ کے اندر کوئی ایسا مرکز بنائیں کہ جب قیصر روم باہر سے حملہ آور ہو شہر کے اندر بھی اس کی معاونت کرنے والے موجود ہوں اور یہ بات تو طے شدہ ہے کہ حملہ آور دشمن سے کہیں زیادہ قوم وملک کا نقصان اس کے اندر موجود سازشی کرتے ہیں۔

ابو عامر کے ساتھیوں نے قباء میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد دشمنانِ اسلام کو پناہ دینا، مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندی اور پراپیگنڈہ کرنا اور مسلمانوں کے درمیان حیلے بہانوں سے تفرقہ ڈالنا تھا۔ منافقین کا خیال تھا کہ اس مسجد میں اسلحہ جمع کیا جائے اور باغی لوگوں کو پناہ دینے کا بھی بندوبست ہو اس عمارت کا نام انہوں نے مسجد رکھا اور پھر وہ حضور ﷺ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے کہ قباء میں ایک اور مسجد بھی ہونی چاہیے کیونکہ کچھ لوگ بوڑھے اور کچھ بیمار پہلی مسجد دور ہونے کی بناء پر وہاں پہنچ نہیں سکتے۔ ہم نے لوگوں کی سہولت کے لیے ایک اور مسجد بنائی ہے آپ اس میں دو رکعت صلوٰۃ ادا فرما کر اس کا افتتاح فرما دیں تا کہ ہم اس میں باقاعدہ صلوٰۃ ادا کرنا شروع کر دیں۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ابھی تو میں تبوک جا رہا ہوں، واپسی پر دیکھیں گے۔ واپسی سے پہلے یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہو گئیں۔ اللہ کریم نے نبی کریم ﷺ کو مطلع فرما دیا کہ ان منافقوں نے مسجد کے نام پر مسلمانوں کے خلاف مورچہ بنایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا یعنی انہوں نے مسجد کے نام پر جو عمارت بنائی ہے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ہے۔ بنیادی طور پر ان کی نیت اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہے۔ بظاہر اس کا نام مسجد رکھ دیا ہے۔ وَّ كُفْرًا اپنے کفر کو پھیلانے کے لیے انہوں نے ایک آڑ لی ہے کہ نام تو مسجد کا ہو لیکن اس میں ہم بیٹھ کر مشرکانہ عقائد کی، بدعات و رسومات کی اور خرافات کی تبلیغ کریں تا کہ لوگوں میں مختلف بدعات پھیلیں رواج پائیں وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور یوں مومنین میں، ایمان والوں میں تفرقہ ڈال دیں۔ قبائل کو قبائل کے خلاف بھڑکائیں اور افراد کو افراد کے خلاف کر دیں۔ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ اور جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے حالتِ جنگ میں ہیں ان کو پناہ گاہ مل جائے، ان کو چھپنے کی جگہ مل جائے۔ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ اور وہ اس پر اللہ کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو نیکی کا ہے، ہم بھلائی کے لیے مسجد بنا رہے ہیں، وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ اے میرے حبیب ﷺ! اللہ اس بات پر گواہ ہے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں اور قسم اٹھا کر بولتے ہیں۔

مساجد، مراکزِ اتحاد:

آج کل ایک رواج سا ہو گیا ہے کہ جب اہل مساجد ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں تو ایک دوسرے کی مسجد کو مسجد ضرار کا نام دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ کسی بھی مسجد کو مسجد ضرار کہنے کے لیے اس میں ان چار شرائط کا ہونا ضروری ہے جو قرآن نے ارشاد فرمائی ہیں۔ یعنی اس کی بنیاد مسلمانوں کو نقصان دینے کے لیے رکھی گئی ہو، کفر کی اشاعت کے لیے رکھی گئی ہو، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے رکھی گئی ہو اور اللہ کے دشمنوں کو پناہ دینے کے لیے رکھی گئی ہو۔ مسجدِ ضرار کے بعد سے آج تک میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی مسجد پر مسجدِ ضرار کا فتویٰ لگا ہو۔ اس ایک مسجد کے بعد کسی نے ایسی قبیح کوشش نہیں کی۔ ہاں! مساجد میں رائے کا اختلاف ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ تاویل وتعبیر کا اختلاف ہونا کوئی بڑی بات نہیں لیکن ایک دوسرے کو اس اختلاف کی بناء پر کفر کی سرحد تک لے جانا بہت غلط ہے۔ یہ ہرگز بھی درست نہیں کہ جب تک کوئی بندہ واقعی ارکان دین کا انکار نہیں کرتا۔ توحید باری کا انکار نہیں کرتا، رسالت کا انکار نہیں کرتا، قرآن کا، قیامت کا، ضروریات دین کا، فرشتوں کے وجود کا، حشر ونشر کا اور عذاب وثواب کا انکار نہیں کرتا، اسے کافر کہنا انتہائی غلط اور ناپسندیدہ ہے۔ ہاں! اگر کوئی بعض امور میں ہمارے ساتھ اختلاف رکھتا ہے تو یہ اس کی رائے ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی تاویل بھی صحیح ہو اور ہم بھی درست ہوں کیونکہ زیادہ تر فقہی اختلاف تعبیر کی بنیاد پر ہی ہیں۔ آئمہ اربعہ میں جو اختلاف ہے وہ تاویل کا ہی ہے، اصول کا نہیں اور رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ اختلاف رحمت ہے ایک بات کے اگر تین چار پہلو ہوں تو اس طرح ہر پہلو پر عمل ہو جاتا ہے۔ رائے یا تعبیر کے اسی اختلاف کو جب یہ صحابہؓ کے مابین ہوتا، تو اسے مشاجرات صحابہؓ کہا گیا۔ مشاجرہ، شجر سے نکلا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی درخت کی شہنیاں پھیل کر اتنی گھنی ہو جائیں کہ ایک دوسرے میں الجھ جائیں اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ درخت کا سایہ مزید گھنا ہو کر دھوپ کی ایک کرن بھی نیچے جانے نہیں دیتا۔ صحابہؓ کے اختلاف رائے کی وجہ سے ارشاداتِ باری اور ارشاداتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے! **أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِم اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ** (حدیث مرفوع) اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کا بھی اتباع کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔ تو یہ فروعات کے اختلافات تو باعثِ برکت ہوتے ہیں۔ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کی مسجد کو مسجدِ ضرار کہنا غلط ہے اس سے توبہ کرنی چاہیے مسجد مسلمانوں کو جمع کرنے کی جگہ ہے، دلوں میں محبت پیدا کرنے کی جگہ ہے، لوگوں کو ایک مرکز پر لانے کی جگہ ہے۔ لوگوں کو ایک مرکز

پر اکٹھا کرنا چاہیے توحیدِ باری، اتباعِ رسالت ﷺ کو محور بنانا چاہیے۔ ایک اللہ، ایک رسول ﷺ، ایک کتاب اور ایک کعبہ اصولی طور پر لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لیے ہیں۔ مساجد مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لیے ہیں، تفریق کے لیے نہیں۔

چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑے بڑے فتوے دینا درست نہیں ہاں! لیکن جہاں کہیں کوئی کفر کرے اسے کافر نہ کہنا بھی درست نہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے کہا تھا کہ ایک زمانے میں تو دین کے راہنما کافروں کو مسلمان بناتے تھے لیکن اب تو مولوی مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا! نہیں! جو عالم ہیں وہ کافر بناتے نہیں، ہاں! کافر بتاتے ہیں یعنی جو کفر کرے اس کے متعلق بتا دیتے ہیں کہ وہ کافر ہے، کافر بناتے نہیں ہیں۔ علمائے دین آج بھی کافر نہیں بناتے۔ ہاں جہاں کہیں کفر ہو رہا ہو اس پر کفر کا فتویٰ اس لیے ضروری ہے کہ لوگ اسے دین سمجھ کر قبول کرتے نہ جائیں لیکن مسجد بہر طور محبتیں بانٹنے کی جگہ ہے، مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی جگہ ہے، آپس کے اتفاق و اتحاد اور مل جل کر ایک دوسرے کے دکھ کا علاج تلاش کرنے کی جگہ ہے۔ مسلمانوں کو ایک طاقت بنانے کی جگہ ہے۔ اس لیے مساجد میں کوشش کی جانی چاہیے کہ لوگوں میں محبتیں بانٹی جائیں اور رشتوں کو مضبوط کیا جائے۔

بات ہو رہی تھی نیت اور عمل میں خلوص کی کہ زبانی دعوے کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسے منافقین نے مسجد کے نام پر ایک عمارت بنائی حالانکہ در پردہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے اپنا ایک گڑھ بنا رہے تھے۔ انہوں نے مسجد کو ایک مسلمہ حیثیت دینے کے لیے چاہا کہ نبی ﷺ کم از کم ایک نماز اس میں ادا فرمالیں لیکن آپ ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے۔ سفر سے واپسی سے پہلے اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور ان کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ مَسْجِدًا ضِرَارًا یہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے مسجد بنا رہے ہیں۔ وَّ كُفْرًا اور ان کا مقصد کفر کو پھلنے پھولنے میں مدد دینا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ مسجد میں بیٹھ کر کوئی کفریہ یا شرکیہ حرکات تو نہ کرتے بظاہر نمازیں ہی پڑھتے لیکن در پردہ کافروں کی مدد کر کے کفر کو پھیلانے کا سبب بنتے۔ مسلمانوں میں حیلے بہانوں سے تفرقہ ڈالتے اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نافرمان اور حالتِ جنگ میں ہیں ان کو چھپ کر پناہ دیتے۔ اور اب یہ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ نیک ہے۔ فرمایا! اے میرے حبیب ﷺ! عمل خراب ہے۔ ارادہ نیک کیسے ہے، ارادہ نیک ہو تو عمل بھی نیک ہوتا ہے۔ سو اللہ کریم نے ان کے خلاف گواہی دی اور حکم دیا، لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ط آپ ﷺ اس میں کبھی تشریف مت لے جائیے، اس میں کبھی آپ نماز ادا نہیں فرمائیے گا۔

قبیح اعمال سے زمین متاثر:

بعض اعمال اتنے قبیح ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ جگہ بھی منحوس ہو جاتی ہے جس پر وہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ کے حکم سے مسجدِ ضرار جلا دی گئی، گرا دی گئی اور وہ جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔ بعد میں ایک صحابیؓ نے وہاں پر مکان بنالیا۔ حالانکہ صحابیؓ ہونا بہت عظیم برکت اور بڑی رحمتِ الٰہی ہے۔ اس کے باوجود ساری عمران کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی تو فوت ہوگئی پھر انہوں نے وہاں سے گھر کہیں اور منتقل کرلیا۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں اس جگہ پر کسی جانور، کسی پرندے نے بھی انڈے، بچے نہیں دیے۔ پھر وہ جگہ ہمیشہ ایسے ہی خالی اور ویران پڑی رہی۔ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے متبعین کے خلاف سازش ایسا قبیح جرم تھا، جو اس خطہءِ زمین پر ہمیشہ کے لیے اپنے اثرات چھوڑ گیا۔

اسی طرح بعض نیک اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں کیے جائیں وہ جگہیں متبرک ہو جاتی ہیں۔ جہاں مسجدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام بن گئی، کیا کوئی خطہءِ زمین اس جگہ کا ثانی ہوسکتا ہے، جن مساجد میں حضور ﷺ نے صلوٰۃ ادا فرمائی، کیا ان کی مثال مل سکتی ہے؟ تو اسی طرح جو مقام نیک لوگوں کے مستقر ہوتے ہیں جہاں نیک اعمال کیے جاتے ہیں۔ وہ جگہیں بھی متبرک ہو جاتی ہیں جہاں خلوص کے ساتھ نیکی کی جاتی ہے وہاں برکات ہوتی ہیں اور سکونِ قلب، اطمینانِ قلب میسر آتا ہے۔ اللہ کی رحمت نصیب ہوتی ہے اور مشکلات آسان ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مسجدِ ضرار میں جانے سے منع فرمایا، اس کا مطلب ہے اللہ کے بندوں کا کسی مقام یا کسی جگہ پر تشریف لے جانا، قدم رکھنا بھی باعثِ برکت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا وہاں تشریف لے جانا عظیم برکت کا باعث تھا، جس سے اللہ نے روک دیا۔ اسی سے ایک اور بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بعض لوگ اتنے بدکار، اتنے بے دین لہٰذا اتنے منحوس ہوتے ہیں کہ ان کا کسی جگہ یا کسی گھر میں قدم رکھنا بھی نحوست پیدا کر دیتا ہے، وہ جگہیں بے برکت ہو جاتی ہیں جبکہ اللہ کے نیک بندے جہاں قدم رکھتے ہیں وہاں برکاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ پھر فرمایا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ (مسجدِ قباء کا ذکر ہے) وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی گئی، وہ اس بات کی مستحق ہے کہ آپ ﷺ اس میں نماز ادا فرمائیں۔ مسجد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعمیر ہو جانے کے بعد بھی جب کہ حضور ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہو چکے تھے پھر بھی کبھی کبھی آپ ﷺ مسجد قباء میں تشریف لے جاتے۔ آپ ﷺ کو اس مسجد سے محبت تھی اور عموماً ہفتہ کے روز آپ ﷺ

وہاں رونق افروز ہوتے۔ ابھی تک مسجد قباء میں وہ جگہیں محفوظ ہیں جہاں حضور ﷺ نے صلوۃ ادا فرمائی۔ بعد میں اگرچہ مسجد میں توسیع کی گئی لیکن آپ ﷺ کے مصلیٰ کی جگہیں محفوظ ہیں اور وہاں کتبے لگے ہوئے ہیں۔ حاجی وہاں نوافل پڑھتے ہیں تو فرمایا وہ مسجد جس کی بنیاد ہی پرہیزگاری پر رکھی گئی، پہلے دن سے اس بات کی مستحق ہے کہ آپ ﷺ اس میں نمازیں ادا فرمائیں، اس میں قیام فرمائیں، رکوع وسجود فرمائیں۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ١٠٨ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزہ رہنے سے محبت کرتے ہیں یعنی پاک رہنا بہت پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے قباء میں رہنے والے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تمہارا کیا عمل ہے کہ اللہ کریم نے تمہیں مطہرین، پاکیزہ لوگ، پاک رہنے والے لوگ فرمایا اور یہ فرمایا! وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ اللہ کو پاک رہنے والوں سے محبت ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم جب بھی رفعِ حاجت کے لیے جاتے ہیں تو پانی سے طہارت کرتے ہیں۔ یوں تو طہارت مٹی سے بھی ہو جاتی ہے، کاغذ سے بھی ہو جاتی ہے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ جسم کے کسی حصے، جلد کے کسی حصے پر نجاست نہ لگی رہ جائے۔ اچھی طرح صاف کرلیا جائے تو طہارت ہوگئی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم پانی سے طہارت کرتے ہیں تاکہ یقین ہو جائے کہ جگہ پاکیزہ ہوگئی، بدن پاک ہوگیا۔

تلاوت کی شرط طہارت:

یہاں ایک بڑی خوبصورت بات سمجھ میں آتی ہے، متقدمین نے بھی تلاوت قرآن کے لیے شرط عائد کی ہے کہ طہارت ہونی چاہیے جس کا ہمارے عہد میں اردو میں ترجمہ وضو کیا گیا ہے کہ بے وضو قرآن کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ اب اکثریت اپنا وضو بمشکل ایک نماز پڑھنے تک قائم رکھ سکتی ہے ایسے بھی ہیں جو نماز میں دو دو دفعہ وضو کرتے ہیں۔ میں یہاں ان کی بات نہیں کرتا جو ہمیشہ باوضو رہتے ہیں، ایسے بھی ہیں جو سارا سارا دن یا ساری ساری رات باوضو رہتے ہیں۔ میں بات اکثریت کے حوالے سے کرتا ہوں تو کیا جو وضو قائم نہیں رکھ سکتا وہ کبھی قرآن پڑھے ہی نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے 'مطہرین' ان لوگوں کو فرمایا ہے جو پانی سے طہارت کرلیں۔ وضو تو نماز کی شرط ہے، تلاوت کی شرط طہارت ہے۔ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ: 79) قرآن کو وہ ہاتھ لگائے جو طاہر ہو، طہارت کے بغیر قرآن کو مس نہ کیا جائے تو طہارت کا مسئلہ تو یہاں حل ہوگیا۔ باوضو رہنا بجائے خود ایک عبادت ہے۔ جتنی دیر کوئی باوضو رہے گا اسے برکات وانوارات حاصل ہوتے رہیں گے لیکن وضو صرف نماز کی شرط ہے اور کسی عبادت کی وضو شرط نہیں۔ جو قرآن میں کہا گیا ہے کہ اسے الْمُطَهَّرُوْنَ کے علاوہ کوئی اور مس نہیں کرتا تو یہ آیات فرشتوں کے بارے میں آئی

ہیں کہ فرشتے جو کہ پاکیزہ ہوتے ہیں وہ اسے مس کرتے ہیں اس سے علماء نے اخذ فرمایا کہ انسان بھی، مسلمان بھی جو قرآن کو مس کرے اس کی طہارت ہونی چاہیے، متقدمین کی ساری کتابیں عربی میں تھیں تو اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے طہارت کا ترجمہ وضو کر دیا گیا جو کہ زیادتی ہے۔ قرآن مجید کو پڑھنے کی شرط صرف طہارت ہے۔ اگر طہارت کر لی جائے تو قرآن پڑھا جا سکتا ہے اور قرآن کو دن رات پڑھنا چاہیے۔ ہاں! اگر کوئی باوضو ہو کر پڑھے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ سو یہاں طہارت کا مسئلہ بڑا واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ اس مسجد میں جلوہ افروز ہوں جس میں وہ لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے ان سے استفسار فرما کر مسئلہ طہارت کو واضح کر دیا۔ ان کی زبانی اس کی وضاحت فرما دی کہ یہ طہارت کیا ہے جسے اللہ کریم نے پسند فرمایا ہے۔ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ اللہ کریم نے اعمال کی کیا خوبصورت مثال دی ہے، سبحان اللہ! فرمایا: عمارت وہ اچھی ہے جس کی بنیاد اللہ کے خوف اور اللہ کی رضا کے حصول پر رکھی ہو۔ یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ڈھے جانے والی کھائی کے کنارے رکھی ہو اور وہ اسے دوزخ میں لے گری۔

دل ایک مسجد:

عمارت سے صرف مکان یا مسجد ہی مراد نہیں ہے، ہمارا ہر عمل ایک عمارت ہے، سینوں میں، دلوں میں، بستیاں آباد ہیں۔ ہر بندے کا دل ایک شہر ہے، ایک بڑی عظیم وادی ہے ہر دل میں پتہ نہیں کتنے لوگوں کے گھر ہیں اس میں والدین بھی ہیں، بہن بھائی ہیں، وہ لوگ بھی ہیں جن سے ہم محبت کرتے ہیں، وہ بھی ہیں جن سے ہم کاروبار کرتے ہیں یا جن سے ہماری شناسائی ہے۔ اس میں وہ لوگ بھی ہیں جن سے ہم دشمنی کرتے ہیں۔ یاد رکھیں دل میں صرف دوست ہی نہیں رہتے دل میں دشمن بھی بستے ہیں۔ جو نہ بھلایا جا سکے وہ دل ہی میں ہے لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر ہم دل کی اس بستی کی بنیاد اللہ کی عظمت کے احساس اور اس کی رضا کے حصول پر رکھیں تو دل میں بننے والی ہر عمارت ایک مسجد بن جائے۔ پھر ہو سکتا ہے کہ ہمارے یہ دلی جذبات ہمارے ان عزیزوں کو ہدایت نصیب ہونے کا باعث بن جائیں جو بھٹک رہے ہیں۔ ہمارے وہ دوست، وہ احباب جو بے عمل ہیں، ہمارے دل کی وہ آرزو شاید انہیں باعمل بنا دے کیونکہ اس کی بنیاد تقویٰ، پرہیزگاری اور آرزوئے حصول رضائے الٰہی پر ہے اللہ کریم نے اعمال کی کیا خوب صورت مثال دی ہے فرمایا! وہ عمارت اچھی ہے جس کی بنیاد تقویٰ اور اللہ کی رضا کے حصول کی تمنا پر رکھی گئی یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی ہو اور وہ اسے دوزخ میں لے گری۔ اسی لیے حضور ﷺ نے

فرمایا! کہ کسی سے دوستی یا دشمنی دنیا کے لیے نہ رکھو، دشمنی رکھنی ہے تو اللہ کے دشمنوں کے ساتھ رکھو۔ دلوں میں ایسے گھر مت بناؤ جہاں ایرہ غیرہ دشمن بٹھایا ہو بلکہ صرف ان کی دشمنی کا گھر دل میں بناؤ جن کو اللہ سے دشمنی ہے اللہ کے رسول ﷺ سے دشمنی ہے، اللہ کے دین سے دشمنی ہے اور یہ بھی ان کی بھلائی، ان کو نیکی کے راستے پر چلانے کی نیت اوران کی سوچ درست کر کے ان کی آخرت سنوارنے کے لیے ہو۔

یہ جو دلوں میں تعلقات کی بنیادیں رکھی جاتی ہیں، یہ دنیوی اعتبار سے نہیں ہونی چاہئیں، چاہیے تو یہ کہ ان کے پیچھے دینی جذبہ کارفرما ہو، دوستی ہو تو اللہ کریم کے لیے، گھر سے بیوی بچوں سے، ماں باپ سے، بہن بھائیوں سے محبت ہے تو اس لیے کہ اللہ کریم نے ان سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ماں باپ پر، بیوی بچوں پر خرچ کرتے ہیں کیونکہ اللہ کریم نے ان پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ یوں یہ سارے کام عبادت میں شمار ہوتے ہیں اور اگر کسی سے دشمنی ہو تو اس لیے کہ یہ اللہ کا دشمن ہے۔ میرے محبوب پیغمبر ﷺ کا دشمن ہے، اللہ کے دین کا دشمن ہے، پھر تو دشمنی کا مزہ آتا ہے اور وہ دشمنی بھی عبادت ہے لیکن آپس میں بات بات پر اپنے کو بڑا بتانا اور دوسرے کو چھوٹا سمجھنا، معمولی معمولی باتوں پر رنجشیں رکھنا، یہ مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا۔ جس طرح آبادیوں میں مساجد ہوتی ہیں، اسی طرح دل کی بستی میں بھی مسجد ہونی چاہیے جس میں اللہ کا نام بلند کیا جائے، جس میں اذانیں ہوں، رکوع وسجود ہو، اللہ اللہ ہو تو فرمایا جس نے اپنی مسجد کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی مسجد کی بنیاد کسی کھائی کے گرنے والے کنارہ پر رکھی، عمارت بنی تو وہ اس کو لے کر جہنم میں جا گری وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فرمایا ایک اصولِ فطرت یاد رکھو، اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا۔ دوسروں کے حقوق چھیننا اور دوسروں کے حقوق ادا نہ کرنا، دو الگ الگ باتیں ہیں۔ ایک شخص کسی کا حق چھینتا ہے، وہ ظالم ہے اور ایک بندہ وہ ہے جو حق چھین تو نہیں سکتا لیکن اس کے ذمے جو فرض ہے، جو دوسرے کا حق ہے، وہ ادا نہیں کرتا۔ وہ بھی ظالم ہے۔ فرمایا جو لوگ ظلم اپناتے ہیں انہیں ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ انہیں توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔ اللہ کریم ظالم اور مظلوم بننے سے اپنی پناہ میں رکھے۔

انسانوں کو پیدا کرنے سے پہلے اس مالک الملک نے ان کا رزق تقسیم کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ رزق تقسیم ہو گئے اور سیاہی خشک ہو گئی۔ غربت، امارت، صحت، بیماری، اقتدار یا محکومی، یہ سب ازل سے طے ہے اور ہر حال میں بندے کی آزمائش ہے، کسی کو بادشاہ بنا کر آزماتا ہے تو کسی کو فقیر بنا کر آیا یہ بادشاہ بن کر میری اطاعت کرتا ہے یا فرعون بن جاتا ہے فقیر ہے تو کیا میرے ہی در پر پڑا رہتا ہے یا مخلوق کی دریوزہ گری کرنے نکل کھڑا ہوتا ہے۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ (الفجر:15)

اللہ کریم جب انسان کی آزمائش کرتا ہے تو اس پر بے شمار نعمتیں اور انعامات بھیج دیتا ہے پھر دیکھتا ہے کہ انعامات پا کر بندہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کی راہ اختیار کرتا ہے۔ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝ (الفجر:16) اور کسی کی آزمائش اس طرح فرماتے ہیں کہ اس پر روزی تنگ کر دیتے ہیں۔ غربت و افلاس آ جاتا ہے، بیماری آ جاتی ہے، محرومی آ جاتی ہے تو کیا وہ اس محرومی میں، اس افلاس و بیماری میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے حدودِ شرعی کے اندر ہی محنت کرتا ہے یا اس کی حدیں توڑ کر باہر نکل جاتا ہے؟ سود کھانا شروع کر دیتا ہے، چوری کرنا شروع کر دیتا ہے، جیبیں کاٹتا ہے، ڈاکے ڈالتا ہے، یہ اللہ کریم کی طرف سے آزمائش ہے، اللہ کریم تمام مسلمانوں کو اس آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارے ہاں روز نعرے لگائے جاتے ہیں کہ وطن کی حفاظت کرو، اپنے شہر کی حفاظت کرو لیکن نعرے لگانے والے خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ اسی طرح ہر دل میں ایک ملک آباد ہے جس کی سلامتی کا بڑا خیال رکھنا چاہیے لیکن یاد رہے! ظلم سے سلامتی نہیں ملتی اور یاد رکھو، ہر وہ کام جو حضور ﷺ کی شریعت کے خلاف کیا جائے وہ ظلم ہے اور ظلم کا ایک نتیجہ ظاہری ہوتا ہے اور ایک باطنی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ فرمایا وہ عمارت جو انہوں نے دین کو نقصان پہنچانے کے لیے بنائی تھی، وہ تو گرا کر تباہ کر دی گئی، اسے اس کے انجام کو پہنچا دیا گیا۔ لیکن اس کے نتیجے میں ایک کانٹا منافقین کے قلوب میں اتر گیا یعنی اس عمل کا جو نتیجہ ان کی روح پر مرتب ہوا، وہ ان کے دل میں کھٹکتا رہے گا۔ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ جب تک کہ ان کے دلوں کو پاش پاش نہ کر دے یاد رہے! دنیا دارِ عمل ہے، جو کچھ کسی نے کرنا ہے اس کا موقع موت سے پہلے تک ہے۔ بالغ ہونے سے لے کر وفات تک کا جو عرصہ ہے اس میں کسی نے کم کمانا ہے یا بہت زیادہ کمانا ہے، قربِ الٰہی کے بہت اعلیٰ درجات حاصل کرنے ہیں یا محروم رہنا ہے یا نافرمانی کر کے اس کی رحمت سے دور چلے جانا ہے تو یہ سب کچھ اس دارِ دنیا میں ہی ممکن ہے جب زندگی ختم ہو جاتی ہے تو عمل کی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر دار الجزاء شروع ہو جاتا ہے۔ پھر ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

انسان یوں تو دو چیزوں سے مرکب ہے، روح اور جسم۔ لیکن علمائے حق فرماتے ہیں کہ جب لفظ انسان بولا جائے تو مراد روح ہوتی ہے چونکہ بدن کو روح کے بغیر کوئی انسان کہتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ پھر اسے میت، لاش یا مردہ کہتے ہیں، انسان کوئی نہیں کہتا۔ اب انسان کے سامنے دنیا ہے۔ کہا جاتا ہے ''جی دنیا بڑی خراب ہے، دنیا مردار ہے، دنیا بدبودار ہے'' یہ باتیں اپنی جگہ درست لیکن دنیا بڑی خوبصورت بھی ہے۔ اللہ کریم کی بنائی اور سجائی ہوئی ہے اس کے موسم اس کی نعمتیں، اس کی لذتیں اتنی زبردست ہیں کہ بے شمار انسانوں کو انہوں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ خود

اللہ کریم نے فرمایا ہےوَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (السباء:13) میرے شکر گزار بندے بہت کم ہوتے ہیں۔ اکثریت دنیا میں کھو جاتی ہے۔ دنیا اتنی حسین، اتنی پرکشش اتنی خوبصورت ہے کہ یہ اللہ کریم کے مقابلے میں کھڑی ہے۔ دارِ دنیا میں یہی اس کا امتحان ہے کہ بندہ دنیا کی طرف جاتا ہے یا اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ انسان کی روح کا تعلق دنیوی لذات سے نہیں ہے کسی نے اچھا کھانا کھایا تو لطف بدن کو آیا کسی نے اچھا لباس پہنا تو بدن کی زینت بنا۔ کسی کو اچھا عہدہ مل گیا، کسی نے سرمایہ جمع کرلیا، ان سب کا کوئی اثر روح تک نہیں پہنچتا۔ روح کی غذا، روح کی دوا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ روح کی عزت، روح کی شان بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ روح کو جو کچھ بھی ملنا ہے وہ عہدہ ہو یا مرتبہ، بلند پروازی ہو یا نیک نامی، اس کے نتیجے میں اسے جنت ملے، قربِ الٰہی نصیب ہو، یہ سب کچھ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے صدقے میں نصیب ہونا ہے۔ نافرمانی کے پودے پر کبھی انعام کا پھل نہیں لگتا۔ دنیا کے لفظی معنیٰ ہیں قریب کی چیز۔ اسے دنیا اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ ہماری مادی آنکھوں کے سامنے ہے ہمارے محسوسات کی رسائی میں ہے۔ آخرت کی نسبت یہ ہمارے قریب تر ہے۔ اگر اس نظر سے دیکھا جائے تو لگتا ہے کہ دنیا سے الگ ہو جانا نیکی ہوگی لیکن اللہ نے بڑی مہربانی فرمائی کہ دنیا استعمال کرنے سے نہیں روکا ورنہ تو چھٹے سپارے کے شروع میں آتا ہے کہ ہم قادر تھے اگر ہم انہیں کہتے کہ جو اسلام قبول کرے وہ اپنا گھر لٹا دے، اپنی گردن کٹوا دے۔ تب وہ ہی فائدے میں رہتا جو میرے نبی علیہ السلام پر فدا ہو کر جان و مال لٹا دیتا لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہم نے دنیا میں رہنے بسنے، اسے استعمال کرنے، اس کی لذتوں سے فائدہ اٹھانے، اچھی غذائیں، لذیذ پھل، خوبصورت لباس، اچھا گھر، موسم کا لطف، کوئی دروازہ اس پر بند نہیں کیا لیکن صرف ایک شرط رکھی کہ یہ سب استعمال کرنے کا طریقہ وہ رکھو جو میرے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی دنیا استعمال کرو لیکن دوسرے کا حق چھین کر نہیں، ناجائز وسائل سے نہیں بلکہ دوسروں کا حق انہیں دے کر حلال اور جائز طریقے سے دنیا کی لذتوں سے حظ اٹھاؤ۔ اگر جائز وسائل سے اچھا کھانا نہ ملے تو حلال کی سوکھی روٹی حرام کے لذیذ کھانوں سے کہیں بہتر ہے۔ جائز طریقے سے دنیوی لذتیں نہ مل پائیں تو ان کا نہ ملنا ہی بہتر ہے کیونکہ بندے نے ابدی زندگی کے لیے جو کچھ کمانا ہے، جو ترقی کرنی ہے، جو قربِ الٰہی حاصل کرنا ہے اسی مختصر سی زندگی میں کرنا ہے۔ فرمایا! یہ لوگ دنیا کے پیچھے لگ کر میرے دین کے ساتھ میرے نبی علیہ السلام کے ساتھ، میرے ایمان والے بندوں کے ساتھ دھوکا کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا یہ اتنا قبیح کام ہے، اس درجہ برا کام ہے کہ اس کا اثر ان کے قلوب میں دھنس جاتا ہے۔ قلب اس پمپنگ مشین کو نہیں کہتے جو خون سپلائی کرتا ہے، یہ تو مادی دل ہے۔ اس مادی دل کے اندر ایک لطیفہٗ ربانی ہے جسے قلب کہا جاتا ہے جسے انگریزی میں سٹل ہارٹ (Subtle heart) کہتے ہیں۔ یہ قلب ایک لطیفہٗ

ربانی ہے اگر انسان اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت اختیار کرتا ہے تو وہ صیقل ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ صاف ہونا شروع ہوجاتا ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے لکلّ شیئٍ صقالۃ و صقالۃ القلوب ذکر اللہ اوکمال قال رسول اللہ ﷺ (البیہقی) ہر چیز کی کے لیے ایک مخصوص پالش ہوتی ہے جو اسے صاف رکھتی ہے، چمکاتی ہے ورنہ چیزوں کو زنگ لگ جاتا ہے اور یہ زنگ دلوں کو بھی لگ جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (المطففین:14) فرمایا! ان کے دلوں کو زنگ لگ گیا ہے مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ان کے اعمال کے سبب۔ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے اور دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے، ایمان لانا ذکرِ الٰہی ہے، تمام زبانی اعمال کلمہ شریف سے لے کر نماز روزے تک ذکرِ الٰہی ہیں، سچی بات کہنا، حق بیان کرنا، غرض جتنے بھی اعمال شریعت کے مطابق ہیں وہ عملی ذکر ہیں۔ بدن کے اعمال ہوں تو وہ زبانی ذکر ہیں، قلب سے کیے جائیں وہ ذکرِ قلبی وخفی ہیں جو سب سے اعلیٰ اور سب سے قیمتی ہیں اور بہت کم یاب ہیں۔

لیکن اگر دنیا کے لالچ میں آ کر دین سے دھوکا کیا جائے، دین داروں کو دھوکا دیا جائے، رسول اللہ ﷺ کے احکامات کے ساتھ دھوکا کیا جائے، آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو دھوکا دیا جائے تو فرمایا اس کا اثر اتنا بُرا ہوتا ہے کہ فرمایا لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ان کا یہ عمل کانٹا بن کر ان کے دلوں میں رہے گا، اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ اور وہ کانٹا تب تک کھٹکتا رہے گا جب تک ان کے دلوں کو پاش پاش نہ کر دے۔ دل میں کانٹا اترنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ایسی بات بٹھا دی گئی کہ اب انہیں رجوع الی اللہ اور توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوگی، اس دنیا میں یہ انتہائی بڑی سزا ہے کہ کسی کے کسی جرم پر یہ سزا مرتب کر دی جائے کہ اب اس سے توبہ کی توفیق ہی چھین لی جائے۔ بعض کردار، بعض جرائم، بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ جن میں سرفہرست، جو میں سمجھتا ہوں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اور اسلام کو دھوکا دینے کی کوشش کی جائے۔ آپ ﷺ کا نامِ نامی یا اسلام کا نام اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جائے، یہ سب سے بڑا جرم ہے اور یہ جرم یا منافق کرتا ہے یا اگر مسلمان کرے تو منافق ہوجاتا ہے یا ہوتا ہی پہلے سے منافق ہے تو یہ جرم کرتا ہے یا اگر کوئی پہلے سے منافق نہیں تو دولت جمع کرنے کی ہوس اسے ایسا بنا دیتی ہے۔

ہم اپنے اردگرد دیکھیں تو ہمیں سمجھ آجائے، جب ایک بندہ کہتا ہے کہ مجھے رات حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، انہوں نے مجھے فلاں کام کرنے کو فرمایا، میں نے کہا کہ اس کام پر جتنی رقم خرچ ہوتی ہے، میرے پاس اتنی رقم نہیں۔ یہ ساری کہانی وہ بندہ اپنے پاس سے گھڑ کر لوگوں کو سنا رہا ہوتا ہے تاکہ مال جمع کر لے، اس کا مقصد لوگوں سے

صرف پیسے بٹورنا ہوتا ہے لیکن نام نامی کس کا استعمال کر رہا ہے؟ حضور ﷺ کے نام نامی کو مال بٹورنے کا ذریعہ بنانے والے کس درجہ کے منافق ہیں۔ یہی حال نام نہاد پیروں کا ہے۔ عجیب وغریب حلیے بنا لیتے ہیں تاکہ لوگ انہیں مقدس سمجھ کر پیسے دیں اور وہ خود اس رقم پر عیش کریں۔ میں سب کی بات نہیں کر رہا، جو ایسا کرتے ہیں، میں ان کی بات کر رہا ہوں۔ پیر حضرات میں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں علماء میں ہی صالحین بھی ہوتے ہیں۔ رہنمائی کرنا علماء اور پیر حضرات کا کام ہے لیکن جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اتنی اس چیز کی نقل بھی آجاتی ہے کسی کو پیتل کے سکے کی نقل بنانے کی کیا ضرورت ہے، نقلی پیتل بنا کر بیچے گا تو کیا کمائے گا۔ نقلی سونا بنائے گا تو ہی کچھ کما سکے گا۔ علماء اور مشائخ کا جتنا اونچا مقام ہے اتنی ان کی نقل بنتی ہے، کتنے نقال ہیں جو علماء کی نقل کرتے ہیں یا مشائخ کا حلیہ بنا کر لوگوں سے پیسے بٹورنے کی کوشش کرتے ہیں یہ سب ویسے ہی جرائم ہیں جیسے منافقین نے مسجد ضرار بنا کر جرم کیا اور یہ ایسا جرم ہے کہ اس کا کانٹا دل میں اتر جاتا ہے اور تب تک کھٹکتا رہتا ہے جب تک دل پاش پاش نہ ہو جائے یعنی اس سے توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو سورۃ البقرۃ میں کچھ خاص کفار کے بارے ارشاد فرمایا گیا، اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ ؕ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ؗ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (البقرۃ:6-7)

آپ ﷺ ان پر محنت فرمائیں یا انہیں چھوڑ دیں، برابر ہے۔ ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ یہ ایمان لانے والے نہیں، یہ آپ ﷺ کی بات نہیں مانیں گے۔ کیوں نہیں مانیں گے؟ فرمایا! خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ ؕ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ؗ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ اس لیے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی اور ان کے آنکھوں کے آگے پردہ ڈال دیا اور ان کے لیے بہت بڑا اور عظیم عذاب ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی کہ وہ حق سن ہی نہیں سکتے، ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا کہ حق دیکھ نہیں سکتے تو پھر ان بے چاروں کا کیا قصور ہے، وہ تو جہنم ہی جائیں گے یا حضور ﷺ کا وہ ارشاد عالی پیش کیا جاتا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے کا جرم کرتا ہے تو وہ جرم ان کے دل پر سیاہی چھوڑ جاتا ہے۔ اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے جو اگر وہ توبہ کرے تو دھل جاتا ہے۔ توبہ نہیں کرتا اور مزید گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ پورا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور جب کوئی نقطہ سفیدی کا نہیں بچتا تو اس پر مہر کر دی جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ زبردستی مہر نہیں کی جاتی، انسان کا کردار اپنے دل پر مہر

لگوانے کا سبب بن جاتا ہے اور جب دل پر مہر لگ جائے تو محمد رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ بھی اس پر اثر نہیں کرتی، کسی کا وعظ کیا سنے گا؟ لہٰذا حضور ﷺ کو منع فرما دیا گیا کہ آپ ﷺ ان سے بات نہ فرمائیں اور انہیں چھوڑ دیں۔ تو جو لوگ دین کی آڑ میں دنیا کمانا چاہتے ہیں، اللہ کریم انہیں ہدایت دیں، اپنی عافیت میں رکھیں اور اس جرم سے پناہ دیں۔ انہیں خود بھی سوچنا چاہیے کہ دنیا کب تک ہے، کتنی کھالیں گے، کتنی پہن لیں گے، کتنی گزار لیں گے؟ آخر کام آنے والی چیز تو دین ہے۔

قرآن حکیم ہمیں ہماری اصلاح کی طرف بلاتا ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دوسروں کا جائزہ لینا شروع کر دیتے ہیں۔ ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے، دوسروں کا حساب اللہ کریم نے لینا ہے، ہمیں اپنا جائزہ یہ لینا چاہیے کہ کہیں میں دین کی آڑ میں دنیا تو نہیں کما رہا یا کہیں میں دین کا لبادہ اوڑھ کر دنیوی فائدہ تو نہیں حاصل کرنا چاہتا؟ میں خلوص دل سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کر رہا ہوں یا اطاعت کا لبادہ اوڑھ کر اپنی بڑائی کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہوں۔ خود اپنا جائزہ لیں، دوسروں کا حساب دوسروں پر چھوڑ دیں۔ یہ اللہ کریم ہی کا حق بنتا ہے کہ وہ ہی اپنے بندوں کا حساب لے۔ ہم حساب لینے والے کون ہوتے ہیں؟ ہم نے نہ بندوں کو پیدا کیا، نہ رزق دیا، نہ ان کی کوئی خدمت کی۔ حساب لینے کا حق اسی قادرِ مطلق کا بنتا ہے جس نے بندوں کو پیدا فرمایا، انہیں اختیارات دیئے، انہیں نعمتیں دیں۔ ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اللہ کریم تمام مسلمانوں کو ہدایت پر جمع رکھیں، لیکن حساب اپنا کریں اور اپنے آپ کو تلاش کریں کہ جو میں کر رہا ہوں اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ غلطی سے نافرمانی کا ہو جانا اور بات ہے لیکن عملاً (جان بوجھ کر) مسلمانوں کو، اسلام کو اور نبی کریم ﷺ کو دھوکا دینے کی کوشش کی جائے تو یہ اتنا بڑا جرم بن جاتا ہے کہ یہ پھانس دلوں میں، قلوب میں اتر جاتی ہے اور تب تک کھٹکتی رہتی ہے جب تک قلوب پاش پاش نہ ہو جائیں اور تباہ نہ ہو جائیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ اللہ کریم جانتے ہیں اور حکمت والے ہیں۔ یہ مت بھولو کہ اللہ کریم ہر چیز کو ہمہ وقت جانتے ہیں۔ آپ اللہ کریم سے چوری نہیں کر سکتے۔ آپ جو کر رہے ہیں، جو سوچ رہے ہیں یا جو ابھی سوچا نہیں، بعد میں سوچنا ہے، اللہ کریم اسے بھی جانتے ہیں، جو خیال آپ کے دل میں گزرتا ہے، وہ اسے بھی جانتے ہیں یہ نہ سمجھو کہ اللہ کریم فوری گرفت کیوں نہیں فرماتے، وہ حکیم بھی ہیں۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ اللہ کریم کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس قادرِ مطلق نے حساب کے لیے ایک دن مقرر فرما لیا ہے اور موت کا ایک وقت معین فرما دیا ہے۔ انسان کو مہلت اور فرصت عطا فرمائی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ کو پتہ ہی نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں، ہر کام اس کی حکمت کے تابع ہو رہا ہے۔ اللہ کریم خلوصِ دل سے اپنا اور اپنے نبی اکرم ﷺ کا اتباع نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سورۃ التوبہ رکوع 14 آیات 111 تا 118

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي
التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا
بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ
الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السّٰٓئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ
وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا
كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ
لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا
لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ
وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ
يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا
رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں کہ بدلے میں ان کو جنت ملے گی یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں اس پر سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ کون اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے لہٰذا جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس پر خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے ﴿۱۱۱﴾ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کا امر کرنے والے، اور بری باتوں سے منع کرنے والے، اور اللہ کی حدود (احکام) کی حفاظت کرنے والے۔ اور آپ ایمان والوں کو خوش خبری سنا دیں ﴿۱۱۲﴾ پیغمبر اور ایمان والوں کو زیب نہیں دیتا کہ مشرکین کے لیے بخشش کی دعا کریں اور اگرچہ وہ (ان کے) قرابت دار ہی ہوں جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ دوزخ کے رہنے والے ہیں ﴿۱۱۳﴾ اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لیے دعا کرنا اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا پھر جب انہیں پتہ چل گیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق ہو گئے بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے رحیم المزاج، حلیم الطبع تھے ﴿۱۱۴﴾ اور اللہ ایسا نہیں کرتے کہ ہدایت کرنے کے بعد کسی قوم کو گمراہ کر دیں یہاں تک کہ ان کو صاف صاف بتا دیں کہ وہ چیز جس سے وہ بچتے رہیں بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں ﴿۱۱۵﴾ بے شک اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی، وہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہیں ﴿۱۱۶﴾ بے شک اللہ نے پیغمبر پر مہربانی فرمائی اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں ان (پیغمبر ﷺ) کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں

گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا۔ پھر اس (اللہ) نے ان کے حال پر توجہ فرمائی
بلا شبہ وہ ان سب پر نہایت شفیق (اور) مہربان ہیں ﴿۱۱۷﴾ اور ان تین شخصوں (کے
حال) پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک زمین اپنی فراخی کے
باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان پر ان کی جانیں تنگ ہوگئیں اور انہوں نے جان لیا کہ
اللہ سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں پھر اس نے ان پر مہربانی فرمائی کہ توبہ کریں۔
بے شک اللہ ہی توبہ قبول فرمانے والے مہربان ہیں ﴿۱۱۸﴾

تفسیر و معارف

سبحان اللہ! وہ مالک بے حد کریم ہے۔ اس کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ اس کی کوئی آخری حد نہیں۔ جس طرح اس کی ذات لامحدود ہے، ویسے ہی اس کی صفات ورئ الوریٰ ہیں۔

جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا، ''عجیب بات ہے، اللہ کا کرم عجب ہے۔ بندے کو وجود سے لے کر دماغ تک، گھر سے لے کر اولاد تک، صحت سے لے کر عہدے تک، غرض جو چیز بھی بندے کے پاس ہے، سب اللہ نے اسے مفت دی ہے لیکن اس سے واپس مفت نہیں لے رہا۔ اس سے خرید رہا ہے۔

فرمایا: خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ○ (البقرہ:29) ''روئے زمین پر سب کچھ (میں نے) تمہارے لیے پیدا کیا'' رب کی ذات کس درجہ کریم ہے کہ اتنی رنگا رنگ نعمتیں انسان اور محض انسان کے لیے تخلیق فرمائیں۔ اس سلسلے میں فلاسفہ تفکر کا ایک عجیب انداز بتاتے ہیں کہ انسان تھوڑی دیر کے لیے تنہائی میں بیٹھ کر یہ سوچے کہ اس دنیا میں صرف ایک وہ ہی ہے۔ دوسرا کوئی انسان موجود نہیں۔ پھر وہ اس حقیقت تک پہنچ جائے گا کہ اس ایک انسان کے لیے سورج بھی طلوع ہوتا ہے، دن نکلتا ہے، رات ہوتی ہے بادل چھاتے ہیں، بہار آتی ہے، موسم بدلتے ہیں، فصلیں اُگتی ہیں، پھول کھلتے ہیں، پھل پکتے ہیں۔ غرض یہ کہ پوری کائنات محض ایک فرد کے لیے سجی ہوئی ہے تو اسے احساس ہوگا کہ وہ ربِ کائنات کس درجہ رحیم و کریم ہے۔ رب کی اسی رحمت بے پایاں کی طرف سیدنا فاروق اعظمؓ اشارہ فرماتے ہیں کہ اس مالک الملک کے عجیب سودے ہیں کہ اتنی بے شمار نعمتیں بالکل مفت دے کر پھر اپنی ہی عطا کردہ چیزوں کا سودا کر رہا ہے کہ یہ جان و مال دے کر مجھ سے مزید نعمتیں حاصل کر لو۔ میری جنت حاصل کر لو جنت بجائے خود مقصود نہیں ہے بلکہ جنت رضائے الٰہی کا مظہر ہے، اس لیے مطلوب ہے۔

فرمایا: اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان قبول کرتے ہیں، ان کی جان و مال ان سے خرید لیے ہیں۔ جان میں ہر وہ جان آ جاتی ہے جو ہم سے وابستہ ہوتی ہے۔ استاد کے ساتھ اس کے شاگرد، والد کے ساتھ اس کی اولاد، شیخ کے ساتھ اس کے مرید۔ جب جانوں کا سودا ہوتا ہے تو متعلقین سمیت ہوتا ہے جو اس سودے سے باہر نکلتا ہے، اس کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اگر شیخ کا مرید نکلتا ہے تو وہ مرید نہیں رہتا، باپ کا بیٹا نکلتا ہے تو پھر وہ بیٹا نہیں رہتا۔ یہی فلسفہ کارفرما تھا جب نوحؑ کا بیٹا غرق ہوا تو آپؑ نے دعا کی، بارالٰہا! آپ کا وعدہ تھا کہ میرے گھر والوں کو بچا لیں گے اور یہ تو میرا بیٹا ہے۔ اس پر اللہ کریم نے فرمایا: اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ (ہود:46) اس کے اعمال اچھے نہیں۔ وہ تو اس سوداگری سے ہی باہر نکل گیا جو اللہ نے مومن سے کی تھی تو فرمایا کہ جب یہ رب کے ساتھ جان مال کے بدلے جنت کے سودے میں شامل نہیں ہونا چاہتا تو پھر خونی رشتے کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ لہٰذا یہ آپؑ کے اہل خانہ میں شمار ہی نہیں ہوتا۔ یہی بات اس آیت مبارکہ میں فرمائی گئی ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں، ان کا مال خرید لیا۔ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ ؕ اپنی جنت کے بدلے۔ جب یہ سودا ہو گیا تو پھر جان ہی ان کی رہی نہ مال ان کا ذاتی رہا۔ جہاں رب جان دینے کا حکم دیتا ہے، وہاں جان ہتھیلی پر لیے پہنچ جاتے ہیں جہاں مال دینے کا حکم ہوتا ہے، وہاں مال لٹا دیتے ہیں يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کرتے ہیں فَيَقۡتُلُوۡنَ وَيُقۡتَلُوۡنَ اللہ کی راہ میں مارتے ہیں، مارے بھی جاتے ہیں وہ اللہ کا حکم بجا لاتے ہیں خواہ اس کے لیے مارنا پڑے یا مرنا۔ فرمایا کہ ان کی یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ انہیں رضائے الٰہی کی مظہر جنت، نصیب ہوگی وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا اللہ کا وعدہ بڑا پکا اور سچا ہے۔ وعدہ پورا کرنا اس کی سنت ہے اور یہ وعدہ پہلی بار نہیں کیا گیا فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ یہی وعدہ تورات میں بھی تھا، پھر انجیل میں آیا اور اب قرآن میں ہے کہ جو مال و جان کو اللہ کے لیے وقف کر دے گا بدلے میں جنت کی ابدی نعمتیں پائے گا، دائمی حیات پائے گا۔ اسی لیے فرمایا وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا (آل عمران:169) جو میری راہ میں جان دے، اس کے بارے گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مر گیا کہ ایسے لوگ تو جان دے کر حقیقی اور دائمی زندگی کا راز پا لیتے ہیں۔ انہوں نے عارضی اور وقتی زندگی رب کو دے کر اس سے حقیقی اور ابدی زندگی حاصل کر کے کیا خوب نفع کا سودا کیا۔

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر موجودہ زمانے تک اللہ کے مقرب بندوں کے دریافت شدہ اجسام کی تازگی، ان کی بعد از شہادت حیات کی گواہی دیتی چلی آئی ہے۔ آلِ سعود نے حرم بیت اللہ اور مسجد نبوی کی بڑے شاندار طریقے سے توسیع کی ہے۔ (اللہ ان کی محنت کو قبول فرمائے) جب انہوں نے پہلی بار توسیع کی تو اس میں

مدینہ منورہ کا قدیم قبرستان شامل کر لیا۔ یہیں حضور اکرم ﷺ کے والد ماجد بھی استراحت فرما تھے۔ ان کی قبر مبارک پر ترکوں نے بہت بڑا مقبرہ بنا دیا تھا۔ جب مسجد کی وہاں تک توسیع کی گئی تو ان کا وجودِ مبارک قبر سے نکالا گیا۔ کچھ صحابہ کرام ؓ کی قبریں بھی کھولی گئیں اور مبارک اجساد نکالے گئے۔ یہ وجود پہلی صدی ہجری میں دفن کئے گئے اور چودھویں صدی میں نکالے گئے۔ سب کے سب یوں تر و تازہ تھے جیسے کوئی محوِ خواب ہو اس لیے کہ وہ شہید تھے جب تک جسم میں روح رہتی ہے، وہ سلامت رہتا ہے۔ ان شہداء کی موت ان کے جسم و جان کا رشتہ منقطع نہ کر سکی کیونکہ ان کی آخرت کی زندگی اتنی مضبوط تھی کہ ان کے اجسام تر و تازہ رہے۔ اس طرح کے واقعات بیان کرنے لگیں تو یہ نہ ختم ہونے والی داستان بن جائے گی۔ آج کل بھی ایسے شہداء ملتے ہیں جن کے وجود سلامت اور تر و تازہ پائے گئے تو فرمایا کہ جنہوں نے جان و مال کے بدلے آخرت کا سودا کر لیا۔ اللہ کی راہ میں قتل کرتے، قتل ہوتے رہے تو شبہ نہ کرو کہ اللہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔ اللہ کا وعدہ ہمیشہ حق ہوتا ہے۔ لہٰذا وہی ہوگا جو اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی طرف سے اس سودا بازی کی پیش کش تورات و انجیل میں بھی تھی اور اب قرآن میں بھی ہے...... ہاں یہ یاد رکھو کہ تجارت کا معاہدہ دونوں فریقوں کی طرف سے نبھایا جائے تو قائم رہتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ بندے کی طرف سے بات رہ جائے ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ جب تک بندہ اپنے معاہدے کی پاسداری کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے بھی کوئی کمی نہیں آتی۔ بندہ کمزور ہے، پھسل جاتا ہے، دنیا کے لالچ میں آ جاتا ہے۔ خواہشات کا اسیر ہو کر اللہ سے تجارت ختم کر بیٹھتا ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔

یہ باتیں شاید ہماری سمجھ میں نہ آئیں ہم ان جذبوں سے آشنا نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک تو صلوٰۃ تک کی کوئی اہمیت نہیں ہے جب اللہ نے اسے ہم پر فرض کیا ہے۔ صلوٰۃ کا حاصل کیا ہے؟ کیا (معاذ اللہ) ہمارے سجدوں سے اللہ کی شان بڑھ جاتی ہے، ہم ادائیگی صلوۃ نہ کریں تو کیا (معاذ اللہ) اس کی شان میں کوئی کمی آ جاتی ہے۔ ساری دنیا بھی کافر ہو جائے تو اللہ کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مخلوق کا عمل خالق کی ذات کو متاثر نہیں کرتا۔ یہ تو اس مالک کا خصوصی کرم ہے جو اس نے بطفیلِ نبی ءکریم ﷺ اُمتِ مرحومہ پر فرمایا۔ امتِ محمدیہ ﷺ کے لیے شبِ معراج کا تحفہ صلوٰۃ ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں تم مجھ سے پچاس بار ملو...... ذرا سوچیے! کسی ملک کا سربراہ کسی عام بندے سے کہہ دے کہ تم مجھے صبح شام ملا کرو تو کیا وہ کبھی ناغہ کرے گا؟ رب العالمین نے فرمایا مجھے روزانہ پچاس بار ملو۔ عرض کیا گیا، یا اللہ! مشکل ہو جائے گا۔ کرتے کرتے پانچ نمازوں پر بات ختم ہوئی لیکن فرمایا گیا کہ ان پانچ کو پچاس ہی شمار کیا جائے گا یعنی ایک صلوٰۃ کا اجر دس گنا ہے۔

صلوٰۃ کیا ہے؟

صلوٰۃ کتنا عظیم موقع ہے۔ وضو کر کے، پاک صاف کپڑے پہن کر، قبلہ رو ہو کے عرض کرنا کہ اللہ تو پاک ہے۔ تیرا نام برکت والا ہے۔ تُو سب خوبیوں کا مالک ہے۔ قیامت کے دن کا تُو اکیلا ہی مالک ہے۔ پھر اپنی بندگی کا اقرار کرتا ہے۔ یا اللہ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ جب عبادت تیری کرتا ہوں تو مدد بھی تجھ ہی سے مانگوں گا اور مجھے ان لوگوں میں شامل فرما جن پر تو نے انعامات کیے، اس گروہ سے بچا جس پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔ اس دعا کے بعد قرآن کی آیات تلاوت کرے گا، وہ بھی حمدِ باری ہوں گی یا نعت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام ہوں گی یا پھر اپنی ذات اور کائنات سے متعلق مسائل ہوں گے۔ پھر انتہائی عاجزی کے ساتھ رکوع میں چلا جائے گا پھر بندگی کے انتہائی خوبصورت مظہر، سجدہ میں جائے گا۔ دوسرے سجدے سے سر اٹھا کر التحیات میں صلوۃ وسلام، تشہد، درود پڑھتا ہوا آخر میں اپنی بخشش کی التجا پر آجائے گا کہ یا اللہ! مجھے بھی بخش دے، میرے والدین کو بھی بخش دے، مجھے یہ بھی دے، مجھے وہ بھی دے۔ یہ صلوٰۃ ہے جو فرضِ عین ہے۔ کتنا بڑا اکرم ہے اللہ کا کہ وہ ایک عاجز اور عام بندے کو خواہ جس کے گھر کے افراد بھی بار بار اس کی بات سننا پسند نہ کریں، اللہ اسے پابند کردے کہ روزانہ پانچ بار میرے در پر آؤ اور میرے ساتھ بات کرو لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو پانچ نمازیں پوری کرتے ہیں۔ اللہ ملاقات کو بلائیں اور ہم نہ جائیں! اس کی عظمت سے ناشناسی ہی اس گستاخی کا واحد سبب ہے۔ ہم کوتاہ نظر، نبی اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ اور شان سے بھی ناواقف ہیں۔ دراصل ہم تو اس لیے مسلمان ہیں کہ ہم مسلمان گھرانوں میں پیدا ہو گئے۔ ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذاتِ اقدس پر اعتبار و اعتماد ذاتی طور پر حاصل نہیں کیا کیونکہ یہ ہمیں ورثے میں ملا ہے اور ہم نے اسلاف کی، اس میراث کی قدر و قیمت نہیں پہچانی۔ اسی لیے ہم نے اللہ کے ساتھ کوئی بیع و شرع نہیں کی۔ ہم نے اس سے اس کی رضا کے عوض اپنے جان و مال کا سودا نہیں کیا۔ جو بندہ نماز کے لیے نہیں جاتا، وہ جان دینے کیا جائے گا؟ جو چند لمحے قربان نہیں کرتا، وہ جان قربان کرے گا؟

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ جس نے اللہ سے اپنا وعدہ نبھایا، **فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ** صد ہا صد بار مبارک ہو تمہیں اس سودے پر جو تم نے نبھا دیا۔ اللہ کریم کی طرف سے تو کوئی کسر چھوڑی نہیں جائے گی۔ بس تم اپنے آپ کو تولو، اپنے آپ کو دیکھو! کیا تمہیں اللہ کے وعدے پر اعتبار ہے، یقین ہے؟ جب **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھا تو سودا ہو گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا تم فرائض ادا کر رہے ہو؟ اگر نہیں تو تم نے سودا توڑ دیا۔ زندگی کو سنت کے تابع کرنا اس معاہدے کی ایک شق ہے اگر وہ خلافِ سنت ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تم

نے اللہ کے ساتھ کیا ہوا تجارت کا معاہدہ ختم کر دیا۔تمہیں حلال کمانا ہے، اگر حرام سمیٹ رہے ہو تو تم نے وہ سودا توڑ دیا۔ اب فرمایا! اس کی فکر نہ کرو اللہ سودا پورا کریں گے یا نہیں۔ اس کا وعدہ تو ہمیشہ سچا ہوتا ہے، اپنی فکر کرو۔ تم کمزور ہو، تم اسے نبھا نہیں پاتے۔ جب تمہاری طرف سے ادائیگی پوری نہیں ہوتی، سودے میں تو اکثر پیشگی رقم دے کر بھی سودا طے کیا جاتا ہے کہ پانچ کروڑ کا سودا تھا، پانچ لاکھ پیشگی دے دیئے کہ بقایا دے کر چیز خرید لیں گے لیکن اگر بقایا نہ دیا جائے تو پیشگی میں دی ہوئی رقم واپس نہیں ملتی، ضبط ہو جاتی ہے کیونکہ کاروبار کا یہی اصول ہے۔ فرمایا! جب تم سودا نبھاتے نہیں ہو، کلمہ پڑھ کر جو ثواب کمایا تھا، جو پیشگی جمع کرائی تھی وہ بھی جاتی رہی۔ اس لیے اس ذات عظیم کی فکر نہ کرو کہ وہ اس کیے گئے سودے پر قائم رہے گا یا نہیں، اپنی فکر کرو۔ اگر تم یہ تجارت کر رہے ہو، اس سودے پر قائم ہو تو پھر تمہیں مبارک ہو۔ تمہارے لیے خوشخبری ہی خوشخبری ہے۔ اس سودے کی جو تم نے کیا اور نبھا لیا۔ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ کہ جس نے یہ تجارت مستقل مزاجی سے کی، یہ سودا نبھایا، اس کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ اللہ کریم نے اس آیہ کریمہ میں اپنے بندوں کی تعریف فرمائی ہے، یوں تو ساری مخلوق اللہ ہی کے بندے ہیں لیکن کسی شاعر نے بہت خوب کہا ہے:

مالک سب کا ایک ہے، مالک کا کوئی ایک
لاکھوں میں تو کوئی نہیں ہے، اربوں میں جا دیکھ

مالک، پیدا کرنے والا، روزی دینے والا، زندگی دینے والا، ساری نعمتیں عطا کرنے والا تو ایک ہی ہے لیکن ایسے بندے بہت کم ہیں جو اس کے بندے بنتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا! وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (السبا:13) بندوں میں میرے شکر گزار بہت کم ہوتے ہیں لیکن یہاں اس آیت میں مسلمان کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ بنیادی طور پر تو اللہ کا بندہ ہونے کا فخر ہر اس شخص کو نصیب ہے جسے اسلام نصیب ہے اور اسلام کوئی آج کا دین نہیں ہے۔ اسلام وہ دین حق ہے کہ حضرت آدم وعلی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور آقائے نامدار ﷺ تک جتنے نبی تشریف لائے، سب نے توحید باری کا اعلان فرمایا، سب کا پہلا کلمہ لا الہ الا اللہ تھا اور اس کے بعد اپنی رسالت کا اعلان تھا اور جو احکام انہیں اللہ کی طرف سے موصول ہوئے، ان کی اطاعت کا حکم تھا کل بھی یہ سب کچھ اسلام ہی کہلاتا تھا آج بھی اسلام یہی ہے۔ اللہ کی توحید کا اقرار، حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار اور احکام شریعت کا اتباع۔ یوں اللہ کا بندہ ہونے کا شرف ہر

مسلمان کو حاصل ہے لیکن زبانی کلامی مسلمان ہونے میں اور حقیقتاً مسلمان ہونے میں بڑا فرق ہے۔ اسلام سرتاسر تسلیم و رضا ہے۔ یہ تسلیم سے ہے۔ سلم اس کا مادہ ہے یعنی مسلمان وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ہر حکم کا اتباع کرے، اطاعت کرے، اس کا سر تسلیم سدا خم رہے، اس کی زندگی اتباع و اطاعت کی عملی تصویر ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان جہاں جہاں احکام الٰہی یا اتباع رسالت سے روگردانی کرتا ہے تو اسے احساس ہونا چاہیے کہ وہ وہاں وہاں سے اسلام کو چھوڑ رہا ہے دن کے اختتام پر جب بندہ سونے کے لیے لیٹتا ہے تو کاش کبھی کوئی یہ سوچے کہ صبح بیدار ہونے سے لے کر رات سونے تک میں نے کتنا اسلام اپنایا اور کہاں کہاں مجھ سے چھوٹ گیا۔ فجر سے سونے تک جو کام ہم کرتے ہیں، ایک کاغذ پر لکھ لیں جو کچھ کہیں اسے بھی نوٹ کر لیں۔ دن کے اختتام پر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں کتنا کچھ عین اسلام ہے اور کتنا کچھ خلافِ اسلام ہے۔

توبہ عبادت ہے:

گزشتہ آیات میں اللہ کے بندوں کا ذکر تھا، ان کی خصوصیات اور ان کے لیے اللہ کے انعامات کا تذکرہ تھا۔ اب یہاں اللہ کریم نے اس سب کا نچوڑ یا ماحصل ارشاد فرما دیا، اپنے بندوں کی صفات بیان فرما دیں۔ اَلتَّآئِبُوْنَ سب سے پہلی صفت یہ ارشاد فرمائی کہ وہ توبہ کرتے رہتے ہیں۔ گنہگار تو گناہ سے توبہ کرتا ہے لیکن نیک نیکی کر کے اس نظریے سے توبہ کرتا ہے کہ یا اللہ! میں نے نیکی تو کی ہے لیکن پتہ نہیں کہ یہ تیری بارگاہ کے لائق ہے بھی یا نہیں۔ میں نے سجدہ تو کیا ہے لیکن اس میں خلوص، دردِ دل اور خشوع وخضوع تیرے شایانِ شان ہے بھی یا نہیں۔ اسی لیے جو جتنا زیادہ نیک ہو، دین دار ہو، عالمِ ربانی ہو وہ نیکی کر کے، عبادت کر کے، سجدہ کر کے استغفار بھی کرتا ہے کہ یا اللہ! تو نے جتنی نعمتیں، جتنے علوم، جتنے درجات مجھے عطا فرمائے ہیں، میرا سجدہ اس درجہ کی شکر گزاری ہے کہ نہیں۔ توبہ صرف گنہگار ہی کا حصہ نہیں، عظمتِ الٰہی کا ادراک رکھنے والا ہر شخص توبہ کرتا ہے۔ ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے، استغفار پڑھا کرو، بے شک میں دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔ اَلتَّآئِبُوْنَ۔ جو ہمہ وقت توبہ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ کا اتباع کرتے ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے ہادیٔ اعظم ﷺ اور رہبر حقیقی ﷺ کے اتباع سے منہ موڑ کر ہر کسی کو اپنا رہنما بنا لیا ہے حالانکہ ہماری رہنمائی کو محمد رسول اللہ ﷺ کافی ہیں ہمارے رہنما آپ ﷺ کے شاگردانِ اولین صحابہ کرامؓ ہیں جن کے طفیل قرآن، حدیث اور حضور اکرم ﷺ کا ایک ایک انداز ہم تک پہنچا۔ ہمارے رہنما تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور قیامت تک ہمارے رہنما علمائے ربانیین ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتیں، آپ ﷺ کی تقسیم کردہ کیفیات ہم تک پہنچاتے ہیں تا کہ وہ لذتیں، وہ کیف و

سرور، وہ احساسِ حضوری ہمارے دل کو بھی نصیب ہو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے صدقے میں دل کو نصیب ہوتا ہے۔ان کے سوا کسی کو ہمارا رہنما کہلانے کا حق نہیں۔ ہر ایرا غیرا مسلمان کا رہنما نہیں ہو سکتا۔جن لوگوں کی زندگی کا کوئی سر پیر ہی نہیں۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ مسلمان ہیں، عیسائی ہیں یا یہودی۔جن کا کردار یہ نہ بتائے کہ وہ مسلمان ہیں، وہ مسلمانوں کے رہنما کیسے ہو سکتے ہیں؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آج اگر صحابہ کرامؓ میں سے اللہ کسی کو مہلت دے کہ وہ دنیا میں آئیں تو وہ تو مسلمانوں کو یکھ کر کہیں گے کہ یہ جو خود کو مسلمان کہتے ہیں، یہ پاگل ہیں کیونکہ انہیں پتہ ہی نہیں کہ مسلمان کیا ہوتا ہے، کیسا ہوتا ہے کیونکہ اللہ نے مسلمان کی ایک بہت بڑی پہچان یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کا اتباع کرتے ہیں، اللہ کا ذکر کرتے ہیں، رکوع و سجود کرتے ہیں، قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، حلال کماتے ہیں، ماں باپ، بہن بھائی، اولاد، پڑوسی، غرباء و مساکین کی مدد کرتے ہیں پھر توبہ کرتے ہیں کہ یا اللہ! شاید مجھ سے حق ادا نہ ہو سکا ہو۔ایک مرتبہ مجھ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''میں سو بار استغفار کرتا ہوں'' تو توبہ تو گناہ سے کی جاتی ہے، حضور ﷺ توبہ کیوں کرتے تھے؟

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ کیسے سوچتے ہیں اور ایسا کیونکر سوچتے ہیں۔ میں نے اسے تو مختصر سا جواب دیا کہ توبہ از قسمِ عبادات ہے، یہ اللہ کی عبادت کا حصہ ہے اور انبیاءؑ سب سے زیادہ عبادت کرتے ہیں۔

سیرتِ پاک میں درج ہے کہ نبی ﷺ رات کو نوافل ادا فرما رہے تھے حبیبہء حبیب کبریا اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کئی دفعہ حضور ﷺ فرماتے، ''اے ابو بکرؓ کی بیٹی! آج رات میں عبادت نہ کر لوں''؟ عرض کرتیں، ''یا رسول اللہ ﷺ! ضرور کیجیے''۔فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے درِ اقدس میں بعض حجرات مبارکہ میں ایک گدا ہوتا تھا جس میں کھجور کے پتے ہوتے تھے اور بعض حجرات مبارکہ میں ایک کمبل ہوتا تھا جو نیچے بچھا لیتے۔ سردیاں ہوتیں تو آدھا اوڑھ لیتے تھے تو فرماتی ہیں، میں اس کمبل پر سونے کے لیے لیٹ جاتی۔ جب حضور ﷺ قیام میں ہوتے تو میں اپنی ٹانگیں پھیلائے رکھتی۔ جب آپ ﷺ نے رکوع و سجود کرنا ہوتا تو میں پاؤں سمیٹ لیتی۔اس رات حضور ﷺ کھڑے ہوئے تو قیام اتنا طویل تھا کہ میں سمجھی کہ آج رات حضور ﷺ رکوع نہیں کریں گے۔حالتِ قیام میں ہی آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا اشکِ مبارک رواں ہوئے، داڑھی مبارک تر ہونا شروع ہو گئی حتیٰ کہ ریشِ مبارک سے اشک ہائے مبارک سینہء اطہر پر ٹپکنے لگے پھر حضور ﷺ نے رکوع کیا، اتنا لمبا رکوع تھا کہ میں سمجھی کہ باقی رات شاید رکوع میں ہی گزر جائے۔ سجود فرمایا تو اسی طرح بہت طویل تھا، نماز سے فارغ ہونے تک قدومِ مبارک

متورم ہو گئے۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے طفیل تو ساری دنیا بخشی جائے گی کہ آپ ﷺ شافع محشر ہیں۔ پھر آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں فرما رہے ہیں؟ فرمایا! اللہ کا مجھ پر یہ احسان ہے تو کیا افلا أكون عبداً شكوراً أو كما قال رسول اللہ ﷺ۔ اگر اللہ نے مجھے یہ منصب جلیلہ عطا فرمایا ہے تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ میں شافع محشر بنایا گیا ہوں تو مجھ پر مزید شکر واجب ہو گیا ہے یعنی حضور ﷺ کا استغفار ادائے شکر کا حصہ ہے۔

آپ ﷺ کے استغفار کرنے کی بعض علماء نے ایک تاویل کی ہے چونکہ حضور ﷺ کے مقامات و منازل ہر آن بلند ہوتے رہتے تھے۔ ہر لحظہ، ہر گھڑی ترقیٔ درجات ہوتی رہتی تھی تو پہلے درجے کو دیکھ کر حضور ﷺ استغفار کرتے تھے لیکن یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ پہلا درجہ بھی اختیاری نہیں تھا کہ حضور ﷺ نے اپنی پسند سے منتخب کیا ہو، نہ دوسرا درجہ اختیاری تھا۔ پہلا مرتبہ بھی ربِ کریم کی طرف سے تھا اور جو اس پر بڑھا دیا گیا وہ بھی ربّ کریم کی عطا تھا۔ تو یہ دلیل اپنے اندر کم از کم میری نظر میں وزن نہیں رکھتی۔ اصل بات یہ ہے کہ ادائے شکر کا ایک انداز استغفار بھی ہے کہ یا اللہ! تیری نعمتیں تو اتنی بے شمار ہیں کہ میں جس قدر بھی شکر ادا کروں، اس میں کمی رہ جائے گی، حق ادا ہو نہ پائے گا۔ اس کمی کو پھر استغفار سے پورا کیا جاتا ہے کہ یا اللہ! میں بندہ ہوں، تُو رب العالمین ہے، میں اتنا ہی شکر ادا کر سکتا ہوں جتنا ایک بندہ کر سکتا ہے۔ تیری عطا تو تیری شان ربوبیت کے مطابق ہے تو اس عطا اور اس شکر کا مقابلہ یا موازنہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

اب اگر یہ عالم محمد رسول اللہ ﷺ جیسی بے مثال ہستی کا ہے جو شافع محشر ہیں۔ تو کیا کبھی ہم نے بھی اس نظریے سے استغفار کیا ہے؟ کیا کبھی ہم نے بھی عبداً شكوراً بننے کی کوشش کی ہے؟ جبکہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کی سب سے پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ میری اطاعت کرتے ہیں، میرے نبی ﷺ کا اتباع کرتے ہیں، حلال کھاتے ہیں، سچ بولتے ہیں، رات دن اطاعت و عبادت کرنے کے باوجود توبہ کرتے رہتے ہیں، استغفار کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کریم نے اپنے مقبول بندوں کی صفات میں پہلی بات یہ بتائی کہ میرے بندے توبہ کرتے ہیں تو یا اللہ! وہ گناہ کرتے ہوں گے تو ہی توبہ کرتے ہوں گے؟ فرمایا! اَلۡعٰبِدُوۡنَ وہ گناہ کرنے والے نہیں ہوتے عبادت کرنے والے ہوتے ہیں۔ عبادت کا لغوی مفہوم اطاعت ہے۔ کمانے سے لے کر خرچ کرنے تک، دوستی سے دشمنی تک، شخصی زندگی سے قومی زندگی تک، جو بھی کام اللہ کی اطاعت میں ہے، وہ عبادت ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا! مومن اپنے بچوں کو جو کھانا کھلاتا ہے وہ بھی عبادت ہے، وہ اس کا صدقہ شمار ہوتا ہے، عرض کیا گیا، یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو اس پر واجب ہے، اس کی ذمہ داری ہے۔ فرمایا! وہ جو واجب ہے، اس پر عمل کرنا ہی تو عبادت ہے۔ عبادت یہی تو ہے کہ جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کیا جائے۔ تو فرمایا! میرے بندے میرے ہر حکم پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کرتے

ہیں۔ اَلْعٰبِدُوْنَ اطاعت گزار ہوتے ہیں، عبادت گزار ہوتے ہیں۔ اَلْحٰمِدُوْنَ میری حمد بیان کرتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں وہ میری رضا کے لیے روزے رکھتے ہیں۔ اور جو نفل کا پاس کرتے ہیں وہ فرض کو کہاں چھوڑیں گے۔ الرّٰکِعُوْنَ۔ جو میری بارگاہ میں رکوع کرتے ہیں۔ احساسِ بندگی انہیں میرے آگے جھکا دیتا ہے۔ اَلسّٰٓاجِدُوْنَ وہ میری بارگاہ میں سربسجود رہتے ہیں۔ وہ فرض نمازوں اور نوافل کے ذریعے اظہارِ بندگی کرتے رہتے ہیں۔ عبادات تو خالصتاً میرا اور ان کا معاملہ ہے لیکن وہ صرف حجرے کی حد تک میرے ساتھ تعلق نہیں رکھتے۔ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ بھلائی کی تبلیغ کرتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں، بھلائی کو عام کرتے ہیں اور برائی کو پوری طاقت سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں، احکامِ الٰہی کی حفاظت کرتے ہیں وہ نہ صرف احکامِ الٰہی پر خود عمل کرتے ہیں بلکہ معاشرے میں بھی ایسا ماحول بنا دیتے ہیں جس میں حدودِ الٰہی پر عمل کیا جائے۔ اس کے باوجود فرمایا! اَلتَّآئِبُوْنَ یہ سب کر کے پھر توبہ کرتے ہیں وہ اپنی نیکیوں پر مغرور نہیں ہوتے، ہر طرح کی اطاعت وعبادت کرنے کے ساتھ ساتھ توبہ بھی کرتے ہیں کیونکہ توبہ بجائے خود عبادت کا ایک حصہ ہے۔ فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۱۲﴾ اے میرے حبیب ﷺ! ایمان والوں کو خوشخبری دے دو۔ اب یہاں کوئی مخصوص نام نہیں لیے گئے، شرائط دی گئی ہیں۔ جو کوئی ان شرائط پر پورا اترے گا اسے اللہ کی طرف سے بشارت مل گئی۔ آخرت کے فیصلے تو روزِ قیامت کو ہوں گے۔ یہ فیصلہ تو آج ہو گیا۔ اب تو بندے کے اپنے ذمے ہے کہ وہ اپنے آپ کو تلاش کرے کہ وہ کہاں ہے، کیا وہ اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے؟ اللہ کی عبادت کرتا ہے؟ اللہ کی تسبیح وتہلیل کرتا ہے؟ کیا وہ روزے رکھتا ہے؟ کیا وہ فرض اور نفلی نمازیں پڑھتا ہے؟ کیا وہ معاشرے میں نیکی پھیلاتا اور برائی کو روکتا ہے؟ کیا وہ معاشرے میں اللہ کے احکام کی حفاظت کرتا ہے اور خود ان پر عمل کرتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اسے بشارت مل گئی۔ اس کا فیصلہ تو یہیں ہو گیا۔ جنت اس کا حق ہے، اللہ نے اسے عطا کر دی۔ اسے بخشش نصیب ہو گئی۔ وہ دوزخ سے بچ گیا لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ کیا میں ذاتی طور پر ان شرائط پر پورا اترتا ہوں؟ کیا میری زندگی حدودِ الٰہی کے حصار میں گزر رہی ہے؟ جو گزر گئی سو گزر گئی لیکن زندگی کے جو لمحات ہمارے پاس باقی بچے ہیں، عشقِ رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کے غلام بن جائیں۔

نبی ﷺ کی غلامی سے منہ موڑ کر اُمت آج یہاں پہنچی ہے کہ اغیار ہماری غیرتِ ایمانی کا گاہے بگاہے امتحان لیتے ہیں۔ وہ تو اتنے بدنصیب ہیں کہ گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں لیکن ان کو یہ جرأت نام نہاد مسلمانوں نے اپنے کردار کی پستی سے دی ہے۔ امت کو اپنا جائزہ لینا ہو گا کہ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ کافر تو کافر ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا منکر ہے، مسلمان تو دعویٰ اسلام رکھتا ہے وہ دیکھے کہ اپنے عقیدے، عمل، عبادت اور معاملات میں کس پستی

میں جاچکا ہے۔ کیا وہ خود تو گستاخی نہیں کررہا؟ عملاً اس کا کردار کس بات کا مظہر ہے؟ یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ توہین رسالت کا جواب کیا ہے؟

توہینِ رسالت کا جواب:

کافر اور مشرک بدنصیب ہیں کہ جنہوں نے رسالتِ آقائے نامدار ﷺ کا اقرار نہیں کیا اور اگر کسی کی بدبختی اپنی انتہاؤں کو پہنچ جاتی ہے، اس کے گناہ اور خطائیں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو پھر وہ توہین رسالت پر آ جاتا ہے۔ یہ وہ آخری گناہ، آخری جرم ہے جو کوئی بدبخت اپنی زندگی میں کرتا ہے۔ مشرکین مکہ بھی توہین رسالت کرتے تھے۔ زبانی طعن و تشنیع بھی کرتے تھے، عملاً بھی کرتے تھے، پتھر مارتے، ایذا دیتے، مذاق تک اڑاتے تھے۔ اس کا جواب مسلمان کیا دیتے تھے؟ مسلمان اس کا جواب حضور ﷺ کی حرف بحرف اطاعت کر کے دیتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی کچھ ایسے بدزبان تھے جن کی بدزبانی کو حضور ﷺ نے محسوس کیا تو مسلمانوں نے جان لڑا کر انہیں قتل کر دیا۔ مدینہ منورہ میں کعب بن اشرف نامی یہودی تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا! اس کی باتیں حد سے بڑھ گئی ہیں، کوئی ہے جو اس سے جان چھڑا دے؟ حالانکہ وہ بڑے محفوظ قلعے میں رہتا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اسے قتل کر دیا۔ توہینِ رسالت کی یہی سزا ہے۔ یہ جرم ہی ایسا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر تمام اہل مکہ کو عام معافی دے دی گئی لیکن گنتی کے کچھ لوگ تھے جو حضور ﷺ نے فرمایا! اگر یہ لوگ حرم میں بیت اللہ کے پردوں میں بھی لپٹے ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے اور وہ قتل کیے گئے۔

غور و فکر کرنے کی بات ہے کہ اگر کوئی کافر توہین کرتا تو کیا صحابہ کرامؓ آپس میں لڑ پڑتے، اپنی املاک جلا دیتے تھے؟ یہ محبت کی کونسی قسم ہے کہ لوگ سڑکوں پر نکل آئیں، کسی کی گاڑی توڑ دیں، کسی کا دفتر جلا دیں، کسی کی دکان کو آگ لگا دیں، کسی کا گھر جلا دیں۔ آج مسلمان اہلِ مغرب پر، اس بدطینت انسان پر تنقید کر رہے ہیں لیکن عجیب بات ہے تنقید کرنے والوں کا حلیہ اسی شخص جیسا ہے، لباس اسی جیسا ہے۔ ٹائی کی گرہ بھی بعینہٖ ویسی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قوم کا عشق کیسا، اس کی محبت کیسی ہے؟ اللہ کی عبادات چھوڑ دیں گے، فرائض چھوڑ دیں گے، واجبات چھوڑ دیں گے، رشوت کھائیں گے، حرام کھائیں گے، ہر کوئی ایک دوسرے کو لوٹ رہا ہے۔ اس سب پر عشقِ رسول ﷺ کا دعویٰ بھی ہے یہ عشقِ رسول ﷺ نہیں ہے بلکہ عشقِ رسول ﷺ کی آڑ میں لوگ شور شرابے کا، ھلّے گلّے کا شوق پورا کرتے ہیں۔ یہ تو سراسر تماش بینی ہے۔ عشقِ رسول ﷺ تو ایک انمول نعمت ہے۔ جسے عشاق نہاں خانہ دل میں چھپائے پھرتے ہیں۔ چھپتا تو وہ کہاں ہے۔ کوئی بھی عاشق جسے عشق ہو، وہ اس کا اظہار نہیں چاہتا۔ وہ خود کو جلاتا ہے، دل کو جلاتا ہے، بات زبان تک نہیں لاتا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ یہ چھپتا پھر بھی نہیں ہے، خوشبو کی طرح ہر سُو پھیلتا چلا جاتا ہے۔

یہ ظاہر ہوتا ہے عاشق کی اداؤں سے، اس کے کردار سے، اس کی گفتار سے، اس کے طرزِ عمل سے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے کردار کا کون سا پہلو ہے جس سے عشقِ رسول ﷺ ظاہر ہوتا ہو؟ کیا ہم حرام سے رُک جاتے ہیں؟ حلال پر قناعت کرتے ہیں؟ کیا ہم جھوٹ کا رستہ چھوڑ کر سچی بات کہتے ہیں؟ کیا ہم چھوٹوں سے پیار، بڑوں کی عزت کرتے ہیں؟ کیا ہماری اخلاقیات وہ ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے تعلیم فرمائیں؟ اپنے باطن، سوچ اور ارادے کو سیدھی راہ پر لانا نسبتاً مشکل ہے۔ ہمارا تو ظاہر بھی سنت کے مطابق نہیں ہے تو اگر ہم اپنا ظاہر بھی آپ ﷺ کے حکم کے مطابق نہیں رکھ سکتے تو عشق کی بات کہاں رہی؟ کہ وہ تو دل وجان کا سودا ہے۔

میدانِ اُحد میں نبی اکرم ﷺ زخمی ہو گئے، چہرۂ انور پر زخم آئے، دندان مبارک شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کے دانت شہید کیے گئے ہیں، رُخِ اقدس کو زخمی کیا گیا ہے تو اس پر ابھی عذاب آ جائے گا، اس زخمی حالت میں حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا دیے، **اللھمّ اغفر قومی فانہ لایعلمون**. یا اللہ! میری قوم سے درگزر فرما، یہ جاہل ہیں، یہ تیرے نبی علیہ السلام کی عظمت سے ناآشنا ہیں۔ یہ اپنے قریشی بھائی محمد بن عبداللہ سے لڑ رہے ہیں، تیرے رسول ﷺ کی رسالت سے نابلد ہیں۔ انہیں معاف کر دے۔ یعنی جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو زخمی کیا۔ آپ ﷺ انہی سے عذاب کو ٹال رہے ہیں۔ ہمارا عشق کیسا ہے؟ کہ ہم اپنے ہی بھائیوں کی املاک جلا رہے ہیں۔ ہم سڑکوں پر ڈنڈے لے کر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ راہ گزرتے مسافروں کی گاڑیاں توڑ رہے ہیں۔ بیمار گاڑی میں پڑا ہے، وہ مر جائے، ہماری بلا سے۔ کیوں کہ جلوس کھڑا ہے اور ٹریفک بند ہے۔ ہسپتال تک نہیں جا سکتے اتنا خطرہ ہے کہ پورے ملک میں موبائل سروس بند ہے، ٹرانسپورٹ بند ہے مجھے یہ بتایا جائے کہ ملک کی ٹرانسپورٹ بند کر کے، موبائل سروس بند کر کے لوگوں کی املاک کو آگ لگا کر، اس ملعون کا کیا بگڑا، جس نے یہ جسارت کی۔ حکومت نے بھی بڑا تیر مارا۔ ملک کو ایک دن کی تعطیل دے دی۔ شاید ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایک دن کی چھٹی سے ملکی سطح پر کتنا نقصان ہوتا ہے۔ کھربوں کا نقصان ہوتا ہے۔ عوام کے لیے ہفتہ اتوار کی دو چھٹیاں ہی کافی تھیں۔ اس پر مزید چھٹی معیشت کا نقصان ہی ہے۔ چھٹی کرنے کی بجائے آل پارٹیز کانفرنس بلاتے، تمام سیاستدانوں کو اکٹھا کرتے دینی سیاسی جماعتوں کو بلاتے، دنیوی سیاسی جماعتوں کو بلاتے، سب کے سامنے بات رکھتے، سب ایک متفقہ قرارداد پاس کرتے، اسے جا کر یو این او کے سیکرٹری جنرل کو دیتے کہ یہ سب کیا ہے؟ اس طرح کیوں کیا جاتا ہے؟ ایک بین الاقوامی ضابطہ بنایا جائے کہ کسی بھی نبیؑ کی کوئی شخص توہین نہیں کرے گا، اگر کرے گا تو اسے یہ سزا ملے گی۔

امریکہ میں اگر کوئی اس طرح کی فلم، کسی سابقہ امریکی صدر کے خلاف بھی بنا دے جو گزر گئے مثلاً جارج واشنگٹن کے خلاف، ابراہیم لنکن کے خلاف، کیا اسے امریکہ Tolerate (برداشت) کرے گا؟ حالانکہ امریکی صدور کوئی اتنی دینی شخصیات تو نہیں تھے۔ نہ مسلمان تھے نہ ان کا ادب لازم تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ کیوں ملک کا ایک شہری اس طرح کرے اور ملک اسے نہ پوچھے۔ مسلمان ممالک پچپن چھپن کی تعداد میں ہیں، اپنے ملک میں اپنی اپنی قوم کو اکٹھا کر کے قرارداد پاس کریں پھر سارے متفقہ اجلاس کر کے، چھپن ممالک ایک طرف کھڑے ہو جائیں کہ یہ نہیں ہونے دیں گے تو کون کر سکتا ہے؟ لیکن یہ کونسا طریقہ ہے؟ امریکہ کا یا اس بکواس کرنے والے کا کیا بگڑا کہ لوگوں نے یہاں کسی کی گاڑی توڑ دی، کسی کا گھر جلا دیا، کسی کی دکان لوٹ لی؟ تو اللہ کے لیے۔ حکومت کو چاہیے کہ پہلے خود سمجھے اور پھر اس قوم کو بھی سمجھائے۔ یہ حرکات حادثے کے طور پر نہیں ہوتیں، یہ حرکات جان بوجھ کر کی جاتی ہیں۔ لوگ جان بوجھ کر کرتے ہیں، دراصل چیک کرتے ہیں کہ اس قوم کے تنِ مردہ میں کتنی جان باقی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے قصاب جب جانور کو ذبح کر چکتا ہے تو پھر اُلٹی چھری سے اس کے ٹخنے پر ضرب لگاتا ہے۔ اگر جانور ٹانگ کھینچ لے تو قصاب تھوڑی دیر کے لیے رُک جاتا ہے کہ جانور میں جان باقی ہے ابھی اس کی کھال نہیں اتارنی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹخنے کو پھر سے ٹھکورتا ہے، جانور ٹانگ نہ ہلائے تو وہ کھال اتارنا شروع کر دیتا ہے تو یہ کفار بھی مسلمانوں کے ٹخنے ٹھونک رہے ہیں کہ ذبح تو ہم انہیں کر چکے، اس قوم کا لباس ہم نے چھین لیا، انہوں نے لباس ہمارا پہن لیا، انہوں نے اپنی بیٹیاں بھی ہماری بیٹیوں کی طرح آوارہ کر لیں۔ فلمیں یہ سارا دن ہماری دیکھتے ہیں، سی ڈی پر سارا دن ہمارے گانے سنتے ہیں، ذبح تو یہ ہو چکے ہیں لیکن شاید ابھی کچھ جان باقی ہے، کھال اتاریں یا نہیں۔ پھر وہ ہمارے ٹخنے پر اُلٹی چھری سے ضرب لگا دیتے ہیں۔ ہم پھر سے پھڑ کنے لگتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں ابھی تھوڑی دیر اسے اور پڑا رہنے دو، پھر اگلے سال دیکھیں گے۔ اب مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سراپا غلامِ محمد رسول اللہ ﷺ بن جائیں۔ اگر ہمیں احتجاج کرنا ہے تو چاہیے کہ حلیے سے لے کر دل تک ظاہر سے لے کر باطن تک محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام بن کر کفار کی ضلالت کا جواب دیں کہ لو بھئی تم نے یہ کیا تھا، ہم یہ کر رہے ہیں۔ ہم عملاً مسلمان نظر آئیں، اپنے ملک سے ظلم ختم کریں، رشوت ختم کریں، چور بازاری ختم کریں، لوٹ مار ختم کریں حلال روزی کمائیں، اپنے آپ کو بحیثیت قوم بے حد مضبوط اور ناقابل تسخیر بنائیں کہ کفار ہماری طرف دیکھنے کی جرأت ہی نہ کر پائیں، اللہ کریم ہمیں ہدایت دیں، توفیق عمل بھی دیں، ہمارے گزشتہ گناہوں کو معاف فرمائیں اور آئندہ جو خطائیں ہوں ان کے لیے بھی توبہ قبول فرمائیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ فرمایا نبی کریم ﷺ کو اور ان لوگوں کو جن کو ایمان نصیب ہوا ہے۔ یہ زیب ہی نہیں دیتا ہے کہ وہ مشرکین کے لیے دعا کریں خواہ وہ ان کے بہت ہی قریبی عزیز ہوں جب ان پر یہ واضح ہو جائے کہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا اور وہ دوزخ کے رہنے والے ہیں۔

یہ آیۂ کریمہ جناب ابی طالب کے واقعہ میں نازل ہوئی، اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے والد گرامی تو آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ پھر چھوٹی عمر میں والدہ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ اپنے دادا کے ساتھ رہے، دو سال بعد آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب انتقال فرما گئے۔ تو آپ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کی سرپرستی میں آ گئے۔ روایات میں عام طور پر ملتا ہے کہ جنابِ ابی طالب نے آپ ﷺ کی کفالت کی، یہ درست نہیں ہے بلکہ اس کم عمری میں بھی آپ ﷺ اُجرت پر بکریاں چرایا کرتے تھے اور وہ اُجرت اپنے چچا کو دیا کرتے تھے یعنی چچا ابو طالب آپ ﷺ کی کفالت نہیں کرتے تھے بلکہ نبی اکرم ﷺ اپنے چچا کی کفالت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مصری محقق نے محمد رسول اللہ ﷺ کے نام سے حضور ﷺ کی سیرت پاک مرتب کی ہے، جس میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت ابوطالب کی سرپرستی میں آئے تو آپ ﷺ نے اُجرت پر بکریاں چرانا شروع کیں اور وہ ساری اُجرت آپ ﷺ اپنے چچا کو دیا کرتے تھے۔ ابوطالب کثیر العیال تھے اور ایک ٹانگ سے معذور بھی تھے لہٰذا زیادہ سفر نہیں کر سکتے تھے، کاروبار بھی کوئی خاص نہیں تھا اس لیے ان کی معاشی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی۔ اور اسی لیے نبی کریم ﷺ ان کی مدد فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ جب آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ الکبریٰ سے ہوا تو آپ ﷺ نے چچا سے ایک بیٹا مانگ لیا تاکہ ان کا بوجھ کچھ کم ہو سکے۔ وہ بیٹا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تھے جو بہت کم سن تھے۔ حضور ﷺ انہیں اپنے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے گھر لے گئے اور ان کی پرورش خود فرمائی، ہاں! یہ بات قابل ذکر ہے کہ بچپن سے جوان ہونے تک اور بعثت سے لے کر اپنی وفات تک جنابِ ابی طالب نے ہر مشکل میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا۔ جب پوری دنیائے کفر حضور ﷺ کے خلاف ہو گئی، سارے مشرک قبائل، خود قریش کے بے شمار قبائل، پورا شہر مکہ اور اس کے گرد و نواح کی ساری آبادیاں آپ ﷺ کی دشمنی پر آمادہ ہو گئیں تو ایسے مشکل وقت میں بھی جنابِ ابی طالب نے کسی کی پروا نہیں کی اور اپنے عظیم بھتیجے کی حمایت پر آخری دم تک ڈٹے رہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب موت کا وقت قریب آیا تو حضور ﷺ نے اپنے چچا سے یہ فرمایا کہ آپ کسی اور کو نہ سنائیں، بس میرے کان میں کلمہ طیبہ پڑھ دیں، میں آپ کا گواہ بن جاؤں تاکہ میں آپ کی

شفاعت کر سکوں، اس وقت وہاں مشرکین بھی موجود تھے، ابو جہل بھی بیٹھا ہوا تھا دیگر سرداروں کے ساتھ ابو سفیان بھی تھے جیسے ہمارے ہاں بھی ایسے وقت میں سب رشتے دار جمع ہو جاتے ہیں، سب انہیں یہ ہی کہتے رہے، کیا مرتے وقت تم اپنا آبائی دین چھوڑ دو گے؟ چنانچہ ان کا آخری کلمہ یہ ہی تھا کہ میں اپنے آبائی دین پر جان دے رہا ہوں۔

قریش کا آبائی دین کیا تھا؟

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں پہلا تو یہ کہ وہ آبائی دین کیا تھا؟ قریش کا آبائی دین توحید تھا جس پر حضرت عبدالمطلب اور ان کی اولاد تھے، وہ توحیدِ باری کے قائل تھے۔ اللہ کو واحدہ ولاشریک مانتے تھے اور اس بات کی دلیل واقعہ فیل میں بھی موجود ہے جب ابرہہ نے مکہ مکرمہ کو ڈھانے کی نیت سے یمن سے اٹھ کر مکہ پر لشکر کشی کی اور منیٰ میں آکر خیمہ زن ہوا۔ بڑا لاؤ لشکر اپنے ساتھ لایا تھا، عربوں نے پہلی دفعہ کسی لشکر میں ہاتھی دیکھے تھے۔ یا غالباً عربوں نے زندگی میں ہاتھی ہی پہلی بار دیکھے تھے۔ لشکر کی قوت کا اندازہ کر کے حضرت عبدالمطلب نے اہلِ مکہ سے کہا، تم اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اپنی جانیں بچاؤ اور پہاڑوں پر چلے جاؤ۔ بیت اللہ کا مالک اللہ ہے، وہ اس لشکر سے خود نپٹ لے گا۔

ابرہہ کے کچھ لشکری حضرت عبدالمطلب کے اونٹ ہانک کر لے گئے تو آپ اس سلسلہ میں ابرہہ سے بات کرنے اس کے لشکر میں تشریف لے گئے، اسے بتایا گیا کہ قریش کا سب سے بڑا سردار آپ سے ملنے کے لیے آیا ہے۔ وہ بڑا خوش ہوا، مل کر آپ کی وجاہت سے بے حد متاثر ہوا اور آنے کا مقصد پوچھا تو آپ نے فرمایا! تمہارے لشکری میرے اونٹ لے آئے ہیں۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ میرے اونٹ مجھے واپس کیے جائیں، ابرہہ بڑا حیران ہوا، اس نے کہا، میں آپ کا عبادت خانہ گرانے آیا ہوں، میں سمجھا آپ اس کی بات کرنے آئے ہیں لیکن آپ تو اپنے اونٹوں کی بات کر رہے ہیں۔ اس پر عبدالمطلب نے فرمایا! اونٹ میری ملکیت ہیں، مجھے ان کی فکر ہے اور جس کعبے کو مٹانے کی تم بات کر رہے ہو اس کا بھی ایک مالک ہے۔ وہ تم سے خود نپٹ لے گا۔ یہ گفتگو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حضرت عبدالمطلب اللہ کی توحید اور اس کی قدرتِ کاملہ کے قائل تھے، چنانچہ خانوادۂ عبدالمطلب کا دین توحید ثابت ہو گیا۔ حضور ﷺ کے والدِ ماجد کا وصال بھی اسی دین پر ہوا اور آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی مؤحد تھیں۔ بعض کتابوں میں واقعہ معراج شریف میں لوگ لکھ دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے معاذ اللہ اپنے والدین کو جہنم میں دیکھا، یہ قطعی غلط ہے۔ وہ لوگ توحیدِ باری کے قائل تھے اور بعثتِ عالی سے پہلے صرف توحید پر قائم ہونا نجات کے لیے کافی تھا۔ جب جنابِ ابو طالب نے کہا کہ میں آبائی دین پر ہوں تو نبی کریم ﷺ مبعوث ہو چکے تھے، اب صرف توحید کافی نہیں تھی،

اب ایمان کے لیے توحید و رسالت دونوں کا اقرار ضروری تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت عالی کے بعد اگر کوئی توحید باری کا قائل بھی ہے اور ساری عمر لا الہ الا اللہ پڑھتا رہے لیکن جب تک محمد رسول اللہ نہ کہے ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ لہٰذا ابو طالب نے اسی دین کا حوالہ تو دیا لیکن حضور ﷺ کی بعثت کے بعد اب اقرار رسالت بھی اتنا ہی لازمی ہو گیا تھا اور جو رسالت کا انکار کرتا ہے گویا اس نے توحید کو بھی قبول نہیں کیا لہٰذا توحید کا تقاضا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو بھی بحیثیت رسول ﷺ قبول کیا جائے۔ دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ بچپن سے لے کر بعثت تک اور بعثت عالی سے لے کر جناب ابو طالب نے اپنی وفات تک حضور ﷺ کی ہر طرح سے حمایت کی۔ قریش نے بڑے بڑے حیلے کیے اور ایک دفعہ تو قریش کا وفد آیا کہ اے ابو طالب! آپ اپنا یہ بھتیجا ہمارے حوالے کر دیں اور ہم اس جیسا خوبصورت نوجوان آپ کو پیش کر دیتے ہیں، وہ آپ ہی کا بیٹا ہوگا اور آپ ہی کے پاس رہے گا، جناب ابی طالب نے ہنس کر کہا، یہ بڑا عجیب سودا کرتے ہو۔ میں اپنا بیٹا تمہیں دے دوں کہ تم اسے قتل کر دو اور تمہارے بیٹے کو میں ناز و نعمت سے پالتا رہوں۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟ الغرض! مشرکین نے ہر ممکن حیلے کیے لیکن ابو طالب حضور ﷺ کی حمایت پر تادمِ واپسیں قائم رہے تو جب انہوں نے آپ ﷺ کی اس قدر حمایت کی تو انہیں ایمان نصیب کیوں نہ ہوا؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ اصل میں انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی حمایت نہیں کی، وہ اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ کی حمایت کرتے رہے۔

جنابِ ابو طالب کے متعلق بحث مناسب نہیں:

لیکن یاد رہے کہ حضرت ابو طالب بہر طور نبی اکرم ﷺ کے محسن تھے اس لیے مسلمانوں کو آپ کے ایمان نہ لانے کو زیر بحث نہیں لانا چاہیے۔ جہاں از حد ضروری ہو وہاں صرف حقائق بیان کرنے تک محدود رہنا چاہیے۔ جناب ابو طالب کے بارے میں بحث کرنا مناسب نہیں۔

استاذ المکرم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں ساتھی بیٹھے تھے قاضی صاحب مرحوم بھی موجود تھے، کسی نے کہا نہرو ہندوستان کا بڑا قابل وزیر اعظم اور بہت بڑا دانش ور تھا، قاضی صاحب فرمانے لگے "عقل مند ہوتا تو نبی اکرم ﷺ کو اللہ کا رسول مان لیتا، اللہ کو واحدہ ولا شریک مان لیتا، جس نے اللہ کو اللہ نہیں مانا، نبی اکرم ﷺ کو نبی نہیں مانا، وہ کہاں کا دانشور ہے؟ وہ تو سب سے بڑا بے وقوف تھا جو کفر میں زندگی ہار گیا"۔

حضرت ابو طالب کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی رہا۔ اگر وہ اللہ کے رسول ﷺ کی حمایت کرتے تو ان جیسا کون تھا لیکن وہ تو اپنے بھتیجے کی نصرت و حمایت کرتے رہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو اللہ کا رسول نہیں مانا۔ اس معاملے میں

ایک احتیاط لازم ہے کہ اس بات کو بحث میں نہیں لانا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کے خاندان کے افراد پر بحث کرنا مناسب نہیں۔ یہ بات حضور ﷺ کو بھی پسند نہیں۔ قرآن میں سب سے زیادہ شدت کے ساتھ جس شخص کی بات کی گئی اور نام لے کر کی گئی وہ ابولہب ہے جو حضور ﷺ کے چچاؤں میں سے ہے۔ تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ (اللھب: 1) مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ کسی صحابیؓ کے بارے میں عرض کیا گیا کہ وہ ہر نماز میں سورۃ اللھب پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں طلب فرمایا اور اس کی وضاحت چاہی، انہوں نے عرض کیا کہ کیونکہ اللہ نے ان پر غضب فرمایا ہے تو مجھے یہ پسند ہے۔ میں اس لیے پڑھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے جو فرمایا وہ بجا، وہ درست ہے لیکن تمہیں میرے خاندان کا کچھ پاس ہونا چاہیے، ابولہب نے مجھے اللہ کا رسولؐ نہیں مانا لیکن میرا دل اس کے انجام پر دکھ محسوس کرتا ہے۔ لہٰذا خاندانِ نبوی ﷺ پر بحث کرنا کسی طور مناسب نہیں۔ یہ اللہ کی مرضی جس کو جہاں چاہے، وہ رکھے۔ کائنات اس کی اپنی ہے۔

چونکہ نبی اکرم ﷺ کا جی چاہتا تھا کہ آپ خود بھی اور باقی مومنین بھی ان کے چچا کی مغفرت کے لیے دعا کریں تو اللہ نے ارشاد فرمادیا کہ یہ آپ ﷺ کے لیے مناسب نہیں کہ اس کے لیے دعا کریں جو ایمان نہیں لایا اور اس کا خاتمہ کفر پر ہو گیا۔ ہاں! کوئی مشرک، کوئی کافر اگر زندہ ہے تو اس کی ہدایت کے لیے دعا کرنا منع نہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بیٹا، دوست، بزرگ، رشتے دار گمراہ ہوتا ہے تو اس کی زندگی میں اس کی ہدایت کے لیے دعا کرنا منع نہیں لیکن جس کا خاتمہ کفر پر ہو جائے اس کے لیے دعا کر شرعاً جائز نہیں۔ فرمایا نبی اکرم کو اور مسلمانوں کو تو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ جن لوگوں نے شرک پر جان دی، ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ خواہ وہ کتنے ہی قریبی رشتے دار ہوں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اس کا مطلب ہے، دعا کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے، دعا کوئی فضول رسم نہیں ہے۔ یہ ہماری کم ظرفی ہے کہ ہم نے دعا کو بھی ایک رسم بنا دیا ہے جیسے صلوٰۃ کے اختتام پر ہم عادتاً دعا مانگ لیتے ہیں، اصل میں، ہم دعا نہیں مانگ رہے ہوتے، کچھ رٹے رٹائے جملے پڑھ لیتے ہیں اور منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں جبکہ ہر دعا اپنا ایک اثر رکھتی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعا نبی اکرم ﷺ کی دعا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دعا، ہر ایک کا اپنا اثر، اپنا انداز ہے اور اللہ کریم نے بطور سزا ان لوگوں کو اس سے محروم کر دیا جن کا عقیدہ صحیح اسلامی نہیں ہوتا۔ توحید و رسالت پر نہیں ہوتا، یعنی دعا سے محروم ہونا بھی سزا کی ایک قسم ہے کہ اللہ نے مشرکین اور کفار کو نیک لوگوں کی دعاؤں سے بھی محروم کر دیا۔ کچھ لوگوں نے اس سلسلے میں ایک اعتراض کیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد کے لیے دعا مانگی تھی حالانکہ وہ بت گر تھا، شاہی بت خانے کا سب سے بڑا پروہت تھا، وہ شخص بادشاہ کے بت خانے کے

لیے بت بنا تا تھا اور اس بت خانے کے تمام امور کا انچارج اور نگران بھی تھا اور اسی حال میں اس کا خاتمہ ہوا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بخشش کے لیے دعا کیوں کی؟ اللہ کریم نے جواب میں ارشاد فرمایا! وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ‌ ۚ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے دعا کرنا اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے باپ سے کیا تھا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ‌ ؕ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۱۴﴾ پھر جب انہیں پتہ چل گیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق ہو گئے۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے رحیم المزاج، حلیم الطبع تھے۔ بہت جگہوں پر بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں چچا تھے۔ عربی میں چچا کو بھی 'ابیٔ' یا 'ابوٌ' کہہ دیتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ قرآن میں فرمایا گیا ہے، اس میں تاویل مناسب نہیں۔ اگر قرآن کریم نے اللہ کریم نے واضح لِاَبِيۡهِ ان کے والد کہا ہے تو کسی کو یہ ضرورت نہیں ہے کہ اس کی تاویلیں کرتا پھرے۔ سگا والد نہ سہی چچا کہہ دیتے تو چچا والد کا قائم مقام ہوتا ہے (احترام اور عزت کے اعتبار سے) لیکن جب قرآن نے (والد) کے الفاظ استعمال کیے ہیں تو جو کچھ قرآن نے فرمایا ہے اسے من وعن ماننا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں لوگوں نے بہت سی اور باتوں کی وضاحت بھی اپنی رائے سے کی ہے مثلاً آپؑ کے آگ میں ڈالے جانے کے متعلق بھی بہت سوں نے لکھا ہے کہ وہ لکڑیاں جو جل رہی تھیں، وہ بجھ گئیں اور سرسبز درخت بن کر کھڑی ہو گئیں، یوں ایک پورا باغ کھڑا ہو گیا جبکہ قرآن کریم فرماتا ہے، قُلۡنَا يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ۙ‏ ﴿۶۹﴾ (الانبیاء:69) ترجمہ: ہم نے (آگ کو) حکم دیا، اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے سلامتی (کا سبب) بن جا۔ ہم نے حکم دیا۔ اے آگ تجھے جب سے پیدا کیا ہے اور جب تک رہے گی، تیرا کام جلانا ہے، یہ ہم نے تجھے ایک خصوصی صفت دے رکھی ہے لیکن آج ابراہیم علیہ السلام کے لیے بادِ بہاری بن جا، ایندھن کو، لکڑیوں کو جلاتی رہ لیکن ابراہیم علیہ السلام تک تیری جو لپٹ پہنچے، وہ بادِ صبا بن کر پہنچے۔ اتنی ٹھنڈی بھی نہ ہو کہ انہیں ٹھنڈ محسوس ہو اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی والی، خوشگوار، ٹھنڈی ہو جا، پُر بہار، روح افزاء، پُرلطف ہو جا اور کمال یہ ہی ہے کہ آگ، آگ ہی رہے لیکن ٹھنڈی اور خوشگوار لگے۔ یعنی جو معجزۂ ابراہیمی کا کمال ہے کہ آگ کو بجھایا نہیں۔ آگ جلتی رہی لیکن بہار آفریں ہو کر۔ میری سمجھ میں تو یہ ہی آیا ہے کہ قرآن کریم جو سیدھا سیدھا کہہ رہا ہے کہ اے آگ! ٹھنڈی ہو جا۔ آگ کو بجھنے کا حکم نہیں دیا گیا اور یہی معجزے کا کمال ہے کہ آگ آگ ہی رہی، ایندھن کو جلاتی رہی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے راحت افزاء اور خوشگوار ہو گئی، حضرت ابراہیمؑ نے توحیدِ باری کا پیغام دیا اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ اپنے والد کو اور گھر بار کو بھی چھوڑ دیا، گھر

سے نکلتے ہوئے اپنے والد سے کہا کہ اگر آپ بت پرستی سے باز نہیں آرہے تو میرا آپ کا کوئی رشتہ نہیں لیکن بوڑھے باپ سے یہ وعدہ فرمایا کہ میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا اور آپ کا یہی وعدہ اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنے کا سبب بنا۔ لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ میرے والد کا خاتمہ تو بت پرستی پر ہی ہوا ہے، اللہ کی دشمنی پر ہی ہوا ہے تو تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ انہوں نے ان سے اپنی برأت کر لی اور پھر دعا نہیں کی۔ فرمایا! میں اس سے بَری ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام بڑے رحیم المزاج اور حلیم الطبع تھے، بہت خوبصورت دل کے مالک تھے، بڑے رحم دل تھے اور بڑے حلیم طبع تھے، اپنے اس طبعی مزاج کی وجہ سے بھی یہ ہی چاہتے تھے کہ کوئی عذاب میں نہ جائے لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تو اپنی برأت کا اعلان کر دیا لہٰذا کسی بھی کافر یا کفر و شرک پر مرنے والے کا کسی نبیؑ یا مومن سے کوئی تعلق، کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ رشتے تو زندگی میں ہی ختم ہو جاتے ہیں، کفر اور ایمان میں اتنا فاصلہ ہے کہ یہ ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ لیکن زندگی میں ایک گنجائش باقی ہوتی ہے کہ کفر و شرک میں مبتلا عزیزوں کی ہدایت کے لیے دعا کی جا سکے لیکن جس کا خاتمہ کفر و شرک پر ہو جائے اس کے لیے دعا کرنا، اس کا جنازہ پڑھنا، یہ سب مغفرت کی دعائیں ہیں۔ جنازے کے بعد فاتحہ خوانی میں بخشش کے لیے دعا ہی کی جاتی ہے، یہ ساری چیزیں کفر پر مرنے والے کے سلسلے میں جائز نہیں ہیں اور مومن کو اس کی اجازت نہیں کہ کافر کے لیے مرنے کے بعد بخشش کی دعا کرے۔

مخلوق کو جہنم میں پھینکنا اللہ کو پسند نہیں:

اللہ کی ساری مخلوق اس کی اپنی ہے، اس نے خود بنائی، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے ایک ذرّے سے وجود دیا، ذرّات کو جوڑ کر، چھوٹے چھوٹے سیل جوڑ کر انسانی وجود بنایا اور انتہائی خوبصورت بنایا، آنکھیں دیں، حواس خمسہ دیے، دماغ دیا، خوبصورت وجود دیا، دل دیا پھر اس کے بعد اس کو جہنم میں کیوں پھینک دیتے ہیں؟ کوئی بھی کاریگر جو چیزیں خود بناتا ہے، کوئی کھلونا بناتا ہے، کوئی گھڑی بناتا ہے، کوئی گاڑی بناتا ہے، کوئی جہاز بناتا ہے تو بنا کر اسے توڑ تو نہیں دیتا، ہر بنانے والے کو اپنی تخلیق سے محبت ہوتی ہے، اپنی صنعت سے پیار ہوتا ہے، وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ تو اللہ کریم اپنے بندوں کو جہنم میں کیوں پھینک دیتے ہیں؟ اسے ہدایت کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ اللہ کسی کو گمراہ کر دیں، یہ ان کی شان کے خلاف ہے۔ اللہ کریم بندوں کو گمراہ نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ کریم اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد جہنم میں پھینکنا پسند فرماتے ہیں، حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ حتیٰ کہ اللہ نے مخلوق کے لیے حدود متعین کر دی ہیں اور مخلوق کو اختیار دے دیا ہے، عقیدہ اس طرح رکھو گے، ایمان یہ ہوگا، اعمال اس طرح سے کرو گے، حلال کھاؤ گے، حرام نہیں کھاؤ گے سچ بولو گے، جھوٹ نہیں بولو گے،

نیکی کرو گے، نبی اکرم ﷺ کا اتباع کرو گے، آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کرو گے، اللہ کریم کے احکام کی پیروی کرو گے، نبی اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق زندگی گزارو گے، ان سب میں انسان کو اختیار دے دیا اس لیے کہ انسان وہ واحد مخلوق ہے جسے اللہ کریم نے معرفتِ باری کی استعداد بخشی ہے۔ انسان کے علاوہ نوری مخلوق فرشتے ہیں، وحی لاتے ہیں، ماں کے پیٹ میں موجود بچے میں روح پھونکتے ہیں اور زندگی ختم ہو تو روح قبض کرتے ہیں۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن یہ سارے حاکم کا حکم بجالاتے ہیں، یہ نگاہ اٹھا کر حاکم کے پُرجلال رخِ انور کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کرتے، یہ نہیں کہہ سکتے، حاکم کون ہے؟ کیسا ہے؟ یہ تو بس حکم کے غلام ہیں جبکہ انسان کو یہ استعداد دی گئی کہ یہ اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ میرا رب کون ہے؟ کیسا ہے؟ اس کی صفات پر غور کرتا ہے اور اس کی ذات میں ڈوب جاتا ہے جب انسان کو معرفتِ باری کی استعداد دی گئی تو اس استعداد کو بروئے کار لانے کے لیے فیصلے کا اختیار بھی عطا کر دیا گیا۔ آنکھ میں قوتِ بصارت رکھ دی تو یہ بھی بندے کے اختیار میں رکھ دیا کہ اسے استعمال کیسے کرے، اگر کوئی آنکھ کو بند ہی رکھے تو وہ کیا دیکھے گا؟ یا اگر کوئی شیشے کی عینک کی بجائے لوہے کی عینک لگالے تو اس میں سے کیا نظر آئے گا؟ اسی طرح کان میں قوتِ سماعت رکھ دی تو اگر کوئی کانوں میں انگلیاں ٹھونس لے تو کیا سنائی دے گا۔ زبان میں قوتِ گویائی ہے تو اگر کوئی منہ بند کر کے بیٹھ جائے تو کیسے بولے گا؟

فرمایا! میں نے اپنے بندوں کو معرفتِ باری کی استعداد دی اور اس کے لیے کچھ حدود متعین کر دیں۔ اب انہوں نے اپنی پسند سے میرے احکام کی پیروی نہ کی، میری بات کو نہیں مانا اور میرے نبی ﷺ کی غلامی چھوڑ دی، لہٰذا یہ محنت کر کے خود زبردستی جہنم میں جا رہے ہیں، میں تو انہیں جہنم میں پھینک کر راضی نہیں ہوں، میں تو ان پر خوش ہوں جنہوں نے میری اور میرے نبی علیہ السلام کی اطاعت کی اور جنت میں پہنچے۔ میں تو ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔ ہاں! میں چاہتا تو سب کو پیدا کر کے جنت میں ہی بھیج دیتا، دنیا میں بھیجتا ہی نہیں۔ فرمایا! اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۱۵﴾ بے شک اللہ کریم ہر چیز کا علم رکھتے ہیں۔ اللہ کریم کو علم تھا کہ جب یہ دنیا میں جائیں گے اور ان کے لیے حدود متعین ہوں گی تو کون ان حدود کی پاسداری کرے گا اور کون ناکام ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ یہ نہیں کہ اللہ کو علم نہیں تھا، فرمایا میں جانتا تھا، جو مقام و مرتبہ میں نے انہیں بخشا اس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ بات میں ان پر چھوڑ دوں کہ یہ جہنم جاتے ہیں یا جنت، یہ میری رحمت کا سہارا لیتے ہیں یا دنیا کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ اقتدار کے لالچ میں یا دولت کی ہوس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو چھوڑ دیتے ہیں یا اطاعت کی راہ اپناتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جن کے پاس کھربوں روپے ہیں وہ تو کسی لالچ میں ہیں اور جن کے پاس صبح شام کھانے کو کچھ نہیں وہ کس لالچ میں اطاعتِ الٰہی

اور اتباع سنت کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ میں نے غریبوں کو اس مرض میں زیادہ مبتلا پایا ہے۔ اللہ معاف فرمائے، یہ ایسے جملے کہتے ہیں کہ ایک جملہ جہنم جانے کے لیے کافی ہے، کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں دیا ہی کیا ہے؟ ساری بھوک افلاس ہمارے ہی لیے ہے۔ حالانکہ بندہ ہر حال میں اللہ کی دی ہوئی نعمتیں استعمال کرتا رہتا ہے اور غریبی بھی اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے کیونکہ یہ ایسی دولت ہے جو ان ہزاروں گناہوں سے بچالیتی ہے جو دولت مند کرسکتا ہے، غریب نہیں کرسکتا۔ غریبی میں دولت مندی کی نسبت راحت وسکون زیادہ ہے۔ ہم نے غریبی بھی دیکھی ہے۔ الحمدللہ اس میں بڑی راحت ہے اور اللہ نے دنیا کی دولت بھی دی ہے، لیکن یہ بڑی پکی بات ہے اور زندگی کا تجربہ بھی ہے کہ غریبی میں سہولتیں زیادہ ہیں اور دولت میں دشمنیاں زیادہ ہیں۔

اللہ کی حاکمیت مان لینے میں ہی خیر ہے:

رہی یہ بات کہ اللہ اختیار نہ دیتا، اس نے ایسا کیوں کیا۔ فرمایا یہ سوال کرنے کی جرأت کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یقیناً دنیا، زمین وآسمان کائنات کی واحد ملکیت اور حکومت اللہ کریم کے پاس ہے کوئی اس میں شراکت دار نہیں، وہ اکیلا ہے، جیسا چاہے اس میں تصرف کرے۔ دنیوی حکمرانوں دولت مندوں سے لوگ ڈرتے ہیں حالانکہ ان کی حیثیت کیا ہے، ایک دانت میں درد ہوجائے تو چلانے لگتے ہیں، سر میں درد ہوجائے تو اسے ٹھیک نہیں کرسکتے۔ ہماری ہی طرح کے مجبور انسان ہیں، وہ اگر ان معمولی مسائل کے سامنے دم نہیں مار سکتے تو وہ جو ذرے ذرے کا خالق اور مالک ہے، کون ہے جو اعتراض کرے۔ کسی نے کائنات بنانے میں اس کی مدد کی ہے، کسی نے تخلیق میں اس کا ساتھ دیا؟ اس نے خود پسند فرمایا کہ اپنے بندوں کو معرفت کی استعداد دی اور سامنے امتحان رکھ دیا۔ اب کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا راستہ اختیار کیا جائے اور ساتھ استغفار بھی کیا جانا چاہیے کہ یا اللہ! مجھ سے اس کا حق ادا نہیں ہورہا لیکن میں کوشش کررہا ہوں کہ تیرے نبی ﷺ کی غلامی میں ہی جان دوں یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ فرمایا، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے جب وہ زندگی دیتا ہے تو اسے کون روک سکتا ہے؟ اور جب وہ موت بھیج دیتا ہے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ کائنات کا سارا نظام اس کے اپنے دستِ قدرت میں ہے۔ کوئی اسے سوال نہیں کرسکتا کہ اسے زندگی کیوں دی اور اسے موت کیوں دی؟ اس کی مخلوق ہے، وہ واحد حکمران ہے اور واحد خالق و مالک ہے جو چاہے کرے۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ اور لوگو! تم یہ بات خوب غور سے سن لو کہ خواہ تم ادھر

اُدھر دولت مندوں کے دروازوں پر جاؤ، بادشاہوں کے پاس جاؤ، دولت اکٹھی کرو، چوروں، فریبیوں سے دوستی بناؤ لیکن یاد رکھو، کوئی نہ تمہارا دوست بن سکے گا اور نہ تمہاری مدد کر سکے گا سوائے اللہ کریم کے۔ اللہ جس کو دوست رکھتا ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا دوست بن جاتا ہے اور جو اللہ سے دشمنی رکھتا ہے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ کی نافرمانی کی سزا سے تمہیں کوئی بچانے والا نہیں، سب وقتی آسرے ہیں۔ سب جھوٹی امیدیں ہیں، جھوٹی تسلیاں ہیں کہ فلاں میرے اس کام آئے گا، فلاں اس کام آئے گا، کسی نے کچھ نہیں کرنا، وہ وحدہ ولاشریک ہے جو ہر وقت، ہر جگہ، ہر مقام پر تمہاری مدد فرما سکتا ہے۔ اگر اللہ اور اس کے نبی ﷺ سے بگاڑ لو گے، تمہارے پلے کچھ نہیں رہے گا۔ عارضی طور پر اس نے خود مہلت دی ہوئی ہے جتنی کسی کو زندگی بخشی، اتنی دیر مہلت بھی ہے جب موت آتی ہے تو کافر اور مشرک کا اور جس کا کفر پہ خاتمہ ہوتا ہے، اسے کیا سزا ملتی ہے کہ اللہ کا نیک بندہ اس کے لیے دعا بھی نہیں کر سکتا، کوئی سفارش بھی نہیں کر سکتا۔ اس سب پر پابندی لگا دی تو پھر ان کو کیا ملا؟ سو اللہ کی حاکیت اعلیٰ کو ماننا چاہیے۔ یہ کائنات اس کی اپنی ہے جو چاہے کرے۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے استعدادِ معرفت بخشی اور اتنا کریم نبی ﷺ مبعوث فرمایا، جو رحمت للعالمین ہیں اور سارے جہانوں کے لیے اللہ کی رحمتِ مجسم ہیں بندہ خود نہ چھوڑے تو اس طرف کوئی چھوڑنے والا نہیں۔ اللہ کریم ہے اور اس کا نبی ﷺ بھی کریم ہے کسی نے بہت خوب کہا تھا

یا ربّ تو کریمی و رسولِ تو کریم

اے پروردگار تو بھی کریم ہے تیرا رسول ﷺ بھی کریم ہے۔

سد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

یہ تیرا بڑا انعام ہے کہ ہم دو کریم ہستیوں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے درمیان ہیں۔ ہاں! کوئی اپنی بدنصیبی سے نکل کر بھاگ جائے، کسی اور دروازے پر چلا جائے تو پھر اس کا کوئی دوست، کوئی مددگار نہیں ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ غزوہ تبوک کی بات چل رہی ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ منافقین نے تو بہانے بنائے اور جہاد میں شرکت سے رہ گئے کچھ مخلصین بھی محض سستی کی وجہ سے اور کچھ ایک دو تو اس طرح رہ گئے کہ خیر ہے میرے پاس اچھی سواری ہے، میں کل نکلوں گا تو قافلے کے ساتھ مل جاؤں گا۔ پرسوں نکلوں گا تو جا ملوں گا، اس طرح کرتے کچھ لوگ رہ گئے۔ اللہ کریم نے ان کا ذکر فرمایا ہے۔ ہوا یہ کہ جب حضور ﷺ واپس تشریف لائے تو منافقین نے تو بہت عذر معذرت پیش کی، اللہ نے

ان کی معذرت قبول نہ فرمائی اور فرمایا آئندہ تم کبھی جہاد کے لیے ساتھ نہ دینا، جو مخلصین رہ گئے تھے انہوں نے کوئی بہانہ نہ کیا، ان میں سے بعض کو یہ بھی مشورہ دیا گیا کہ آپ کسی بیماری کا، کسی بچے کی بیماری کا یا کسی مصروفیت کا بہانہ کر دیں لیکن انہوں نے کہا کہ وہ کوئی بہانہ نہیں کریں گے، غلطی تسلیم کریں گے کہ سستی ہوگئی، وقت پر نکل جانا چاہیے تھا۔ معافی چاہیں گے اور توبہ کریں گے۔ ایک صحابیؓ نے خود کو مسجد نبوی کے ستون سے بندھوالیا، جب نماز کا وقت ہوتا تو انہیں کھول دیتے، نماز ادا کرنے کے بعد پھر خود کو بندھوا لیتے تھے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہ اور ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ یہ تین حضرات ایسے تھے جن کا ذکر اس آیہ کریمہ میں ہو رہا ہے وہ بہت خصوصیت کے حامل تھے، یہ ایسے تھے کہ جنہوں نے خود کو ستون سے تو نہ بندھوایا لیکن اقرار کیا اور معذرت چاہی اور یہ وہ لوگ تھے جو مکہ مکرمہ میں بیعتِ عقبہ میں بھی موجود تھے۔ حضور ﷺ کو مدینہ منورہ تشریف لانے کی دعوت میں بھی شریک تھے اور تب سے غزوہ تبوک تک تمام جہادوں میں بھی شریک رہے اور مدینہ منورہ کے اہم لوگوں میں سے تھے۔ جب انہوں نے (رضی اللہ عنہم) نے اعتراف کرلیا تو حکم ہوا کہ مسلمان ان سے قطع تعلق کرلیں۔ یہ عالم ہوگیا کہ کوئی انہیں سلام کا جواب بھی نہ دیتا تھا، مسجدِ نبوی ﷺ میں تشریف لاتے تھے، نمازیں ادا کرتے تھے لیکن کوئی ان سے بات نہیں کرتا تھا۔ اس حالت میں چالیس دن گزر گئے اور دنیا اپنی ساری کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی، دو افراد تو بزرگ تھے لیکن حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ابھی جوان تھے، باہمت تھے، ایک غسانی سردار جو انہیں جانتا تھا اور قیصر کا دستِ راست تھا، اس نے اپنا قاصد خط دے کر بھیجا اور انہیں دعوت دی کہ سنا ہے آپ کے امیر نے، آپ کے نبی ﷺ نے آپ کو چھوڑ دیا ہے، آپ اگر میرے پاس آجائیں تو آپ کی بڑی عزت ہوگی اور قیصر بہت خوش ہوگا، انہوں نے وہ چٹھی پڑھ کر تنور میں جھونک دی اور قاصد سے کہا یہ تمہاری چٹھی کا جواب ہے خود بہت دکھی ہوئے کہ میں اتنا گر گیا ہوں کہ اب کافروں کو مجھ سے امیدیں ہونے لگی ہیں۔ چالیس دن کے بعد نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ ان کی بیویاں بھی ان سے الگ ہوجائیں اور ان کی خدمت کرنا چھوڑ دیں، ان سے بات کرنا چھوڑ دیں۔ دس دن مزید گزر گئے تو پچاس دن بعد یہ آیات نازل ہوئیں اور اللہ کریم نے فرمایا! لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ۙ۱۱۷

بے شک اللہ کریم نے پیغمبر ﷺ پر مہربانی فرمائی اور مہاجرین و انصار پر جنہوں نے اس تنگی کے وقت میں نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا حق ادا کیا حالانکہ عنقریب تھا کہ کچھ لوگوں کے دل پریشان ہوجاتے ان کے دلوں میں

تزلزل ہو چلا تھا یعنی منافقین کے پراپیگنڈہ، ان کی باتیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں لیکن یہ ایسا وقت ہے کہ پچھلے سال فصل نہیں ہوئی تھی، اس بار بڑی اچھی فصل ہے، بے شمار کھجوریں ہیں، گرمی بے پناہ ہے، سفر بہت لمبا ہے پھر قیصر کی فوجیں ہیں کسی معمولی شخص سے مقابلہ نہیں، کیا یہ ضروری ہے کہ جب قیصر نے ابھی تک ہم پر حملہ نہیں کیا، دھمکیاں دے رہا ہے اور ہم اس کے مقابلے کے لیے تین سو میل سفر کر کے جا بیٹھیں، اگر حملہ کرے گا تو دیکھی جائے گی، وغیرہ۔ تو فرمایا کچھ لوگوں کے دلوں پر اثر ہو چلا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مجلس، محفل اور لوگوں کی باتوں کا دلوں پر ضرور اثر ہوتا ہے ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ وہ اللہ کریم کے مخلص اور سچے خادم تھے، اس نسبت سے اللہ نے ان کے دلوں کو محفوظ فرمایا، ان پر اللہ نے مہربانی فرمائی کہ وہ اثر زائل کر دیا اور انکے قلوب کو مستحکم کر دیا۔ توبہ یا توبوا جہاں بھی آتا ہے، جب اس کا اشارہ انسان کی طرف ہوتا ہے، بندے کی طرف ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ کریم کی طرف رجوع کرنا لیکن جب ''تَابَ''، مشارٌ علیہ ذاتِ باری ہوتی ہے تو اس کا معنیٰ اللہ کی شان کے مطابق ہوتا ہے، کرم فرمانا، معاف کر دینا، مہربانی فرمانا، یہاں یہ ہی ترجمہ کیا گیا ہے کہ بیشک اللہ نے کرم و مہربانی فرمائی یعنی یہ اللہ کا خصوصی کرم تھا ان صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین رضی اللہ عنہم) پر کہ اس نے ان کے دلوں پر پراپیگنڈے کا اثر نہیں ہونے دیا، ان کے دلوں کو قوت بخشی ورنہ کچھ لوگوں پر ایک حد تک اثر ہو چلا تھا۔ اللہ کریم نے انہیں کیوں بچالیا اور ان پر کرم کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ تھے، مہاجرینؓ اور انصارؓ تھے جنہوں نے ہر مشکل میں حضور ﷺ کی خدمت انجام دی اور ہمرکاب رہے، جانیں دیں، بیٹے اور بھائی قربان کیے، گھر بانٹ دیے، سینے کھول دیے، اگر مہاجرین نے گھر قربان کر دیے تو انصار نے اپنے دروازے کھول دیے، وہ جان نثار لوگ تھے۔ نبی ﷺ سے ان کی نسبت اتنی مضبوط تھی کہ اللہ نے ان کے دلوں کی حفاظت فرمائی اس لیے کہ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ خاص ان لوگوں پر اللہ کریم بلاشبہ بہت زیادہ شفیق اور بے پناہ مہربان ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کے خادم ہیں جنہوں نے تنگی کے زمانے میں میرے نبی ﷺ کی غلامی کا حق ادا کر دیا، اللہ نے ان کو اپنے نبی ﷺ کے ساتھ وابستہ رکھا۔ یاد رہے کوئی بندہ حفاظتِ الٰہیہ کے بغیر نہیں جی سکتا۔ دنیا میں کوئی ایسا فرد نہیں ہے جس کی اللہ حفاظت نہ فرمائے اور وہ اپنی حفاظت آپ کر سکے، یہ ممکن نہیں ہے اور حفاظتِ الٰہیہ نصیب ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے۔ صمیم قلب سے حضور ﷺ کا اتباع چاہیے، حضور ﷺ کی غلامی چاہیے، اس کو سیکھے، اس پر عمل کرے۔ صدقِ دل سے حضور ﷺ کی ذاتِ عالی کی طلب ہو اور اتباعِ رسالت ﷺ نصیب ہو، حضور ﷺ کا ساتھ دے۔ زمانے میں کتنی تبدیلیاں آئیں، کہیں سے دولت ملنے کی امید ہو یا فاقہ کشی کا ڈر ہو ہر حال میں اتباعِ رسالت ﷺ کو مقدم رکھے اور اسی کو

اولیت دے تو پھر اللہ کریم اس کے دل کی حفاظت فرماتے ہیں۔اس لیے کہ ایسے لوگوں سے جو میرے نبی ﷺ کے وفادار ہیں، اللہ کریم بھی بڑے شفیق اور بڑے مہربان ہیں۔تو اللہ کریم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں کو متزلزل ہونے سے بچالیا۔

بُری صحبت کا اثر:

اگر غلط لوگوں کی باتوں کا اثر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے دل پر ہوسکتا ہے اور اللہ کریم خاص کرم کر کے نہ بچائیں تو وہ متزلزل ہوسکتا ہے تو پھر ماوشما کی حقیقت کیا ہے جبکہ صحابی رضی اللہ عنہ کا مقام یہ ہے کہ اگر دنیا کے سارے لوگ ولی اللہ ہوجائیں اور ولایت کا اعلیٰ مقام پالیں، سب کی ولایت جمع کی جائے تو تبع تابعین کی خاکِ پا کو نہیں پہنچ سکتے، تبع تابعی سے اوپر تابعین کا مقام ہے، جہاں تابعین کی عظمتیں ختم ہوتی ہیں وہاں سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمتوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ براہ راست شمسِ نبوت سے تجلیات وصول کرنے والے، جنہوں نے براہ راست نبی کریم ﷺ سے قرآن مجید بھی سنا، حدیث پاک بھی سنی لیکن انسانی خصوصیات ساتھ رہتی ہیں۔ اگرچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی فحش مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے نہ اس زمانے میں مسلمانوں میں کوئی بری مجلس ہوتی تھی نہ فضول مجلس ہوتی تھی، صرف منافقین کی باتیں سنیں تو قریب تھا کہ ان کے دل متزلزل ہوجاتے لیکن اللہ نے اپنے کرم سے انہیں بچالیا۔ اگر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے دل پر غلط لوگوں کی باتوں کا اثر ہوسکتا ہے تو پھر ماوشما کا کیا کہنا۔ ہماری بیشتر گمراہی کا سبب یہی مجالس ہیں۔ ہمیں گمراہ کرنے کا ایک سبب تو ہمارا آج کا میڈیا ہے جس پر سارا دن فحش کلامی، بدکلامی ہوتی ہے، ہر برائی خبر بن جاتی ہے، کوئی نیکی خبر نہیں بنتی پھر ہماری محفلیں اور خصوصاً یہ ہوٹلوں کی محفلیں، لوگوں کی فضول مجالس پھر ان میں تاش وغیرہ اور اس طرح کی لغو کھیلیں۔ ساری دنیا کے جھوٹ اکٹھے کرنا اور ساری دنیا کی خرافات سننا ہے۔ آپ ﷺ کی ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ بندے کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے بلاتحقیق آگے بتادے، جو سنے اس کی تحقیق نہ کرے اور اسے آگے بتادے۔ فرمایا، كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (صحیح مسلم) اوکما قال رسول اللہ ﷺ کہ بندے کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جو بات اس نے سنی وہ آگے نقل کردی، یہ نہیں سوچا کہ یہ سچ ہے یا جھوٹ یا میں اسے آگے کیوں بیان کررہا ہوں تو سارا دن ہم جھوٹ سنتے ہیں، دکانوں پر جاتے ہیں تو

جھوٹ بولا جاتا ہے۔ایک چیز کی قیمت پانچ سو بتائی جاتی ہے پھر وہ دو سو پہ فروخت کر دی جاتی ہے۔ ہم خود اگلے کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں، دل میں کچھ اور ہوتا ہے، زبان سے کچھ اور کہتے ہیں، جن محافل میں بیٹھتے ہیں، خرافات، بیہودہ باتیں اور جھوٹ سنتے ہیں۔ میڈیا ہمارے کمروں تک گھس گیا ہے اور یہ سارا دن، ساری رات چوبیس گھنٹے چلتا ہے اور رہی سہی کسر یہ نکال دیتا ہے۔اب اس سارے معاملے میں دل کو سلامت رکھنا آسان نہیں رہا۔

مجھے کسی ساتھی کی ای۔میل آئی کہ ذکر بھی باقاعدگی سے کرتا ہوں، مراقبات بھی کرتا ہوں لیکن دل میں مایوسی بھی ہے، بُرے خیالات آتے ہیں نمازیں پوری توجہ سے ادا نہیں کر سکتا۔ ڈراؤنے خواب آتے ہیں، تو میں نے اسے سادہ سا جواب لکھا، میں نے کہا، دو باتیں یاد رکھو، اپنے اذکار میں باقاعدگی پیدا کرو اور فضول مجالس چھوڑ دو۔ یہ بیماری کی علامات نہیں جو تم بتا رہے ہو، یہ وہ علامتیں ہیں جو یاوہ گوئی سننے سے پیدا ہوتی ہیں۔آپ نے پندرہ منٹ، آدھا گھنٹہ ذکر کر لیا، آدھا گھنٹہ صبح، آدھا گھنٹہ شام کر لیا، ایک گھنٹہ ذکر ہو گیا اور تیئس گھنٹے خرافات سنتے رہے تو قلب کا کیا حال ہوگا۔آدھا گھنٹہ تو آپ نے صابن لگایا، پانی لگایا، دھونے کی کوشش کی اور تیس گھنٹے کیچڑ میں رگیدتے رہے تو وہ صاف ہوگا یا میلا ہوگا۔انسانی زندگی کا حال اللہ کریم کو معلوم ہے، کسی کے پاس کوئی سند نہیں کہ وہ کب تک جیے گا، کسی بھی لمحے یہ ڈور ٹوٹ سکتی ہے تو گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ اپنے قلب کی حفاظت کریں، فضول مجالس اور ہوٹلوں پر بیٹھنے سے اجتناب کریں، غیر ضروری باتوں سے اجتناب کریں اور جو کہیں وہ حق کہیں، جو سنیں وہ حق سنیں اور اذکار پر محنت کریں۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو وہ لوگ تھے جو شمسِ نبوت کے روبرو تھے اور ہم پندرہ سو سال دور بیٹھے ہیں۔زمانہ اور بُعدِ زمانہ بہت اثر ڈالتا ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

دخل الزمان بنا و فرق بیننا

ان الزمان مفرق الاحباب

ہمارے درمیان زمانہ در آیا اور اس نے ہمیں الگ کر دیا۔بے شک زمانہ دوستوں کو دوستوں سے الگ کر دیتا ہے۔بڑے بڑے عزیز زمانے کی دوری میں گم ہو جاتے ہیں، پندرہ سو سال بعد دل کا رشتہ محمد رسول ﷺ کی ذاتِ عالی سے استوار رکھنا بغیر اللہ کریم کی مہربانی کے ممکن نہیں۔اس لیے اللہ کا خصوصی کرم چاہیے اور وہ کرم کیا ہوتا ہے؟ ارشادِ باری ہے! وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ:13) اس آیت کے تحت مفسرین لکھتے ہیں کہ جس دل میں اللہ کی طلب خلوص سے پیدا ہو، اس کے لیے ایسے اسباب بنا دیتا ہے، اسے اپنے ایسے بندوں کے پاس پہنچا دیتا ہے جو خلوص سے اللہ

اللہ کرنے والے ہوں اور وہ اس کی راہنمائی کا سبب بن جائیں۔ اللہ کا کرم ہے کہ کوئی شیخ کامل نصیب ہو جائے جو صاحبِ حال، صاحبِ کیفیات ہو اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ آگے دے بھی سکتا ہو۔ مولانا رومی نے کہا تھا۔

چنی مرد کہ یابی خاکِ او شو

اسیر حلقۂ فتراک او شو

اگر ایسا بندہ مل جائے تو اس کے قدموں کی خاک بن جا اور اس کے جوتوں سے لپٹ جا پھر اس کا ساتھ مت چھوڑ۔ بے شمار نقلی دکانیں ہوتی ہیں، جتنی کوئی قیمتی چیز ہوتی ہے اتنی اس کی نقل بازار میں آجاتی ہے تو یہ تصوف اور کیفیاتِ قلبی بہت قیمتی چیزیں ہیں۔ ان کی نقل بھی بڑی ہے وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مکن باصوفیان خام یاری

کہ باخاماں نباشی خام کاری

کچے صوفیوں سے اور نام نہاد صوفی سے دوستی نہ کرنا کہ ان کے ساتھ مل کر تو بھی خام کار، ادھورے کام کرنے والا ہو جائے گا۔

طریق پختہ کاری رانہ دانم

نجامی میوہ از باغ آمد خوش آنند

پختہ کاری پکانے کا سلیقہ تو انہیں آتا نہیں، تمہارے دل کے باغ سے کچے میوے توڑ لیں گے۔

و آں مے آواز اصل خویش چیدہ

بماند تا قیامت نہ رسیدہ

اور جو پھل اپنی اصل سے کچا توڑ لیا جائے پھر وہ قیامت تک پکتا نہیں ہے پھر وہ کچا ہی رہ جاتا ہے، کچا ہی سوکھ جاتا ہے۔ پھر آگے شیخ کی تعریف کرتے ہیں کہ شیخ ایسا ہو جو دل کو تجلیاتِ باری کا مرکز بنا دے اور دل میں وہ انوارات آئیں جو اعضاء و جوارح کو اتباعِ رسالت ﷺ پر مضبوط کریں۔ اگر کوئی ایسا بندہ مل جائے جس سے دل میں کیفیات بھی آئیں، علمِ شریعت بھی نصیب ہو اور شریعت کا اتباع بھی نصیب ہو تو

چنی مرد کہ یابی خاک اوشو

ایسا بندہ مل جائے تو اس کے قدموں کی خاک بن جا

اسیر حلقہء فتراک او شو

پھر اس کے جوتوں کے تسموں کا قیدی ہو جاؤ، اس کے قدموں میں ہی بیٹھے رہو۔ تو میرے بھائی یہ آیت بتا رہی ہے کہ محافل ومجالس کا اثر قلوب پر کتنا ہوتا ہے اور جو باتیں ہم سنتے ہیں ہم تو کہتے ہیں، چلو تھوڑی دیر گپ لگا لیں لیکن یہ گپ دل میں خنجر بن کر اتر جاتی ہے۔

فرمایا، وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا اور وہ تین مرد جو پیچھے رہ گئے تھے، جن کے اسمائے گرامی کا ذکر گزر چکا، ان سے سب نے مقاطع کر لیا، ان سے بیبیاں بھی الگ کر دی گئیں، ان میں سے ایک بہت ضعیف تھے ان کی اہلیہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا، حضور ﷺ! وہ تو خود پانی ڈال کر بھی نہیں پی سکتے، ہاتھوں میں بھی لرزا ہے، وجود میں بھی لرزا ہے، ضعیف ہو چکے ہیں، کھانے پینے کا انتظام خود نہیں کر سکتے، مجھے اجازت دیں، میں انہیں کم از کم کھانا پانی دے سکوں۔ آپ ﷺ نے اس مجبوری میں کھانا پانی دینے کی اجازت عطا فرما دی لیکن فرمایا نہ ان سے بات کرنا، نہ ان کے ساتھ بیٹھنا اور نہ ان سے کوئی تعلق رکھنا۔ اس حال میں پچاس دن گزر گئے اللہ کریم فرماتے ہیں! حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی، زندگی دشوار ہو گئی لیکن ان کی استقامت دیکھیے، سب کے باوجود ذاتِ اقدس پیغمبر ﷺ سے وابستہ رہے، دین سے وابستہ رہے، کوئی نماز قضا نہیں کی، کوئی عبادت نہیں چھوڑی وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ حتی کہ ان کے لیے تو اپنی جانیں، اپنی زندگی بھی بوجھ بن گئی تھی کہ اس طرح کیا جینا اس سے تو موت آ جائے۔ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے چھڑانے والا کوئی نہیں سوائے اس کی اپنی ذات کے۔ وہ خود ہی معاف فرمائے تو فرمائے وہاں کوئی دم نہیں مار سکتا۔ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ یقیناً اللہ ہی توبہ قبول کرنے والے ہیں اور رحم کرنے والے ہیں، کوئی کہیں بھی پہنچ چکا ہے، جس حال کو بھی پہنچ چکا ہے، اس کا علاج توبہ ہی ہے، اللہ کی بارگاہ میں توبہ ہے اور توبہ صرف زبانی نہیں ہوتی، توبہ دل کا عمل ہے کہ گناہ سے دل میں شرمندگی بھی ہو اور آئندہ نافرمانی کو چھوڑ کر اطاعت کا راستہ اختیار کر لے۔ توبہ ایک انقلاب ہے کہ زندگی کو، زندگی کی راہوں کو بدل دے، تو فرمایا کوئی جب بھی جہاں بھی توبہ کرتا ہے تو اللہ کریم ہی کی شان ہے کہ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور اس پر رحم فرماتے ہیں۔ اللہ کریم ہم سب کو توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

سورۃ التوبہ رکوع 15 آیات 119 تا 122

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ
الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا
يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ
وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ
مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا
اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ
الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ
لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ
يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کا ساتھ دو (کے ساتھ رہو ﴿۱۱۹﴾ مدینہ کے رہنے
والوں اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش رہتے ہیں کو زیبا نہ تھا کہ اللہ کے پیغمبر سے
پیچھے رہ جائیں (ساتھ نہ دیں) اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں
یہ اس لیے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی یا بھوک کی یا
وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ کافروں کو غصہ آئے یا دشمنوں کی کوئی خبر لیتے ہیں مگر اس کے
بدلے ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے یقیناً اللہ خلوص سے نیکی کرنے والوں کا اجر

ضائع نہیں فرماتے ﴿۱۲۰﴾ اور جو خرچ کرتے ہیں تھوڑا یا بہت یا جتنے میدان ان کو طے کرنا پڑے تو یہ سب ان کے لیے (نیک عمل) لکھ لیا جاتا ہے تا کہ اللہ ان کو سب کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دیں ﴿۱۲۱﴾ اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب ہی نکل کھڑے ہوں تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر جماعت سے کچھ نہ کچھ لوگ نکل جاتے تا کہ دین کا علم سیکھتے (اس میں سمجھ پیدا کرتے) اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو (انجام بد سے) ڈراتے تا کہ وہ (برائی سے) بچتے ﴿۱۲۲﴾

تفسیر ومعارف

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ ایمان لانے والوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ سے تقویٰ کا تعلق رکھو۔ اتَّقُوا اللّٰهَ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ نور ایمان سے جو رشتہ ذات باری سے استوار ہوتا ہے۔ اللہ کی توحید پر اس کی عظمت پر ایمان لانے سے اللہ کریم کے ساتھ جو تعلق بنتا ہے اس تعلق کو زندگی کے ہر معاملے میں مدنظر رکھو۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اردو میں تو یہ مجبوری ہے کہ کوئی متبادل لفظ نہیں ہے اس لیے اس کا ترجمہ ڈر لکھ دیا جاتا ہے۔ اتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈرو۔ لیکن یہ ڈر ایک خاص قسم کا ڈر ہوتا ہے آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ رشتہء الفت کے ٹوٹنے کا ڈر ہے۔ تعلق باللہ میں دراڑ آنے کا ڈر ہے کہ میرا جو تعلق اللہ جل شانہٗ سے قائم ہوا ہے اس میں کہیں بال نہ آ جائے ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکل جائے جس سے اس تعلق پر حرف آتا ہو۔ کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھوں جس سے وہ تعلق کمزور ہوتا ہو یہ ہے تقویٰ۔

اس اندیشے سے کیسے بچا جا سکتا ہے فرمایا كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچے اور کھرے لوگوں کا ساتھ دو یہاں كُوْنُوْا مَعَ الصّٰلِحِیْنَ بھی نہیں فرمایا کہ نیک لوگوں کے ساتھ رہو کہ ہو سکتا ہے کوئی آدمی بظاہر بہت عبادت گزار ہو، نیک ہو، بہت محنت کرتا ہو لیکن شاید وہ اپنی نیکی کے گھمنڈ میں ہو۔ مقصود یہ ہے کہ صرف ظاہری حالت کھری نہ ہو بلکہ صادق بھی ہو۔ عارفین وہ ہیں جن کا ظاہر بھی سچا ہو اور باطن بھی سچا ہو۔ جن کی باتیں بھی حق کی باتیں ہوں جن کا کردار بھی حق کا اتباع ہو اور جن کے دل بھی ذات باری کے نور سے منور ہوں جن کا باطن بھی روشن ہو وہ صادقین ہیں۔ صالحین میں تو ہر نیک عمل کرنے والا بندہ شامل ہوگا ہم کسی کا دل تو نہیں چیر کر دیکھ سکتے لیکن صادقین وہ ہیں جو ظاہر و باطن میں کامل ہیں۔ اس آیہ کریمہ کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں۔ تو اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو

یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو ظاہر و باطن میں کھرے ہوں سچے ہوں جن کی زبان بھی حق بیان کرتی ہو، جن کا کردار بھی حق کے تابع ہو اور جن کا باطن بھی روشن ہو، ضمیر بھی روشن ہو، دل بھی ذاکر ہو سینہ بھی منور ہو، جو ہر طرح سے سچے ہوں ان کے ساتھ رہو کہ ان کی مجلس میں تمہارے دل بھی روشن ہوں گے، سینے روشن ہوں گے، کردار صحیح ہوگا، علم، صحیح تم تک پہنچے گا۔ دوسرے لفظوں میں بدکرداروں اور بدکاروں کی محفل میں رہنے سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ جب یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ تو ازخود واضح ہو گیا کہ کاذبین یعنی جھوٹوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ انسان جس صحبت میں بیٹھتا ہے اس کا اثر قبول کرتا ہے۔ اس کی عادات اور مزاج قبول کرتا ہے۔ تو برے لوگوں کی صحبت سے بچو، بے حیا لوگوں کی صحبت سے بچو، بے دین لوگوں کی صحبت سے بچو کہ ان کے مزاج تمہارے مزاجوں کو بھی خراب کرنے کا سبب نہ بن جائیں۔ انبیا کے بعد بہترین لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور اگر صحابہ کرامؓ کے قلوب متاثر ہو سکتے ہیں حالانکہ انہیں رفاقت پیغمبر ﷺ حاصل تھی۔ پہلے گزر چکا کہ کچھ لوگوں کے دل متزلزل ہوئے لیکن اللہ نے انہیں سنبھال لیا اس لیے کہ وہ صحابہ کرامؓ تھے انہیں رسول ﷺ کی رفاقت نصیب تھی اس لیے ان پر غالب اثر صحبت پیغمبر ﷺ کا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کا کوئی دلی تعلق منافقین سے نہیں تھا۔ چونکہ وہ بھی ساتھ رہتے تھے تو رواروی میں ان کے پاس بھی کبھی بیٹھ جاتے یا ان کی بات بھی سن لیتے۔ قلبی تعلق ان کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا اور جو سچے اور کھرے لوگ تھے ان کے ساتھ تھا۔ تو اس ماحول میں جس میں صحبتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو رفاقت صحابہ کرامؓ حاصل ہو اس میں بھی اگر بدکاروں بے دینوں اور منافقین کے ساتھ بیٹھا جائے تو خطرہ ہے کہ نورِ ایمان پر کوئی ڈاکہ نہ پڑ جائے۔ ایمان باللہ خراب نہ ہو جائے تو پھر آج پندرہ سو سال بعد اندازہ کیجیے کہ قوم کی اکثریت کا وقت بازاروں اور ہوٹلوں میں بسر ہوتا ہے۔ بے دین لوگوں کے ساتھ گپ شپ میں تاش وغیرہ کھیلنے میں اور اسی طرح کی بازیاں لگانے اور فضول باتوں میں خرچ ہوتا ہے ان سب باتوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندے کا اپنا جو قلبی تعلق اللہ کے ساتھ اور اللہ کے حبیب ﷺ کے ساتھ ہے وہ کمزور ہوتا رہتا ہے جب وہ تعلق کمزور ہوتا ہے تو نمازیں بھی چھوٹنے لگتی ہیں۔ عبادات میں کمی آنے لگ جاتی ہے۔ پھر بندہ ناجائز چیزیں، ناروا چیزیں بلا امتیاز حلال حرام کھانے لگ جاتا ہے اور یوں رحمت الٰہی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے تو فرمایا اپنی محفل اپنی مجلس کا بھی اہتمام رکھو۔ اچھے لوگوں کے ساتھ بیٹھو اچھی باتیں سنو اچھے کام کرو۔ ہمارا تو حال یہ ہے کہ ہم چار سکوں کے لیے دنیا کی روٹی روزی کے لیے بدترین کافروں کے ممالک میں بھی دوڑے جا رہے ہیں۔ برطانیہ، امریکہ، یورپ کا کوئی بھی ملک ویزے کھول دے تو آج پاکستان میں تو کوئی بھی نہ رہے۔ علماءِ حق فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ کافر معاشرے میں جا سکتے

ہیں جو اتنے مضبوط ہوں کہ ان کے ساتھ کوئی کافر ایمان لے آئے لیکن وہ کسی کافر سے متاثر ہو کر دین چھوڑنے والے نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کے لیے جانا ضروری ہے لیکن ایسے لوگ جو وہاں جا کر اس معاشرے سے متاثر ہو کر اپنا دین چھوڑ بیٹھیں ان کے لیے جانا حرام ہے۔ اب جانے والے خود دیکھ لیں کہ ان میں کتنی قوت ہے کتنا وہ اس پر ٹھہر سکتے ہیں اور کتنا وہ اپنے ایمان کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص اس کافر معاشرے میں ہے جس کی وجہ سے کوئی کافر مسلمان ہو تو ہو وہ اسلام کا دامن نہیں چھوڑتا تو یہ جہاد ہے۔ لیکن اگر ایسا شخص جائے جو اسی معاشرے میں گم ہو جائے تو یہ خودکشی ہے۔

کھرے لوگوں کی صحبت اختیار کرو:

اور وہ انوارات نہ آئیں تو پھر پڑھتا بھی رہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سو فرمایا کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچے لوگوں کا ساتھ اختیار کرو سچی باتیں سنا کرو سچ کہا کرو۔ اسی لیے تصوف کے قاعدوں میں ایک قاعدہ یہ بھی ہے فرماتے ہیں سگِ حضوری بہ از ملک، دُوری ہر وقت حاضر خدمت رہنے والا کتا بھی دور رہنے والے فرشتے سے زیادہ کیفیات پالیتا ہے۔ یعنی اگر آدمی کے اعمال کم بھی ہوں لیکن شیخ کی صحبت نصیب ہو، توجہ ملتی رہے، باتیں سنتا رہے تو دور رہ کر جو مجاہدہ کر رہا ہے اس سے زیادہ برکات بھی حاصل کر لیتا ہے تو فرمایا سچوں کا، نیک لوگوں کا، ان لوگوں کا ساتھ دو جو تمہیں اللہ کی باتیں سنائیں، اللہ کے رسول ﷺ کی باتیں سنائیں۔ ان لوگوں کا ساتھ دو جو تمہیں حقیقی زندگی سے آشنا کریں جو تمہیں آخرت کے نفع و نقصان کی باتیں سنائیں جو تمہیں بہتری کی طرف لے کر جائیں ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ دو جو محض لوگوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں کسی کو گالیاں دیتے ہیں، فواحشات بکتے ہیں، گانے بجانے کرتے ہیں، شور و غوغا کرتے ہیں۔

اور اب اس تناظر میں ہماری آج کی زندگی اور ہماری آنے والی نسلوں کا مستقبل دیکھیے ہم کیا کر رہے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے کہ ریڈیو، ٹی وی کے پروگراموں کی ابتداء تلاوت قرآن حکیم سے کی جاتی ہے۔ ٹی وی کے پروگراموں میں شامل ہونے والے سوال کا جواب بعد میں دیتے ہیں بسم اللہ پہلے پڑھتے ہیں اور بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کر کے جہان بھر کا جھوٹ بولتے ہیں ایک دوسرے پر وہ الزام تراشی کرتے ہیں، حتیٰ کہ فحش کلامی پر اتر آتے ہیں اور ایک دوسرے کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے ہمارے بازاروں میں جھوٹ، ہوٹلوں میں جھوٹ، مجالس میں جھوٹ، رشتے داریوں برادریوں میں جھوٹ اور گھر کے بیڈروم کے اندر بھی ایک آلہ گھس گیا ہے جو سارا دن جھوٹ بولتا ہے۔ اتنا جھوٹ سننے کے بعد انسان کے دل کا کیا عالم ہوگا۔ اللہ کریم ہی ہماری

حفاظت فرمائیں اوران مصیبتوں سے بچائیں اور ہدایت پر قائم کریں استقامت عطا فرمائیں۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ فرمایا مدینہ اوراردگرد کے دیہاتیوں کو جوایمان لا چکے ہیں ان کو تو یہ زیب ہی نہیں دیتا تھا کہ نبی کریم ﷺ جہاد پر روانہ ہوں اوروہ پیچھے رہ جائیں۔ یہ بات پہلے گزر بھی چکی۔ جہاد کی کئی صورتیں ہیں۔ علماء حق نے مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں کہیں مسلمانوں پر یا ریاست اسلامی پر زد پڑتی ہے تو اس کا دفاع مسلمانوں پر فرض ہوجاتا ہے اوروہ جہاد ہے اور وہ فرض عین ہے تب تک فرض عین ہے جب تک اتنے لوگ اس میں شامل نہ ہوجائیں جو اس کے لیے کافی ہوں۔ اگر اتنے بندے جمع ہو گئے جو اس جہاد کے لیے کافی ہیں تو پھر باقیوں کے لیے فرض کفایہ ہوجاتا ہے۔ فرض کفایہ یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ وہ فرض ادا کردیں تو باقیوں کی طرف سے بھی کفایت کرتا ہے لیکن اگران کے بس کی بات نہ ہو، ان سے بات بڑھ جائے تو جو قریب ہیں ان پر فرض ہوجاتا ہے ان سے بھی بات بڑھ جائے تو جواور قریب ہیں ان پر فرض ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہوسکتا ہے کہ جہاد دنیا بھر کے مسلمانوں پر بیک وقت فرض ہوجائے۔ تو اس میں جہاں یہ فرضِ کفایہ ہے وہاں تو یہ گزارا ہوجاتا ہے کہ جتنے لوگ کفایت کرتے ہوں وہ جمع ہوئے باقیوں کے لیے فرضِ کفایہ ہے لیکن ایک صورت اس کی یہ ہے کہ جب امیر ریاست اسلامی اعلان جہاد عام کردے تو پھر سب پر فرض ہوجاتا ہے یہ جو غزوۂ تبوک تھا اس میں نبی ﷺ نے اعلانِ عام فرمایا تھا کہ سب نکلو۔ تو جو جہاد کے قابل ہی نہ تھے جو بیمار تھے یا جن کے پاس سواری نہیں تھی یا عذر شرعی تھا ان کے علاوہ مدینہ منورہ میں اوراس کے آس پاس جو آبادیاں تھیں ان سب پر فرضِ عین تھا۔ قاضی ثناء پانی پتی ؒ نے اپنی عظیم الشان تفسیر، تفسیر مظہری، کی چوتھی جلد میں ان فرائض پر بحث کرتے ہوئے اسی جگہ لکھا ہے کہ ذکرِ قلبی بھی تمام مسلمان مردوعورتوں پر فرض عین ہے اور بڑے پرزور طریقے سے لکھا ہے کوئی معذرت خواہانہ انداز نہیں ہے اوراس پر دلائل دیئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عبادت کے لیے خلوص شرط ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد کہ اللہ کریم تمہاری نیتوں کو دیکھتے ہیں انما الاعمال بالنیات اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔ تو فرماتے ہیں نیت کی اصلاح تب ہوتی ہے جب قلوب ذاکر ہوں۔ خلوص تب پیدا ہوتا ہے جب قلب ذاکر ہو اوراگر ذکر قلبی نصیب ہوجائے تو یہ فرض عین ہے اور کسی کو کوئی ایسی ہستی ساری زندگی نہ ملے جو اس کے قلب کو ذاکر کر سکے تو ساری زندگی اس کے لیے تلاش فرضِ عین ہے کہ جستجو میں رہے تو فرمایا اہلِ مدینہ اوراردگرد کے جو دیہاتی لوگ ہیں ان کو تو یہ زیبا ہی نہ تھا کہ یہ پیچھے رہ جاتے اور یہ کیا بات ہوئی وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ اپنی جانوں کو نبی کریم ﷺ کی جانِ پاک سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں یہ تو کسی مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی جان کو

حضور ﷺ کی جان سے زیادہ عزیز رکھے جب حضور ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں تو پھر خطرہ کیسا۔ اور پھر فرمایا اس میں ایک اور بات حضور اکرم ﷺ کی رفاقت ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہ آپ ﷺ ہم رکاب ہوں آپ ﷺ کے اتباع میں آپ ﷺ کے حکم کے مطابق کام کرنا، آپ ﷺ کے ساتھ جا کر جان دینا، مال دینا، خرچ کرنا یہ تو وہ عبادت ہے جو مقبول ہو چکی۔ جتنی عبادات ہم کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ اللہ قبول فرمائیں گے لیکن ہمارے پاس اس کی قبولیت کی کوئی سند نہیں ہے قبر میں جا کر یا میدان حشر میں جا کر پتہ چلے گا کہ ہماری عبادتیں قبول بھی ہوئی ہیں کہ رد ہو گئی ہیں لیکن جو لوگ حضور ﷺ کی خدمت عالی میں کام کرتے ہیں انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے یا بھوک پیاس ستاتی ہے یا مشقت کرنا پڑتی ہے، محنت کرنا پڑتی ہے یا دور دراز جا کر دشمن افواج کی کارروائیوں کی خبریں لانا ہوتی ہیں، کفار کی کارروائیوں کی خبریں حضور اکرم ﷺ تک پہنچانے کے لیے مشکل اور دشوار سفر کرنے پڑتے ہیں۔ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ یعنی دنیوی زندگی کے اعتبار سے یہ عرصہ صرف تئیس برس ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی حیات دنیاوی میں جو عرصہ حیات نبوت کا ہے اعلان نبوت سے لے کر وصال نبوی تک ان تئیس برسوں میں جس نے جتنا ساتھ دیا۔ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق عبادت کی حضور ﷺ کا ساتھ دیا سفر حضر میں ساتھ رہا یا حضور ﷺ کے ساتھ جہاد پر گیا یا بھوک پیاس کاٹی یا دشمن کو للکارا اور دشمن کفار ناخوش ہوئے یا سفر کیا یا جان دی یا مال خرچ کیا تو فرمایا یہ تو وہ نیکی ہے جو مقبول و منظور ہو چکی۔ سبحان اللہ! کیا دور تھا کہ حضور ﷺ کے اتباع میں جو نیکی کی جاتی ہے اس کی تو قبولیت کی سند قرآن کریم میں آ گئی کہ جو کچھ یہ کرتے اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ان کے ان کاموں کو نیک اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے یعنی وہ عبادت قبول ہو جاتی ہے پھر بھی اگر کوئی پیچھے رہ جائے تو پھر اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہوگی اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ یقیناً اللہ خلوص دل سے نیکی کرنے والوں کا عمل ضائع نہیں فرماتے۔

وصال نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تین زمانے تھے جن کو حضور ﷺ نے بہترین زمانے قرار دیا اور ان کے خیر ہونے کی شہادت دی۔ مشھود لھا بالخیر جن کو خیر کی شہادت سے نوازا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (البخاری) تین زمانے بہترین ہیں۔ میرا زمانہ، پھر اس کے ساتھ کا زمانہ، پھر اس کے ساتھ کا زمانہ۔ تو تبع تابعین تک یہ تین زمانے متصل ہیں۔ صحابہؓ کا زمانہ حضور ﷺ کے زمانے میں مدغم ہے۔ حضور ﷺ کا زمانہ عالی، پھر اس کے ساتھ خلافت راشدہ، تابعین اور تبع تابعین تک یہ تین زمانے خیر القرون ہیں۔ بہترین زمانے ہیں لیکن ان باقی زمانوں میں بھی کسی کے عمل کی قبولیت کی سند نہیں

دی گئی۔ قبولیت کی سند صرف حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالی میں آپ ﷺ کے ساتھ کام کرنے میں دی گئی اور پھر قیامت تک یہ شرط عام کر دی گئی کہ قیامت تک جو خلوص دل سے میرے نبی ﷺ کی اطاعت میں کام کرے گا میرے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق خلوص دل سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے کرے گا اللہ اس کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا اللہ اس کو اجر عطا فرمائے گا۔ بندے کا کام اس کی حیثیت کے مطابق ہوگا اللہ کا انعام اللہ کی شان کے مطابق ہوگا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ اور یہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تھوڑا ہو یا زیادہ حضور ﷺ کے ہمرکاب ہو کر کوئی سفر کرتے ہیں، کوئی فاصلہ طے کرتے ہیں، ان سب میں ان کا ہر قدم چلنا، ان کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، ان کی جان، ان کا مال جو راہِ حق میں حضور ﷺ کے ساتھ قربان ہوتا ہے فرمایا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ اللہ کریم وہ سارا ان کے لیے لکھ لیتے ہیں لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تا کہ جو کام انہوں نے کیا ہے اللہ ان کو اس سے بہت زیادہ احسن، بہت زیادہ بہتر، بہت زیادہ بڑا بدلہ عطا فرمائے۔ یعنی بندے کا کام اپنی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے، اللہ کا انعام اس کی اپنی شان کے مطابق ہوتا ہے تو کیا عجیب زمانہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی رفاقت میں جنہوں نے جو عمل کیے وہ مقبول بھی ہو گئے ان کی مقبولیت کی سند بھی قرآن میں آ گئی۔

اللہ کا ایک بہت بڑا احسان اور بھی ہے کہ جن لوگوں نے حضور ﷺ کا زمانہء مبارک نہیں پایا، جو صدیوں بعد میں آئے جو قیامت تک آئیں گے انہوں نے صرف حضور ﷺ کے ارشادات سن کر اللہ کریم کا قرآن پڑھ کر، سمجھ کر، حضور ﷺ کی حدیث (جو قرآن کی تفسیر ہے کیونکہ قرآن کی سب سے پہلی تفسیر حضور ﷺ کی حدیثِ پاک ہے) پر عمل کرتے ہوئے جنہوں نے اللہ کی رضا کے لیے عمل کیا اللہ انہیں بھی محسنین میں شامل فرماتے ہیں۔ اب یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ایک کام کے لیے سارے مسلمان ایک ہی سمت نکل کھڑے ہوں وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ میں پہلے عرض کر چکا کہ علماءِ حق فرماتے ہیں کہ جہاد فرضِ عین ہے لیکن اگر اتنے لوگ نکل جائیں جو اس کے لیے کافی ہوں تو فرض کفایہ ادا ہو جاتا ہے باقیوں پر ساقط ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا یہ ضروری نہیں کہ سارے مسلمان ایک ہی سمت نکل کھڑے ہوں ایک ہی کام پر سارے لگ جائیں۔ نہیں جہاں دشمن کو روکنے کی ضرورت ہو، جتنے مجاہدین کی ضرورت ہو، اتنے وہاں پہنچیں اور جہاد کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ ہر جماعت، ہر آبادی، ہر قریے، ہر گاؤں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جو دین کا علم حاصل کریں۔ قرآن و حدیث کو سمجھیں۔ دین کے علم کی تحصیل کے مختلف درجات ہیں۔ دین کے علم کے بعض حصے تو وہ ہیں جو سب پر فرض عین ہیں جیسے قاضی صاحب نے لکھا کہ ذکر قلبی واجب

ہے اسی طرح فرائض کا جاننا فرضِ عین ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جن سے سابقہ پڑتا ہے۔ عقیدے اور عمل میں جو فرائض اللہ نے فرض کیے ہیں ان کا جاننا بھی فرض ہے۔ واجب کا جاننا واجب ہے۔ سنتوں کا جاننا سنت ہے۔ نفل کا جاننا نفل ہے مستحبات کا جاننا مستحب ہے یعنی روزمرہ کے جو کام ہیں، مزدوری کرنا، اپنی محنت کرنا، خلوص سے کام کرنا، حلال روزی کمانا، پاک اور طیب کھانا، چیزوں کے حلال حرام سے واقف ہونا۔ ضروریات کے علم سے واقف ہونا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ لیکن تشریحات، تفصیلات، تفسیرات احادیثِ مبارکہ اور فقہ کی تفصیلات ہر شخص نہیں جان سکتا۔ ہر فرد پر فرض نہیں ہے بلکہ چاہیے کہ مسلمان اپنی آبادیوں میں سے مِنۡ کُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ ہر جماعت میں سے، ہر گاؤں میں سے، ہر قریے میں سے، ہر آبادی میں سے کسی نہ کسی کو اس کام کے لیے ضرور بھیجیں۔ لِّیَتَفَقَّهُوۡا فِی الدِّیۡنِ کہ وہ دین کا علم حاصل کرے دین میں تفقہ حاصل کریں۔ قرآن کے معنی سمجھیں، تفسیر سمجھیں، حدیث اور حدیث پاک کے معنی اور ان کی تشریحات سمجھیں۔ فقہ اور فقہ کے احکام اور اس کی تفصیل جانیں۔ ایک اور عجیب بات ہے کہ جس کام سے سابقہ پڑتا ہے اس کا علم جاننا بھی فرض ہوجاتا ہے اگر آدمی ملازمت کرتا ہے تو ملازمت کے اصول وقواعد اور دیانت داری سے کام کرنا، کیسے کرنا ہے؟ اس کا جاننا بھی فرض ہوجاتا ہے کوئی تجارت کرتا ہے تو اس کے لیے تجارتی اصولوں کا جاننا فرض ہوجاتا ہے۔ جو کھیتی باڑی یا زراعت کرتا ہے تو اسے جاننا فرض ہوجاتا ہے۔ مزدور کے لیے مزدوری کی شرائط جاننا فرض ہوجاتا ہے اسی طرح کوئی نکاح کرتا ہے تو شادی کے فرائض جاننا فرائض جاننا اس کے لیے فرض ہوجاتا ہے کہ اس کے فرائض اور حقوق کیا ہیں، اس کی زوجہ کے فرائض و حقوق کیا ہیں، والدین سے کیا سلوک کرنا ہے اور سسرال سے کیا رشتہ رکھنا ہے۔ یہ جاننا اس پر فرض ہوجاتا ہے یعنی جس کام میں آدمی ہاتھ ڈالتا ہے اس کا جاننا اس پر فرض ہوجاتا ہے اور اجتماعی طور پر دینی علوم کو جاننا فقہ کو، حدیث کو، تفسیر کو، قرآن پاک کو جاننا مسلمانوں کی ایک جماعت پر فرض ہوتا ہے اس کے لیے فرمایا ہر بندہ تو اتنا نہیں کرسکتا لہٰذا ہر آبادی، ہر قریے، ہر قوم، ہر شہر سے کچھ لوگ نکلیں جو دین کا تفصیلی علم حاصل کریں لِّیَتَفَقَّهُوۡا فِی الدِّیۡنِ وَلِیُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ یَحۡذَرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ اور جب وہ دینی علم میں کامل ہوکر واپس آئیں تو اپنی قوم کو اللہ کے احکام سے آشنا کریں لَعَلَّهُمۡ یَحۡذَرُوۡنَ تاکہ وہ برائی سے بچ سکیں یعنی تبلیغ قاعد الطریق جو قرآن کریم نے بتایا، وہ یہ ہے کہ تبلیغ کے لیے مبلغ کا جاننا بھی شرط ہے۔ جو تبلیغ کرے پہلے وہ دینی علم حاصل کرے اور ہر بندہ تو نہیں حاصل کرسکتا لیکن ہر بندے کے لیے ضرورت کا جاننا ضروری ہے۔ فرض کا جاننا فرض ہے ہمارے یہاں شادیاں تو کیا بچے ہوجاتے ہیں۔ بچوں کی شادیاں بھی ہوجاتی ہیں۔ بڑھیا اور بوڑھا قریب المرگ ہوجاتے ہیں، تب

بھی انہیں شادی کے فرائض و واجبات کا علم نہیں ہوتا۔ اب تو خیر یہ باتیں بھی ختم ہو گئیں چونکہ اب لوگ زیادہ 'روشن خیال' ہو گئے ہیں جب لوگوں کے پاس یہ جدید 'روشن خیالی' نہیں تھی تو ہم نے کئی بوڑھیوں کو دیکھا، بابا دفن ہو گیا، بڑھیا لاٹھی ٹیکتی قبرستان کی طرف جا رہی ہے۔ اماں ادھر کیا کرو گی؟ انہوں نے حق مہر نہیں دیا تھا انہیں معاف کرنے جا رہی ہوں۔ یعنی جن کو ہم جاہل کہتے ہیں اس زمانے کو جہالت کا زمانہ کہتے ہیں اس میں بھی احکام کی اہمیت اتنی تھی کہ وہ ان پڑھ لوگ بھی جانتے تھے اور بوڑھیوں کو یہ علم ہوتا تھا کہ مجھے اگر زندگی بھر حق مہر نہیں ملا تو مرے کو اپنا حق معاف کروں گی تو اس کا فرض ساقط ہو گا اور انہیں ملتا کیا تھا؟ پانچ دس روپے، تیس پینتیس روپے! مولویوں نے یہ ایک بڑا مسئلہ نکال رکھا تھا تیس پینتیس روپے شرعی حق مہر ہو گا۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں جو سکہ رائج الوقت تھا اگر اس کے ساڑھے پینتیس روپے تھے تو اس ساڑھے پینتیس روپے کا آج کے زمانے کے مطابق حساب کریں تو میرا خیال ہے کہ لاکھوں بنتے ہوں گے دیہاتوں میں آج بھی ہمارے مولوی جب نکاح پڑھتے ہیں تو ساتھ یہ پابندی بھی کرتے ہیں اتنے روپے زرسرخ دینا ہوں گے۔ زرسرخ سے مراد ہوتا ہے سونے کا سکہ۔ تو زرسرخ میں مقرر کردہ حق مہر آج کل کے چند روپے دینے سے پورا نہیں ہوتا۔ اگر ساڑھے پینتیس درہم ہیں تو ساڑھے پینتیس تولے سونا ہو گا تو ساڑھے پینتیس تولے سونے کی قیمت لگائیں۔ موجودہ قیمت اگر تریسٹھ ہزار روپے تولہ ہے تو کتنی خطیر رقم بنتی ہے۔ فقہ کی کتابوں میں جو لکھا ہے، ہمارے مولوی وہ عبارت پڑھ جاتے ہیں جہاں کہا جائے کہ پانچ ہزار حق مہر مقرر کردو وہاں کہہ دیتے ہیں پانچ ہزار روپے زرسرخ۔ زرسرخ کا مطلب ہے پانچ ہزار تولے سونا جب مولویوں کو نہیں پتہ تو پھر مقتدیوں کو کیا پتہ۔ نکاح خوانوں کو کوئی نہیں پتہ تو جن کے نکاح پڑھے جاتے ہیں ان کو کیا پتہ ہو گا کہ اس نے کیا حق مہر دینا ہے اور اس کے کیا حقوق و فرائض ہیں۔ حالانکہ جس کام میں کوئی پڑتا ہے اس کا جاننا اس کے لیے فرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شادی کرتا ہے تو شادی کے احکام، نکاح و طلاق کے احکام جاننا فرض ہو جاتا ہے۔ کبھی کسی نے کوشش نہیں کی۔ شادی کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ رشتہ تلاش کرتے وقت لڑکے اور لڑکی کے بارے معلوم کریں۔ لڑکی والے پہلے لڑکے کا دین دیکھیں اس کے ساتھ دنیا بھی دیکھی جائے اس کا روزگار، معاش کیسے ہیں۔ لڑکی کا بھی پہلے دین دیکھا جائے پھر اس کے خاندانی روایات اور طریقہ بھی دیکھا جائے کہ اچھے شریف لوگ ہیں، ان کی خاندانی روایات اچھی ہیں۔ اب یہ چیزیں جاننے کی کوشش کوئی نہیں کرتا فیس بک پر شناسائی ہو جاتی ہے یا موبائل فون پر شناسائی ہو جاتی ہے یا وہ Message کرتے رہے ہیں واقفیت ہو جاتی ہے اور شادی کر لیتے ہیں۔ پھر چند دن کے بعد ہی جلوس نکلا ہوا ہوتا ہے۔ لڑکی والے کہتے ہیں لڑکے والے برے ہیں لڑکے والے کہتے ہیں لڑکی والے برے ہیں اور پھر نوبت

لڑائی تک اور پھر طلاقوں تک جا پہنچتی ہے۔ اس لیے کہ یہ بندھن اللہ کے احکام کو مدنظر رکھ کر نہیں باندھے جاتے ایک اور نئی مصیبت آ گئی ٹی وی پر لوگ بیٹھے ہیں وہ کہتے ہیں ہم سے استخارہ کروالو۔ دوسروں کو استخارہ کر کے فیصلے کر کے دیتے ہیں اپنے گھر کی خبر نہیں لیتے کہ اپنا کیا حشر ہو رہا ہے۔

جن کاموں کے کرنے کے شرعی قاعدے کے مطابق واضح احکام ہیں ان میں استخارہ کرنا کیا معنی؟ استخارہ تو تب ہوتا ہے کہ کام جائز ہے درست ہے اس کے کرنے کے دو طریقے ہیں۔ دونوں جائز ہیں دونوں میں سے کون بہتر ہے تو استخارہ کرلو اب سرے سے یہی پتہ نہ ہو کہ یہ خاندان کون ہے۔ بندے کون ہیں، نیک ہیں، بد ہیں ان کا عقیدہ کیا ہے۔ مسلمان ہیں بھی یا ویسے ہی گنتی کے مسلمان ہیں۔ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں کس عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں ان کے اخلاقیات کیا ہیں۔ یہ نیک ہیں، چور ہیں، جھوٹ بولنے والے ہیں تو اس میں استخارہ کیا کرے گا؟ اب تو استخارہ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے چند مولوی نما لوگ ٹی وی پر بیٹھے ہوتے ہیں لوگوں سے کہتے ہیں آپ نام بتائیں۔ اسی وقت استخارہ کر کے بتا دیتے ہیں۔

استخارے کا شرعی طریقہ:

استخارے کا شرعی طریقہ تو یہ ہے کہ کسی بندے کو کوئی کام پیش ہے۔ سفر ہے، تجارت کے لیے ہے وہ جائز بھی ہے حلال بھی ہے۔ اب وہ کار پر جانا چاہتا ہے یا ہوائی جہاز پر جانا چاہتا ہے تو استخارہ کرلے کون سا بہتر ہے۔ یعنی کام جائز ہو درست ہو اس کے کرنے کے دو طریقے ہوں دونوں جائز ہوں تو ان میں سے کون سا اختیار کرے تو ایسا استخارہ جائز ہے۔ استخارہ کیا ہے کہ دو نوافل پڑھے اللہ کریم سے دعا مانگے سونے سے پہلے اور کسی سے بات کیے بغیر سو جائے۔ اللہ چاہے تو ہوسکتا ہے خواب میں اس کی رہنمائی کر دے لیکن یہ ضروری نہیں۔ ہوسکتا ہے خواب میں کوئی شیطانی خیال آ جائے ہوسکتا ہے خواب میں کوئی نفسانی خیال آ جائے پھر اس کو جو خواب میں اشارہ ملے پھر اسے شریعت پر پرکھنا پڑتا ہے کہ یہ شریعت کے مطابق ہے کہ نہیں۔ یہ ہرگز درست نہیں کہ ٹی وی پر فون کیا۔ ٹی وی والوں نے کہا نام بتاؤ، کام بتاؤ، استخارہ کر کے اسی وقت ٹی وی پر بتا دیا۔ یہ دینی ارکان کا بھی مذاق ہے۔ گذشتہ آیات سے غزوات کی جہاد کی بات آ رہی ہے تو فرمایا یہ بھی جہاد کا حصہ ہے لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ کہ دین کا علم حاصل کریں۔ اور واپس اپنی بستی میں آ جائیں لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اپنی قوم کی رہنمائی کریں اور انہیں برائی سے بچانے کی کوشش کریں تا کہ لوگ ان سے مسائل پوچھ کر اور دین سمجھ کر دینی اور شرعی طریقہ سمجھ کر اس پر عمل کرسکیں لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ تا کہ لوگ اللہ کی نافرمانی سے اور برائی سے بچ سکیں اور تبلیغ کا طریق بھی جو قرآن کریم بتاتا ہے وہ یہ ہے کہ مبلغ کو چاہیے کہ پہلے وہ خود دین سیکھے اور پھر اپنی قوم میں اپنے لوگوں میں اپنے علاقے میں اپنے شہر میں جا کر اس کی ترویج کرے اور لوگوں کی دین کے معاملے میں رہنمائی کرے۔

سورۃ التوبہ رکوع 16 آیات 123 تا 129

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ
غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا
وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا
اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ
عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ
سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ
صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ
اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے نزدیک رہتے ہیں اور چاہیے کہ وہ
تمہارے اندر سختی (محنت اور جنگی قوت سے) پائیں اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں
کے ساتھ ہیں ﴿۱۲۳﴾ اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے تو ان (منافقین) میں سے
کچھ لوگ کہتے ہیں (تمسخر کرتے ہوئے) اس (سورت) نے تم میں سے کس کا
ایمان زیادہ کیا سو جو ایمان لائے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ (اس سے)

خوش ہو رہے ہیں ﴿۱۲۴﴾ اور جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے تو ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی اور وہ کافر ہی مر گئے ﴿۱۲۵﴾ کیا انہیں دکھائی نہیں دیتا کہ یہ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی مصیبت میں پھنسا دیے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ ہی کچھ نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿۱۲۶﴾ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ تمہیں کوئی (مسلمان) دیکھ تو نہیں رہا پھر (مجلس نبوی سے) چلے جاتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو ہی پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے ﴿۱۲۷﴾ یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں جن کو تمہاری تکلیف بہت گراں گزرتی ہے تمہاری بھلائی کے بہت زیادہ خواہشمند ہیں ایمان والوں کے ساتھ شفقت کرنے والے مہربان ہیں ﴿۱۲۸﴾ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو فرما دیجیے میرے لیے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میرا بھروسہ اسی پر ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ﴿۱۲۹﴾

تفسیر و معارف

قتال، اہمیت و شرائط:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً جہاد کا حکم طریقہ اور سلیقہ سکھایا جا رہا ہے اور اس میں بتایا جا رہا ہے کہ ہر آدمی اس برائی کو دور کرنے کا مکلف ہے جو اس کے قریب تر ہے لیکن انسانی رویے عجیب ہیں کہ ہم یہاں بیٹھ کر اپنی اصلاح نہیں کرتے اور دور دراز ملکوں کو اور مغربی اقوام کو برا بھلا کہتے رہنے کا شوق رکھتے ہیں فرمایا جو برائی تمہارے قریب تر ہے پہلے اسے دور کرو۔ قریب کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے اپنی اصلاح تو کرو۔ جو برائیاں اپنے اندر ہیں ان کے خلاف تو جہاد کرو پہلے ان کو دور کرو پھر جو تمہارے گھر اور خاندان میں برائیاں رواج پا گئی ہیں ان کی اصلاح کرو جو خرابیاں تمہارے ماحول میں، معاشرے میں، گرد و نواح میں ہیں، ان کے خلاف کام کرو اور اگر کفار سے جنگ ہو تو پھر جو تمہارے قریب تر محاذ ہے اس پر کام کرو۔ یہاں قتال کا لفظ آیا ہے قتال کا معنی جنگ ہوتا ہے۔ وہ جہاد جو تلوار سے یا اسلحے سے کیا جائے وہ قتال ہے۔ یہ جہاد جس

اسلحہ استعمال ہوتا ہے اور انسانی جانیں جاتی ہیں اس کا فیصلہ فردِ واحد نہیں کر سکتا کہ کوئی کہہ دے کہ فلاں کو قتل کر دو جہاد ہو جائے گا۔ یہ جہاد نہیں ہوگا۔ اس کے لیے اسلامی حکومت مسلمان حکومت فیصلہ کرے گی چونکہ یہ قتال بین الممالک ہوتا ہے افراد کے درمیان قتال جہاد نہیں ہوتا لوگ آپس میں لڑ پڑیں تو یہ جہاد نہیں ہوتا۔ جہاد وہ مقابلہ ہے جو اسلامی ریاست اور غیر مسلم طاقتوں کے درمیان ہوتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں جو اسلامی ریاست کے ذمہ دار لوگ جو حکمران یا صاحب اقتدار وہ فیصلہ کریں اور وہ حکم دیں کوئی فرد اپنی ذاتی رائے سے، یہ فیصلہ کر دے کہ فلاں واجب القتل ہے تو اسے قتل کر دینا جہاد نہیں ہے۔

یہ جو آج کل ہو رہا ہے کہ جس کا جی چاہتا ہے، جسے جی چاہتا ہے، قتل کر دیتا ہے۔ یہ سُنّی ہے، مولوی ہے اسے گولی مار دو یہ شیعہ وکیل ہے اسے گولی مار دو وغیرہ یہ جہاد نہیں ہے یہ فساد ہے۔ لوگوں کو اپنے عقائد رکھنے کا حق حاصل ہے اور ان کا حساب لینا اللہ کریم کا کام ہے کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کا حساب نہیں لے سکتا۔ اللہ کریم نے دو چیزوں کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دیا ہے اور وہ معاملہ اس کا اللہ کے ساتھ ہے اور کوئی اس میں دخل نہیں دے سکتا۔ ایک عقیدہ اور ایمان، یہ بندے اور رب کے درمیان ہے کوئی شخص زبردستی کوئی عقیدہ کسی پر مسلط نہیں کر سکتا۔ یہ ہر کسی کا ذاتی حق ہے جو عقیدہ وہ چاہے، رکھے۔ دوسرا زندہ رہنے کا حق۔ کوئی کسی کو زندگی نہیں دے سکتا تو اسے دوسرے کی زندگی چھیننے کا بھی حق نہیں۔ ہاں اللہ کسی کے قتل کا حکم دے تو اور بات ہے اس لیے کہ وہ ہی زندگی لے سکتا ہے جو زندگی دیتا ہے۔ وہ اس کی اپنی امانت ہے وہ لے بھی سکتا ہے تو اپنی رائے اپنی مرضی سے لوگوں کو قتل کرنا یہ جہاد نہیں ہے۔ جہاد وہ ہوگا جس کا فیصلہ ریاست اسلامی کرے گی اور اسلامی اور غیر اسلامی طاقتوں کے درمیان ہوگا۔

فرمایا! جو محاذ آپ کے قریب ترین ہے وہ آپ کی ذمہ داری ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ جو کافر تمہارے قریب تر ہیں ان کے خلاف جو جہاد ہو رہا ہے ان میں شرکت اختیار کرو وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً اور اصل بات یہ ہے کہ کافروں کے لیے تمہیں سخت ہونا چاہیے مومنوں کے لیے جتنے نرم دل ہو گے، نرم خو ہو گے، ایمانداروں کے لیے جتنی محبت ہوگی، اتنی غیر مومن کے لیے تم میں سختی ہوگی۔

سختی سے کیا مراد ہے؟

سختی سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ ان کا ناطقہ بند کر دیں، انہیں جینے نہ دیں، معاملات کافروں سے بھی ہو سکتے ہیں تجارت بھی ہو سکتی ہے کافر یہاں مزدوری کر سکتے ہیں کافر کو ملازم رکھ سکتے ہیں، کافر سے مزدوری لے سکتے ہیں لیکن جو دلی تعلق ہے وہ مومنوں کے ساتھ ہونا چاہیے کافروں کے ساتھ نہیں۔ کافروں کے ساتھ دلی رغبت نہیں ہوگی،

کوئی ایسا تعلق نہیں ہوگا جو مومن کے دینی امور کو متاثر کرے کسی کی نمازیں ہی چھڑا دے، حلیہ بدل دے تو یہ بھی غلط بات ہے کافروں سے اتنا تعلق بڑھے کہ اٹھنا بیٹھنا کافروں جیسا ہو جائے کھانا پینا کافروں جیسا ہو جائے تو یہ درست نہیں ہے۔ فرمایا اس کے لیے تمہارے اندر شدت ہونی چاہیے اس کی بہترین مثال صحابہ کرام ؓ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے جو قوم بنائی وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو برکاتِ نبوت کا مظہر ہیں۔ تو ان کی تعریف کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:29) کفار کے لیے شدید سخت اور مومن کے لیے آپس میں رحم کرنے والے۔ نرمی اور سختی یہ دو ضدین ہیں جس طرح تاریکی اور روشنی ہے آگ اور پانی ہیں۔ تو فرماتے ہیں یہ دونوں چیزیں مومن میں بیک وقت موجود ہوتی ہیں کہ وہ مومنین کے لیے انتہائی کریم ہوتا ہے اور غیر مومن کے لیے انتہائی سخت ہوتا ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ تو اس شدت سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کی دنیوی زندگی کا ناطقہ بند کر دیا جائے۔ قتال تب ہوگا جب ریاستِ اسلامی محسوس کرے گی کہ بغیر قتال کے اب کوئی چارہ نہیں۔ ریاست حکم دے گی تو قتال ہوگا۔

جتنے بھی غزواتِ نبوی علی الصلوٰۃ والسلام ہیں آپ دیکھ لیجیے ساری دفاعی جنگیں لڑی گئیں۔ مکہ والوں نے ایک قافلہ بنایا اور اس میں سارے مکہ کا سرمایہ اکٹھا کر کے لگایا اور اسے تجارت کے لیے بھیجا کہ اس سے جو منافع آئے گا وہ کسی کو نہیں ملے گا کہ اس سے تیاری کر کے مسلمانوں کی نوزائیدہ مملکت کو خدانخواستہ تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ وہ قافلہ جب تجارتی سفر سے اپنا سرمایہ لے کر واپس پلٹ رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کا راستہ روکنے کا حکم دیا اور یہ مسلمانوں کا حق بنتا تھا کیونکہ وہ مسلمانوں ہی کے لیے تباہی کا سامان کر رہے تھے۔ اب اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قافلے والوں کو کسی طرح بھنک پڑ گئی انہوں نے فوراً مخبر دوڑایا۔ مکہ مکرمہ اطلاع ہوگئی مکہ مکرمہ سے ایک ہزار کا لشکرِ جرار قافلے کی حفاظت کے لیے آ گیا۔ حضور ﷺ تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ نکلے آپ ﷺ بھی بدر میں پہنچ گئے مکہ والے بھی بدر میں پہنچ گئے۔ بدر کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے اس کے پیچھے سمندر ہے۔ سمندر کے کنارے قافلہ رُکا ہوا تھا تو جب قافلے والوں کو حضور ﷺ کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے راتوں رات اپنے اونٹ لادے اور نکلنے کی کوشش کی اور قافلہ وہاں سے نکل گیا تو کفارِ مکہ کے لشکر میں بھی یہ بات چلی کہ ہم قافلہ بچانے آئے تھے قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہمیں واپس جانا چاہیے اور قافلہ جو سرمایہ لایا ہے اس سرمائے سے اور تیاری کر کے مزید اسلحہ مزید افراد لے کر بھرپور قوت سے آنا چاہیے لیکن کچھ لوگ اس بات پر اڑ گئے کہ اب آ ہی گئے ہیں تو جنگ ہونی چاہیے۔ خصوصاً ابی جہل کا اصرار تھا کہ جب ہم میدان میں آ گئے ہیں اور ہم ایک لشکر جرار ہیں، آزمودہ لوگ ہیں، جنگ

کے تجربہ کار ہیں اور وہ ہمارے سامنے تھوڑی سی تعداد میں کل (تین سو تیرہ) افراد ہیں ان کے پاس اسلحہ بھی نہیں ہے (چھ تلواریں ہیں آٹھ زرہیں اور آٹھ دس گھوڑے تھے) سواری کے اونٹ نہیں ہیں خوراک ان کے پاس نہیں ہے اسلحہ نہیں ہے خود حضور ﷺ مدینہ منورہ سے نکل کر بدر میں آگئے ہیں یہ اچھا موقع ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ تو وہاں مکہ والوں کے اصرار پر جنگ ہوئی انہوں نے اصرار کیا کہ جنگ ہونی چاہیے۔

احد کے بارے سیدھی سی بات ہے کفار مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے اور پھر جنگ ہوئی اور پھر جتنے غزوات ہیں جہاں سے اسلامی ریاست کو خطرہ پیدا ہوا وہ دفاعی جنگ کی گئی۔ تو جہاد کا فیصلہ اسلامی ریاست کرتی ہے کہ جہاں سے ریاست کے مفادات کو کوئی خطرہ پہنچتا ہے اور سوائے جنگ کے کوئی اور دوسرا راستہ نہیں ہوتا تو پھر وہ ریاست فیصلہ کرتی ہے کہ اس کے خلاف یا فلاں حکومت کے خلاف یا فلاں گروہ کے خلاف جہاد کیا جائے یہ جہاد ہوتا ہے۔ ہر کوئی اپنے گھر میں بیٹھ کر دوسروں کو کافر بنا کر قتل کرنا شروع کر دے یہ جہاد نہیں۔ جس طرح ہمارے ملک میں افراتفری بنی ہے جس کو جی چاہے قتل کر دے جس کو جی چاہتا ہے گولی مار دیتا ہے اور سمجھتا ہے میں مجاہد ہوں یا بارود باندھ کے خود کو بھی تباہ کر لیتا ہے پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ لوگوں کو اڑا کے رکھ دیتا ہے اس امید پر کہ میں جنت جا رہا ہوں یہ خودکشی ہے اور اتنے لوگوں کے قتل کا الزام ان پر مزید ہے۔ ہاں جہاد کا طریقہ یہ بتایا کہ یہ بھی درست نہیں ہے کہ کوئی کہے میں یہاں سے نکل کر کسی دوسرے ملک میں جا کر جہاد کر رہا ہوں۔ یہ بھی درست نہیں۔ بندے کے ذمے سب سے پہلے اس سرزمین کی حفاظت ضروری ہے جس میں وہ بستا ہو ان شہروں کی حفاظت ہے جن میں وہ رہتا ہو، ان کو خطرہ درپیش ہو تو پہلے وہاں مقابلہ کرے اور اصل بات ہے وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً کہ کافروں کو تم سے کسی نرمی کی امید نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کافر بیمار ہے تو اس کی بیمار پرسی نہ کرو اسے دوا نہ دو یا اس کی فی سبیل اللہ مدد نہ کرو یا کافر کا پانی بند کر دو مطلب یہ ہے کہ تمہارا دلی تعلق کافر کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے دل ایمان والوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔ معاملات دنیوی جو ہیں وہ چلتے ہیں۔ اگر ریاستِ اسلامی میں کوئی کافر رہتا ہے تو اس کی جان، مال، آبرو کا تحفظ ریاستِ اسلامی اور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ ریاستِ اسلامی پر حملہ ہوتا ہے تو کافر جزیہ ٹیکس دیتا ہے۔ لڑائی لڑنا کافر کا کام نہیں۔ لڑائی لڑنا خود مسلمانوں کا کام ہے۔ جہاد مسلمان کریں گے۔ کافر کا تحفظ بھی مسلمانوں کی ذمہ داری ہے لیکن قلبی تعلق جو ہوتا ہے وہ ایمان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنی تصنیف ''مقدمہ'' میں لکھتے ہیں کہ میل جول کا بڑا اثر ہوتا ہے اس ضمن میں بڑی بڑی عجیب باتیں لکھتے ہیں۔ مثلاً کہ اگر آپ کسی مرغی کو کھانے میں دانہ پانی کے ساتھ اس کی غذا میں اونٹ کا گوشت ملا دیں اور تھوڑا تھوڑا اونٹ کا گوشت دیں تو آپ دیکھیں گے اس کا

انڈا ڈیڑھ گنا بڑا ہو جائے گا۔ وہ جو اس گوشت کی تاثیر ہے اس سے اس کے انڈے کا سائز بڑا ہو جائے گا تو وہ فرماتے ہیں لوگ بھی جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو جس کے تاثرات غالب ہوتے ہیں۔ جیسے آپ انگریزی میں dominating personality کہتے ہیں جس کی چھا جانے والی شخصیت ہوگی دوسرا اس کا اثر لے جائے گا اور علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں یہ اس کا پہلا اثر ہوتا ہے کہ اسے اس کی رسومات عزیز ہو جائیں گی وہ اس جیسا لباس پہننا چاہے گا، اس جیسی شکل بنانا چاہے گا، اس جیسی ٹائی پہننا چاہے گا، جوتے اس جیسے پہننا چاہے گا، کھانے پینے کی عادات ویسی ہو جائیں گی۔ چونکہ خود کو مغلوب اس کو غالب سمجھتا ہے تو اس جیسا بننے کی کوشش کرے گا۔ جیسے انگریز چلا گیا لیکن ہم ابھی تک انگریزی تہذیب کے اثر سے نہیں نکل سکے۔ آپ دیکھ لیں ہمارا کیا حال ہے ہم دیسی ہیں لیکن لباس سے رہن سہن تک زبان سے لہجے تک ہم اہل مغرب کی نقالی میں غرق ہیں۔ زبانیں جاننا اچھی بات ہے لیکن کسی زبان کا غلام ہو جانا صحیح نہیں۔ سو قرآن کریم کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کفر کی کوئی چیز تمہارا دل قبول نہ کرے۔ نہ ان کا عقیدہ قبول کرے نہ ان کا عمل۔ نہ ان کی رسومات قبول کرے نہ ان کے رواجات نہ ان کے لباس قبول کرے نہ ان کا حلیہ۔ کفر کے لیے تمہارا دروازہ بند ہونا چاہیے۔ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً تمہارے اندر سختی ہونی چاہیے کہ تم کفر کو رَدّ کر سکو۔ اور ایک بات جان لو کہ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اللہ کی معیت ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو خلوص دل سے اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ جو متقی ہوتے ہیں یعنی کفر کے ساتھ سختی یہ نہیں کہ کافروں کے ساتھ ناانصافی کی جائے۔ یہ بھی اللہ کو پسند نہیں۔ مومنوں کے حقوق کا خیال رکھیں گے تو کافروں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھیں گے۔ سختی یہ ہوگی کہ آپ کفر کا کوئی انداز قبول نہ کریں اور اسے رَدّ کر دیں۔ سختی سے یہ مراد نہیں ہے کہ جہاں کوئی کافر بیٹھا ہے ہم ڈنڈے لے کر اس کو پیٹنا شروع کر دیں یا اسے گولی مار دیں یا اس کا گھر لوٹ لیں یا اس کی عزت لوٹ لیں، اس کی زمین چھین لیں یا اس کا کاروبار چھین لیں۔ نہیں۔ سختی تمہارے اندر ہونی چاہیے وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ کفر کے لیے تمہارے اندر اتنی سختی ہو کہ کفر کی کوئی چیز تمہارے دل میں نہ آئے۔ تم قبول نہ کرو۔ اسے احترام نہ دو۔ اسے سر پر نہ چڑھاؤ۔ تم مسلمان رہو کافر کافر ہے لیکن تمہارا اس کے ساتھ جو تعلق ہے وہ حدود الٰہی کے اندر ہونا چاہیے۔

اللہ کریم کی معیت نعمت:

معیتِ باری بہت بڑی نعمت ہے دنیا و آخرت پر بھاری ہے۔ دنیا میں بھی اللہ کی معیت سے ہی سارے کام سنورتے ہیں۔ ایمان بھی باقی رہتا ہے۔ توفیقِ عمل بھی ہوتی ہے۔ دردِ دل پیدا ہوتا ہے، دردِ دروں پیدا ہوتا ہے، خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے یہ سب نعمتیں معیت باری کے ساتھ ہوتی ہیں اور آخرت کی ساری نعمتیں بھی معیتِ باری

سے متعلق ہیں۔ نجات بھی معیتِ باری سے ہوگی۔ معیتِ باری متقیوں کے لیے ہے، پرہیزگاروں کے لیے ہے، یہ نہیں کہ کوئی ڈنڈا اٹھا کر ملک میں تباہی پھیلاتا پھرے اور اسے معیتِ باری نصیب ہو جائے گی۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ تقویٰ شرط ہے۔ مومن کے ساتھ تعلقات کے لیے بھی تقویٰ شرط ہے اور کافر کے ساتھ تعلقات کے لیے بھی تقویٰ شرط ہے کہ حدودِ شرعی سے متجاوز نہ ہو جاؤ خواہ مخواہ کسی کو اپنی نفرت کا شکار نہ بناؤ جو کسی کے حقوق ہیں اس کی حفاظت کرنا پڑے گی۔ ہاں معاشرت میں جتنا ربط جائز ہے۔ اس حد تک رکھنے کے باوجود تمہیں کفر اور کافر سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ تمہارے دل مضبوط ہونے چاہییں اور تم پر ان کا پرتو نہیں پڑنا چاہیے اور یاد رکھو! مومن کے ساتھ جو تمہارے معاملات ہیں اور کافر کے ساتھ جو معاملات ہیں، سب کو اللہ دیکھ رہا ہے اس سب میں خلوصِ نیت سے جب اتباعِ پیغمبر ﷺ نصیب ہوگا تب تمہیں اللہ کا ساتھ نصیب ہوگا، تب معیتِ باری نصیب ہوگی تب اللہ کریم تمہاری حمایت کریں گے، تمہاری مدد فرمائیں گے، تمہارے ساتھ ہوں گے۔

اللہ سے دوری کی وجہ:

اور بدنصیبوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن پر کفر کے پرتو کا یہ حال ہے کہ ان میں کفر کی خُو آجاتی ہے بظاہر کلمہ بھی پڑھتے رہیں تو وہ منافق ہو جاتے ہیں دل میں عظمتِ الٰہی نہیں رہتی۔ اتباعِ رسالت کا شوق نہیں رہتا اطاعتِ الٰہی کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے، دل سے یقین کمزور پڑ جاتا ہے۔ بظاہر بندہ کلمہ پڑھتا رہتا ہے لیکن جو کیفیت دل میں ہوتی ہے وہ کمزور پڑ جاتی ہے تو فرمایا جو لوگ اپنے دل کے دروازے کفر کے لیے بند نہیں کرتے وہ کفر سے متاثر ہو جاتے ہیں وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا کہ جب قرآنِ کریم کی کچھ آیات نازل ہوتی ہیں کوئی سورت نازل ہوتی یا کچھ احکام نازل ہوتے ہیں تو پھر وہ لوگ جو اندر سے کفر سے متاثر ہوتے ہیں باہر سے مسلمان کہلاتے ہیں وہ پھر ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں یا ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں کہ بھئی یہ نئی سورت آگئی نئی آیات آگئیں۔ بھلا تم میں سے کس کس کا ایمان اس سے بڑھا ہے۔

شرعی مسئلہ:

ایمان میں کمی بیشی ایک شرعی مسئلہ ہے۔ اور یہ ہوتی رہتی ہے۔ گناہ کرنے سے برائی کرنے سے، شریعت کے خلاف چلنے سے ایمان میں کمزوری آتی ہے۔ ایمان اس یقین کا نام ہے جو اللہ کی توحید پر حضور ﷺ کی رسالت پر ہے تو جب ہم خدانخواستہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں تو اس یقین میں کمزوری آتی ہے اور جب

ہم اطاعت کرتے ہیں تو اس میں اضافہ ہوتا ہے اور اسے کہتے ہیں ایمان میں کمی یا زیادتی۔ قرآن حکیم کلام الٰہی ہے کلام میں متکلم کا پرتو جمال ہوتا ہے اور اس سے ایمان والوں کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔ دنیاوری طور پر بھی یہ بات مسلم ہے جیسے کسی بچے یا بڑے کو کچھ لوگوں کی مجلس میں چھوڑ دیں شعراء کی مجلس میں چھوڑ دیں تو آہستہ آہستہ آپ دیکھیں گے کہ اگر وہ شعر کہہ نہیں سکتا تو شعر سمجھنا شروع کر دے گا اسے اس کی سمجھ آجائے گی کسی کو کسی اور ماہر فن کے پاس چھوڑ دیں، کسی کاریگر کے پاس بٹھا دیں تو وہ اگر کاریگر نہ بھی بن سکا تو اس فن کے رموز سمجھنا شروع کر دے گا کسی کو آپ بٹیر لڑانے والے کے پاس چھوڑ دیں دو سال ان کی مجلس میں رہے تو ایک دن آپ دیکھیں گے خود بھی بٹیر ہاتھ میں لیے پھرتا ہوگا۔ ان کی مجلس انکی صحبت کا جو اثر ہے اس کے دل میں اس کام کی محبت پیدا کر دے گا۔ جس شعبے کے لوگوں کے ساتھ کسی کو چھوڑ دیں ان کا اثر اس میں آجاتا ہے دو بندے اگر آپس میں بات کرتے ہیں تو ایک متاثر کرتا ہے اور دوسرا متاثر ہوتا ہے جس کی شخصیت متاثر کن ہوتی ہے (Domnating Personality) ہوتی ہے دوسرے کو متاثر کرتا ہے۔ آپ کسی کے گانے سنتے ہیں تو آپ متاثر ہو جائیں گے کہ کیا گویا ہے! اگر کسی کو کلام باری نصیب ہو تو جب اللہ کا کلام ہو اور اس میں تجلیات باری موجزن ہوں اور اس کی ذات کا پرتو جمال ہو تو مومن کے پاس جب وہ پہنچتا ہے تو اس کے نور ایمان میں تازگی ترقی اور قوت پیدا ہوتی ہے لیکن منافق پر اثر نہیں ہوتا بلکہ منافق پہ اُلٹا اثر ہوتا ہے اور پھر وہ مذاق اڑاتے ہیں اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا ۚ اپنے منافق ساتھیوں کو کہتے ہیں ہاں بھئی نئی سورت آگئی نئی آیات آگئیں تو بھلا تم میں سے کس کس کا ایمان زیادہ ہوا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ۝ جن کا ایمان کامل ہے اور جن کے دل کفر کے لیے سخت ہیں اور جو کافرانہ رسومات اور کافرانہ نظریات کو دل میں نہیں آنے دیتے اور جو خلوص دل سے میرے حبیب ﷺ کی پیروی کرتے ہیں ان کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور ایسی زیادتی ہوتی ہے وَهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ وہ ان کے چہروں سے نمایاں ہوتی ہے۔ ایمان کی زیادتی ان کی خوشی ان کے چہروں سے کھل اٹھتی ہے اور ان کے چہروں سے پتہ لگتا ہے کہ اسے کوئی نعمت ملی ہے یہ ہشاش بشاش ہے یہ خوش ہو رہا ہے اس نے کوئی انعام جیتا ہے اسے کوئی دولت ملی ہے، کوئی نعمت نصیب ہوئی ہے۔ وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ اور وہ اس سے خوش ہو رہے ہوتے ہیں ان کے چہرے کھل اٹھتے ہیں ان کی آنکھوں سے نور جھلکتا ہے تو قرآن کریم کا ایک ایک لفظ تجلیات باری کا حامل اور امین ہے قرآن کریم کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور قرآن کریم کی تلاوت سمجھ کر کی جائے معنی و مفاہیم کی سمجھ آئے تو مقصد حیات ہے پھر اس پر توفیق عمل نصیب ہو تو کامیابی ہے لیکن اگر معانی سمجھ نہیں بھی آتے تو پھر بھی تلاوت قرآن کریم اپنا اثر ایمان کی زیادتی میں

چھوڑتی ہے جسے معانی نہ بھی آتے ہوں وہ بھی تلاوت کرتا ہے تو اس کے ایمان ویقین میں زیادتی ہوتی ہے اس کے چہرے سے بشاشت اور اس کے دل کو خوشی نصیب ہوتی ہے۔

پریشانیاں دور کرنے کا وظیفہ:

اللہ اللہ اللہ! جس دور میں آج ہم ہیں، سارا دن لوگوں سے واسطہ رہتا ہے کوئی آرہا ہے کوئی جارہا ہے۔ جس کی کہانی سنو وہی دکھوں سے بھرا پڑا ہے۔ لوگوں کے عجیب عجیب مسئلے ہیں عجیب عجیب پریشانیاں ہیں اور جسے دیکھو وہ پریشانی کا شکار ہے کچھ یہ بھی ہے کہ ہمارے پاس آتے ہی وہ ہیں جو پریشان ہوتے ہیں جو پریشان نہیں وہ آتے ہی نہیں۔ سارا دن مختلف اور عجیب وغریب پریشانیاں سنتے رہتے ہیں اور مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ان کے گھروں میں قرآن مجید موجود ہے اللہ نے انہیں دل بھی دیا ہے دماغ بھی دیا ہے۔ ان کے پاس ہر مشکل کی کنجی درود شریف موجود ہے یہ صرف نبی کریم ﷺ پر درود ہی بھیجتے رہیں تو اس کی برکات سے ہی ان کی مشکلات حل ہو جائیں۔ یہ روزانہ تلاوتِ قرآنِ پاک کریں پانچ وقت وضو کریں پاک رہیں لباس پاک کریں اور اللہ کا سجدہ ادا کریں تو کتنی مصیبتیں زائل ہو جائیں۔ کتنی پریشانیاں جو دل میں ہیں وہ ٹھیک ہو جائیں اور دل مرمت ہو جائے اور اگر کوئی صاحب حال ملے یہ اللہ اللہ کرے تو ساری پریشانیوں کا مداوا ہو جائے لیکن نہ جانے کیوں لوگوں کا مزاج میں نے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں جب سے پریشانی آئی ہے تب سے تو میری نماز بھی چھوٹ گئی۔ یعنی میں اتنا بیمار ہوں کہ مجھ سے دوا بھی چھوٹ گئی ہے۔ یہ کیسی عجیب منطق ہے۔ کبھی آپ نے کسی بیمار سے سنا کہ میں بہت بیمار ہوں اس لیے میں نے دوائی کھانا چھوڑ دی ہے تو وہ جو بیمار ہے وہ تو دوائی کی خوراکیں بڑھائے گا پہلے ایک خوراک لیتا تھا تو طبیب یا ڈاکٹر کہے گا اب تم تین گولیاں لو یا دن میں تین مرتبہ لو یا پانچ دفعہ لو تو بھئی تمہیں مصیبت آ گئی ہے تو تم پانچ نمازوں کو چھ کر لو تہجد پکی کر لو چھ کر لو آٹھ، دس کر لو طلوع آفتاب کے بعد اشراق کے نوافل پڑھ لو اس کے بعد نو دس بجے چاشت کے نوافل پڑھ لو، زوال آفتاب کے پڑھ لو نوافل کی تعداد بڑھا دو اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاؤ اپنے دکھ وہاں بیان کرو اے اللہ! میں محتاج ہوں میں کمزور ہوں مجھے ان مصیبتوں سے بچا اس طرف کوئی نہیں جاتا۔ اس لیے کہ اس طرف جانے کے لیے پہلے اللہ کریم کو ماننا شرط ہے ہم موروثی طور پر مانتے ہیں کہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے سن لیا اللہ ہے اچھا چلو ٹھیک ہے اللہ ہے۔ اللہ پر اعتبار کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ ایک عام رویہ ہے کہ سفارش کروانے والے کہتے ہیں فلاں افسر کی طرف رقعہ لکھ دیں، فلاں ایم پی اے کو ٹیلی فون کر دیں فلاں بندہ آپ کی بات مانتا ہے اسے کہہ دیں میرا کام کر دے۔ اگر اسے یہ کہا جائے کہ میں تمہارے لیے دعا کروں گا تو وہ ناراض ہو کر چلا جاتا ہے کہ مجھے تو انہوں نے ٹرخا دیا

میری بات نہیں سنی۔ گویا کسی بندے کو کہو تو راضی ہوتے ہیں کام نہ بھی ہو تو کہتے ہیں انہوں نے تو اسے کہہ دیا تھا کام نہیں ہوا تو ہماری قسمت۔ پھر قسمت پر آجاتے ہیں یہ کہہ دو کہ میں تمہارے لیے اللہ سے دعا کروں گا تو کہتے ہیں یہ کوئی بات ہے اس پر ناراض ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کو یہ یقین ہی نہیں آتا کہ اللہ کی بارگاہ میں عرض بھی کیا جا سکتا ہے اور اللہ کر بھی سکتا ہے۔

فرمایا قرآن کریم کو دیکھنے سے بھی ایمان میں زیادتی ہوتی ہے، تلاوت کرنے سے بھی ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور سمجھنے سے بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر عمل کرنے سے نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے لیکن یہ زیادتی تب نصیب ہوتی ہے جب پہلے ایمان بھی ہو فرمایا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ۝ فرمایا جن کا ایمان مضبوط ہے، جن کا ایمان اور عقیدہ درست ہے، جن کو یقینِ محکم نصیب ہے ان کو ان آیات اور سورتوں سے ایمان میں مزید زیادتی نصیب ہوتی ہے اور اس کی چمک وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ سے ان کے چہرے کھل اٹھتے ہیں وہ خوش ہوتے ہیں ان کے چہروں پر چمک آجاتی ہے۔ اسی دنیا میں سارے لوگ بستے ہیں مومن بھی، کافر بھی، بدکار بھی، نیک بھی، عام آدمی بھی، علماء حق بھی اہل اللہ بھی اولیاء اللہ بھی، لیکن جو سکون اللہ والوں کو نصیب ہے وہ کسی دنیا دار کو نصیب نہیں اس کے لیے پہلے نورِ ایمان اور یقینِ محکم چاہیے پھر فرمایا قرآن سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے لیکن وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کی گندگی میں اضافہ ہوتا ہے دل کے امراض اپنے ہوتے ہیں۔

قلب کیا؟

قلب یہ دل نہیں جو پمپنگ مشین ہے اس کی بات نہیں ہو رہی کہ اس کا سٹنٹ (stent) خراب ہو گیا یا اس کا والو (volve) بند ہو گیا قلب وہ لطیفہ ربانی ہے جو اس دل کے اندر ہے جسے انگریزی میں (Subtle heart) کہتے ہیں ایک لطیفۂ عالم امر سے ہے لطیفۂ ربانی ہے جو اس قلب کے اندر ہے جو اللہ کے نام سے روشن ہو تو اس میں جو خواہشات اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں وہ بھی نیکی اور اطاعت کی پیدا ہوتی ہیں اور جو زنگ خوردہ ہو جائے، گناہوں سے اسے زنگ لگ جائے تو پھر اس سے برائی کے خیالات اور بری خواہشات اٹھتی ہیں یہ اس دل کی بات ہو رہی ہے جس میں آرزوئیں جنم لیتی ہیں یا جس میں نورِ ایمان یا یقین ہوتا ہے یا جو کفر سے سیاہ ہو جاتا ہے، اس کی بات ہو رہی ہے تو فرمایا جن کے قلب میں بیماری ہو۔ قلب کی سب سے پہلی بیماری ایمان میں کمزوری ہے، کفر ہے یا منافقت ہے، شرک کا کوئی شائبہ ہے۔ تو یہ وہ جان لیوا بیماریاں ہیں جیسے کسی کو ایڈز ہو جائے یا کینسر ہو جائے، پھر حسد بغض تکبر ہر

برائی جو ہے وہ دل کی ایک بیماری ہے وہ وہاں سے اٹھتی ہے دماغ کو جاتی ہے۔ دماغ اعضاء و جوارح کو حکم دیتا ہے اور سارا بدن اس برائی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا جن کے دلوں میں نفاق ہے مرض ہے ایمان کی کمی ہے زنگ لگ چکا ہے برائی چھا گئی ہے فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ ان کی جو گندگی ہے غلاظت ہے وہ اور پھیلتی ہے اس میں مزید بدبو پیدا ہوتی ہے جس طرح بارش ہوتی ہے تو اسی بارش سے اچھی کھیتیوں میں فصل اُگتی ہے پھول کھلتے ہیں اچھی زمینوں پر سایہ دار، پھلدار درخت اگتے ہیں تو جہاں غلاظت کا ڈھیر ہو وہاں اس کی بدبو اور پھیل جاتی ہے۔ بارش بھی ایک ہے، پانی بھی ایک ہے، وہی بارش کھیت پر برستی ہے تو فصل ہری بھری ہو جاتی ہے وہی بارش گندگی کے ڈھیر پر برستی ہے تو بدبو زیادہ پھیل جاتی ہے اس میں زیادہ تعفن اٹھنے لگ جاتا ہے تو فرمایا ان کے دلوں میں بیماری ہے ان کے دلوں میں گندگی ہے غلاظت ہے، نجاست ہے۔ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ تو اس پر جب وہ بارش پڑتی ہے، جب وہ انوارات آتے ہیں جب وہ سورتیں نازل ہوتی ہیں تو وہ بارش ان کے دل کی غلاظتوں میں اضافہ کر دیتی ہے، ان کے دلوں کی نجاست اور بھڑک اٹھتی ہے۔ وَمَاتُوا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۱۲۵﴾ اور یہ دل کی، قلب کی نجاست اتنا جان لیوا مرض ہے کہ پھر یہ اسی میں مرجاتے ہیں اور پھر ان کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے۔ انہیں پھر ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ وَمَاتُوا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ اور پھر وہ اسی کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں۔ دم توڑ جاتے ہیں۔

رحمت الٰہی بھی عجیب ہے۔ ہم ایک لفظ سے آشنا ہیں جسے اتفاق کہتے ہیں یا حادثہ کہہ دیتے ہیں۔ کسی بھی کام کو ہم کہہ دیتے ہیں یہ اتفاقاً ہو گیا یا یہ حادثہ ہو گیا۔ لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں یہ جو منافقین ہیں اور جن کے دلوں میں رِجْس غلاظت بھری ہوئی ہے اگر یہ بھی غور کریں تو ہم ان کی واپسی کے اسباب بھی پیدا کرتے رہتے ہیں۔ دیکھو اس کے کرم کی انتہا دیکھو کیسا کریم ہے کہ جو اس کی ذات سے دور بھاگ رہے ہیں وہی ذات ان کے لیے واپسی کے دروازے کھولتی رہتی ہے۔ کس طریقے سے؟ فرمایا، اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال ان پر ایک بار یا دو بار ایسے حادثات گزرتے ہیں کہ یہ ڈر جائیں اور اللہ سے توبہ کریں۔ کبھی ان کی منافقت کا بھید کھول دیا جاتا ہے۔ کبھی یہ جہاد میں جانے سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور اس پر انہیں ملامت ہوتی ہے۔ کبھی کوئی بیماری انہیں گھیر لیتی ہے اور اس سے پریشان ہو جاتے ہیں تو اللہ فرماتا ہے میں یہ پریشانیاں ان پر اس لیے بھیجتا ہوں کہ اگر یہ خیال کریں، سوچیں، غور کریں تو شاید توبہ کر لیں میں ان کے لیے واپسی کا دروازہ کھول دوں۔ پریشانی بھی دور ہو جائے اور ان کے حالات بھی درست ہو جائیں اور ان کا ایمان بھی صحیح ہو جائے۔ یعنی اپنی مخلوق کے ساتھ اس کے کرم کا ایسا عجیب رشتہ ہے کہ بندہ منافقت میں چلا گیا بندہ اس کی ذات سے دور بھاگ رہا ہے اس کے حبیب ﷺ سے دور بھاگ رہا ہے وہ پھر فرماتا ہے ان پر سال میں ایک دو بار پریشانیاں بھیج دیتا ہوں۔

يُفْتَنُوْنَ فتنہ بھیج دیتا ہوں، آزمائش بھیج دیتا ہوں کہ کہیں سے ڈر کر جھجک کر میری پناہ میں آ جائے اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ یہ نہیں دیکھتے ان پر ہر سال کبھی ایک بار کبھی دو بار یا کئی بار ان پر مصیبتیں بھیج دی جاتی ہیں يُفْتَنُوْنَ ہر مصیبت کو فتنہ کہا جا سکتا ہے۔ وہ بیماری کی صورت میں بھی آ سکتا ہے، مقدمے کی صورت میں بھی آ سکتا ہے، کاروبار میں نقصان کی صورت میں آ سکتا ہے آدمی کی بدنامی کی صورت میں بھی آ سکتا ہے۔ فرمایا جو چیز بھی پریشان کرے فتنہ ہے۔ مقصد یہ ہوتا کہ یہ ان سے گھبرا کر میری پناہ میں آ جائیں تو میں ان کے گناہ بھی معاف کر دوں، ان کا ایمان بھی کامل کر دوں، ان کی دنیا بھی اور اخروی مصیبتیں بھی دور کر دوں لیکن یہ نفاق اور قلب کی نجاست ایسی بیماری ہے ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ یہ پھر بھی توبہ نہیں کرتے یہ پھر بھی بتوں کے دروازے پر سجدہ کریں گے، زندہ انسانوں کے دروازوں پر سجدہ کریں گے لوگوں کی سفارشیں چاہیں گے، سود پر قرضے لیں گے، مزید برائی میں بڑھتے چلے جائیں گے لَا يَتُوْبُوْنَ یہ توبہ نہیں کریں گے۔ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ اور نہ ہی یہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ جو حادثات ہوتے ہیں جنہیں ہم اتفاق کہتے ہیں۔ یہ اتفاق نہیں ہوتے یہ نظامِ قدرت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ کائنات کا مالک ہر چیز کو اپنے نظام کے تحت چلاتا ہے، ہمیں جس کے اسباب نظر آتے ہم کہتے ہیں یہ حادثہ ہو گیا یہ اتفاق ہو گیا دنیا میں اتفاق نام کی چیز نہیں ہوتی۔ جو اللہ کرتے ہیں وہی ہوتا ہے جو رب العالمین کرتے ہیں وہی ہوتا ہے۔

اس کا مطلب ہے، ہم پر جو اکثر مصیبتیں اور بیماریاں آتی ہیں ان میں ہماری اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ آخر ہم بھی انسان ہیں، ہم میں بھی ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، ہم سے گناہ ہوتے ہیں، ہم سے لغزشیں ہوتی ہیں۔ بے شمار گناہ ایسے ہیں جو ہم کر جاتے ہیں ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا۔ بیٹھے بیٹھے کسی کی غیبت کر دیں گے، بیٹھے بیٹھے کسی پر الزام تھوپ دیں گے اور آج کل یہ عام ہے۔ ہمارے میڈیا کا طریقہ یہ ہے کہ جو بات آئے بغیر تصدیق کے اچھالو اور یہ ہمارا قومی مزاج بن گیا ہے کہ ذرا سی بات سنو اسے بڑھا چڑھا کر آگے بیان کر دو۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی بندے کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جو بات سنے وہی بغیر تحقیق کے آگے بیان کرے۔ ہم اس پر بھی نہیں رہتے، اسے بڑھا کے بیان کرتے ہیں۔ ان رویوں کے بارے فرمایا کہ یہ ایسے ہیں کہ ان سے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور نہ بندہ نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ فرمایا جب کوئی سورت یا کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو منافق منافقوں کو کن انکھیوں سے تاڑتے ہیں، اشارے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کوئی ہمیں دیکھ تو نہیں رہا اور پھر اس مجلس سے کھسک جاتے ہیں۔ یعنی بجائے اس کے کہ اللہ کے نبی ﷺ کے حضور بیٹھے تھے پھر وہاں وحی نازل ہونا شروع ہو گئی،

نئی آیات آئیں، ان کے ساتھ نئی برکات آئیں، نئی تجلیات آئیں، انہیں قلب میں سموتے، یہ الٹا کام کرتے ہیں۔ان کے قلب تو پہلے برباد ہو چکے ہیں۔وہ چیزیں قلب میں تو اتارتے نہیں۔ایک دوسرے کو کن اکھیوں سے دیکھتے ہیں، مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہمارا بھرم بھی رہے کہ ہم اچھے لوگ ہیں۔اور یہ سوچ کر کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا پھر مجلس سے کھسک جاتے ہیں ثُمَّ انْصَرَفُوْا جو بندہ حیلے بہانے کرکے نبی کریم ﷺ کی مجلس سے کھسک جاتا ہے وہ نفاق کا شکار ہے۔

قرآن کا نزول تو خاص ہوتا ہے لیکن حکم عام ہے اور قیامت تک کے لیے ہے تو نبی کریم ﷺ جب دنیا میں جلوہ افروز تھے تو کیا یہ احکام صرف ان لوگوں کے لیے تھے جو مجلس عالی میں تھے۔نہیں۔تب بھی یہ ساری دنیا کے لیے تھے اور حضور ﷺ اس عالم آب وگل سے جب پردہ فرما گئے پھر بھی ساری دنیا کے لیے ہیں تو پھر ہم تو حضور ﷺ کی مجلس میں نہیں ہیں ہم کیسے کھسکیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم جب حضور ﷺ کی بتائی ہوئی شریعت سے پہلوتہی کرتے ہیں تو ایسا ہی ہے جیسا حضور ﷺ کی مجلس سے بندہ پیٹھ پھیر جائے۔جب حضور ﷺ کے دیے دین اور احکامِ شریعت سے ہم بہانے کرکے جان چھڑاتے ہیں تو ہم جان رہے ہوتے ہیں۔ہمیں سود کھانا ہوتا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے منع کر دیا تو اس کا نام منافع رکھ دیتے ہیں۔کتنی دیدہ دلیری ہے۔

ایک بزرگ ہوتے تھے یہاں نور پور میں ہمارے ایک عمر رسیدہ عزیز تھے ان کی یہاں دکان ہوتی تھی وہ اس زمانے میں سود لیتے تھے ہمارے بزرگوں کے ان کے ساتھ بڑے تعلقات تھے تو ازراہ ہمدردی ایک دن میں نے ان سے کہا کہ اللہ نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔آپ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں تو آپ یہ سود کیوں لیتے ہیں۔اس وقت بینک نہیں تھے ڈاکخانہ والے سود لیتے دیتے تھے تو مجھے کہنے لگے بیٹا میں جانتا ہوں سود حرام ہے لیکن میں کھاتا نہیں ہوں میں یہ لے کر غریبوں کو دے دیتا ہوں میں نے کہا بہت اچھا کرتے ہیں کہ اپنے گھر والوں کے لیے تو بکرے کا حلال گوشت لے جائیں اور کتا مار کر غریبوں کو دے دیں کہ تم بھی گوشت کھالو، خالی نہ رہو تو بڑا ثواب ملے گا۔پھر وہ مجھ سے ناراض ہو گئے لیکن ہمارا یہ ایک عجیب مزاج ہے۔یہی مجلس سے کھسکنے کی بات ہے کہ سود لینا نہیں چھوڑنا کہ میں غریبوں کو دے دیتا ہوں اسی طرح تعمیلِ شریعت سے جب ہم باہر نکلنے کے بہانے کرتے ہیں، اتباعِ شریعت سے نکلنے کے حیلے حوالے کرتے ہیں تو یہ ویسا ہی جرم ہے جیسا حضور اکرم ﷺ کی مجلسِ مبارک سے داؤ لگا کر کھسکنا۔تو فرمایا جو یہ جرم کرتا ہے صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یہ تو اس سے کیا پھرتے ہیں، اللہ ان کے دل پھیر دیتا ہے۔جب دل ہی الٹ جاتا ہے تو پھر بری چیزیں بھلی معلوم ہونے لگتی ہیں اور بھلی چیزیں بری۔پھر نماز، روزے پر اعتراض شروع ہو جاتا ہے۔سنت داڑھی پر اعتراض شروع ہو جاتا ہے سنت پر اعتراض شروع ہو جاتا ہے اور چوری، ڈاکے، بدکاری کے مقابلے فخر سے بیٹھ کر دوستوں میں بتاتے ہیں میں نے اتنے ڈاکے کیے میں نے اتنے بندوں کو قتل کر دیا وہ

برائیوں پر فخر کرنے لگتا ہے۔ بندہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اللہ نے ان کے دل الٹ دیے ہیں۔ انہیں برائی بھلی نظر آتی ہے اور بھلائی حقیر نظر آتی ہے بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ یہ وہ لوگ ہیں جو شعور نہیں رکھتے ،تفقہ نہیں رکھتے ، بات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اللہ نے انہیں تفقہ دی تھی انہوں نے نافرمانی، گناہ اور برائی کر کے اپنی وہ تفقہ کی، حالات کو سمجھنے کی صلاحیت برباد کردی اس کی سزا بھگت رہے ہیں۔

تکمیل نبوت ہو چکی:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ارشاد باری ہے بے شک تمہارے پاس ایک پیغمبر ﷺ تشریف لا چکے۔ کہ پوری انسانیت میں سے کوئی فرد اب اس انتظار میں نہ رہے کہ کوئی اور آنے والا آئے گا تو وہ مجھے منزل پر پہنچا دے گا۔ فرمایا اور کوئی نہیں آئے گا۔ تمہارے پاس اللہ کے رسول ﷺ تشریف لا چکے۔ اب قیامت تک کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ ہادیِ برحق ہیں اور قیامت تک کی انسانیت میں سے وہی فلاح پانے والا ہے جو حضور ﷺ کا دامن تھام لے گا۔

قرآن کریم نے دوسری خصوصیت یہ ارشاد فرمائی مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اپنے اس رسول، اپنے اس پیغمبر ﷺ کو میں نے تم ہی میں سے، تمہاری جنس میں سے، انسانوں میں سے پیدا فرمایا اور جس کے باعث انسان اشرف المخلوقات ہوا۔ اللہ کی بے پناہ مخلوق ہے جسے ہم شمار بھی نہیں کر سکتے ان سب میں انسان افضل ہے اور انسان کی فضیلت کیا ہے؟ انسان کے علاوہ ساری مخلوق خواہ وہ نوری فرشتے ہوں، حکم کی تعمیل کرتی ہے۔ حاکم کی اطاعت کرتی ہے لیکن کسی میں یہ جرأت نہیں کہ وہ آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے کہ حاکم کون ہے، حاکم کیسا ہے؟ معرفتِ الٰہی کی جرأت کسی میں نہیں۔ کسی کو یہ استعداد ہی نہیں بخشی گئی سوائے انسانوں کے اور انسانوں میں مرکز معرفت الٰہی ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔ تمام انبیاؑ نے بھی آپ ﷺ سے استفادہ کیا اور تمام امتوں نے اپنے اپنے نبیوںؑ سے استفادہ کیا تو بالواسطہ ساری اُمتوں نے حضور ﷺ سے استفادہ کیا اور جو حضور ﷺ کی براہ راست اُمت ہے اللہ کریم نے اسے فرمایا، خَيْرَ اُمَّةٍ (آل عمران: 110) بہترین امت ہے ساری اُمتوں میں سے جو براہ راست نبی کریم ﷺ سے مستفید ہوتی ہے۔ اگر یہی رسول اللہ ﷺ فرشتوں میں سے ہوتے تو پھر فرشتے اشرف المخلوقات ہوتے کسی اور مخلوق میں سے ہوتے تو وہ مخلوق اشرف المخلوقات ہوتی یہ پوری انسانیت پر اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے اپنی سب سے محبوب سب سے عظیم ہستی کو انسانوں میں سے پیدا فرمایا اور انسانیت کو یہ شرف بخشا کہ وہ مخلوق میں افضل ترین ہو گئی لیکن یہ بھی یاد رہے ثُمَّ

رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (التین: 5) جو دامان محمد رسول اللہ ﷺ نہیں تھامتا پھر وہ ساری مخلوق میں سے گھٹیا بھی ہو جاتا ہے۔ اتنا گر جاتا ہے کہ کتے اور خنزیر سے بھی نیچے چلا جاتا ہے۔ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ سب میں سے نیچے چلا جاتا ہے۔ ساری مخلوق میں سے گھٹیا مخلوق وہ ہے جو انسان ہو کر شرف انسانیت سے محروم رہے۔ جانوروں کو تو اللہ نے شعور نہیں دیا انہیں پیدا ہی جانور کیا وہ اتنے ہی کے مکلف ہیں لیکن انسان جس کو شرف انسانیت دیا اور معرفت باری کی استعداد دی وہ اس استعداد کو چھوڑ کر دنیا کے اقتدار، دنیا کی دولت، دنیوی مفاد کی خاطر دامان رسالت پناہی کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اتنا نیچے گر جاتا ہے کہ وہ سب مخلوق سے گھٹیا ترین ہو جاتا ہے سو فرمایا پہلی بات یہ کہ آنے والا نبی کریم ﷺ تشریف لا چکا آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر عیسیٰؑ تک ہر نبیؑ نے اپنی اُمت کو یہی بات تعلیم فرمائی کہ آنے والا نبی ﷺ تشریف لائے گا جو ساری انسانیت کے سر کا تاج ہوگا، جو خاتم الانبیاء ہوگا، امام الانبیا ﷺ ہوگا اس کا زمانہ پاؤ تو اس کا اتباع کرو اور اس کے دامن کو تھام لو۔ انبیاؑ کی اسی نصیحت اور اسی وصیت کا جواب یہاں ارشاد ہو رہا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ وہ نبی ﷺ جس کی تمام انبیاؑ پیشین گوئی کرتے رہے وہ نبی ﷺ جنہوں نے ساری انسانیت کو راہ دکھانا ہے، راہ ہدایت پر لانا ہے۔ وہ نبی ﷺ جو ساری انسانیت کے سینے منور کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ وہ نبی ﷺ جو قیامت تک تجلیات باری تقسیم فرماتا رہے گا وہ نبی ﷺ تشریف لا چکا۔ اب کیا دیکھ رہے ہو، اب کس کا انتظار ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا۔ اب اس اُمید پہ نہ رہو۔ آنے والا آ چکا۔ ہر مصیبت کا حل محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں ہے۔

اللہ کریم قادر ہیں، نمرود نے بہت زیادہ آگ بھڑکائی میلوں تک لکڑیاں جمع کر کے بہت بڑا الاؤ بنایا ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال دیا۔ اس قادر مطلق نے آگ کو حکم دیا قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیا: 69) فرمایا اے آگ تیرا کام جلانا ہے تجھے پیدا اس لیے کیا ہے یہی صفت تجھے دی گئی ہے لیکن آج اپنے مزاج کے خلاف ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی ہو جا جن لکڑیوں کو جلاتی ہے جلاتی رہ جنکو کھا رہی ہے، کھاتی رہ شعلے لپیٹیں لیتے رہیں تو بھڑکتی رہ لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ آگ میں ابراہیم علیہ السلام کو باد سحر کا مزا آئے ان کے لیے ٹھنڈی ہو جا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیا: 69) ان کے لیے سلامتی کا سبب بن جا۔ جس چیز کے لیے تو جلانے کا، ختم کرنے کا سبب بنتی ہے ان کے لیے سلامتی کا سبب بن جا اور انؑ کے لیے باد بہاری کی طرح ہو جا شعلوں کی لپٹیں انہیں باد بہاری محسوس ہوں۔ آگ نے تعمیل ارشاد کیا سو آج اگر کوئی الجھن میں ہے، اگر کوئی تکلیف میں ہے، آج بھی پورے خلوص سے دامان محمد رسول ﷺ تھام لے اس کے لیے آتش نمرود کی طرح ارد گرد بھانبڑ بھی ہو وہ سکون سے ہوگا۔ وہ مزے سے ہوگا، اس کے دل میں اطمینان ہوگا اس کا قلب منور ہوگا اور اسے تجلیات باری نصیب ہوں گی۔ یہ جو ہم گھبرا کے کہتے ہیں کوئی آئے گا جو حالات ٹھیک کرے گا یہ غلط ہے۔ کوئی نہیں آئے گا آنے والا تشریف لا

چکا۔ ہمیں ہر مصیبت، ہر مشکل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن تھامنا ہے۔ یہی بات قرآن کریم فرما رہا ہے لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس تشریف لا چکے ہیں۔ پھر میں نے دوسرا احسان تم پر فرمایا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ انسانوں میں سے آدمؑ کی اولاد میں سے، عالم بشریت میں سے میں نے اپنے محبوب ﷺ کو مبعوث فرمایا تم بھی بشر ہو اور بشر سے فیوضات حاصل کرنا تمہارے لیے بہت آسان ہے۔ اگر فرشتہ ہوتا تو تم کیسے اس کی پیروی کرتے، اس کی بات کیسے سنتے، اس تک پہنچتے کیسے، اس کی بیعت کیسے کرتے، اس سے عہد وفا کیسے باندھتے؟ اگر کوئی جن ہوتا تم اس سے استفادہ کیسے کرتے؟ میں نے انسانیت پر احسان فرمایا میں نے اپنے حبیب ﷺ کو انسانوں میں سے مبعوث فرما کر تمہارے لیے دامن نبوت کو تھامنا آسان کر دیا۔

رحمتِ مجسم ﷺ:

تیسری تعریف یہ فرمائی کہ میرا نبی ﷺ ایسا نہیں ہے کہ تم ان کا دامن تھامنا چاہو اور وہ تھامنے نہ دیں۔ میرا نبی ﷺ تو اتنا کریم ہے عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ اس قدر رحیم ہے کہ مجسم رحمۃ للعالمین ہے۔ ساری کائنات کے لیے مجسم رحمت ہے اور اتنا کریم ہے کہ دکھ تمہیں ہوتا ہے تکلیف انہیں ہوتی ہے عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ ٹھوکر تمہیں لگتی ہے، دکھ وہ محسوس کرتے ہیں۔ کوئی کافر اگر کفر پر مر جاتا ہے تو اس کا دکھ بھی حضور ﷺ محسوس کرتے ہیں انہیں تکلیف ہوتی ہے کہ میری بعثت کے بعد یہ بدبخت جہنم میں کیوں گیا۔ کاش یہ میرا دامن تھام لیتا۔ اور رحمت الٰہی کو پالیتا یعنی آپ ﷺ انسان کے لیے بنی آدم کے لیے رحمت مجسم ہیں۔ بنی آدم پہ جو تکلیفیں آتی ہیں، بنی آدم پر جو دکھ آتے ہیں ان کی کیفیات محسوس فرماتا ہے تم پتھر مارتے ہو میرا رسول ﷺ دعائیں دیتا ہے۔ تم شرک کرتے ہو وہ تمہیں توحید کے نغمے سناتا ہے۔ تم کان بند کر لیتے ہو وہ تمہیں اللہ کی طرف بلاتا رہتا ہے تم اس پر تلواروں سے حملہ آور ہوتے ہو زخمی کرتے ہو وہ تمہارے لیے دست بدعا ہوتا ہے کہ اللهم أهدِ يا قومي فهم لا يعلمون (دعا بمقام اُحد) یا اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ وہ نہیں جانتے۔

انسانیت کا سب سے بڑا دکھ:

ہم یہ سمجھتے ہیں مال ضائع ہو گیا بہت دکھ پہنچا، اولاد پر کوئی مصیبت آ گئی تو دکھ کی انتہا ہو گئی، اپنے وجود پر کوئی بیماری آ گئی دکھ پہنچ گیا۔ حالانکہ مال کھو جائے مال پھر مل جائے گا۔ تکلیف بیماری آ جائے اللہ شفا بھی دے دے گا۔ اولاد لے بھی لیتا ہے، دے بھی دیتا ہے لیکن ایک بات جو انسانیت کا دکھ ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ہاتھ سے دامان رسالت چھوٹ جائے، اس سے اللہ کی اطاعت چھوٹ جائے یہ اتنا بڑا نقصان ہے جس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تو

فرمایا جب یہ دکھ تمہیں ہوتا ہے محسوس میرا نبی ﷺ کرتا ہے اور اسے دکھ ہوتا ہے کہ بندہ میری بعثت کے بعد پھر کیوں اللہ کی رحمت سے محروم رہے۔ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ کا اردو ترجمہ لالچی ہے۔ لالچی کا لفظ عموماً دنیوی مفادات کے حصول کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں یہ لفظ نبی کریم ﷺ کی شان رحمت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو انوارات باری بانٹنے کا لالچ ہے کہ جتنے لوگ اسلام قبول کرتے ہیں جتنے لوگوں کے سینے منور ہوتے ہیں تو میرا نبی ﷺ سیر نہیں ہوتا کہ بس کافی ہے آپ ﷺ کی خواہش پاک اور بڑھتی جاتی ہے کہ اور لوگ بھی آئیں اور بھی سیراب ہوں حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ تمہارے معاملے میں میرا نبی ﷺ سیر نہیں ہوتا، اس کا جی نہیں بھرتا اسے زیادہ سے زیادہ انسانوں کو تجلیات باری بانٹ دینے کی حرص ہوتی ہے۔ یہ حرص دینے کی ہے، بانٹنے کی ہے، ہم حریص اسے کہتے ہیں جس کا لینے کے معاملے میں پیٹ نہ بھرتا ہو ہم اسے حریص کہتے ہیں جس کی آنکھوں میں بھوک ہے، اس کی تسلی نہیں ہوتی۔ یہاں حضور ﷺ نے کسی سے کچھ نہیں لینا، آپ ﷺ کو کسی بندے کی احتیاج نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا سارا معاملہ رب العزت کے ساتھ ہے اور جس نے لینا ہے حضور ﷺ سے لینا ہے۔ حضور ﷺ حریص ہیں دینے کے معاملے میں کہ کروڑوں انسان در اقدس پر آ کر تجلیات باری سے فیض یاب ہوتے ہیں اور حضور ﷺ کا جی نہیں بھرتا اور پھر دعا کرتے ہیں یا اللہ جو باقی ہیں انہیں بھی توفیق دے۔ فرمایا، میرا نبی ﷺ ان کے لیے محنت فرماتا ہے۔ جو پتھر مارتے ہیں ان کے لیے دعائیں فرماتا ہے کہ یا اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ اُحد میں رخ انور زخمی ہو گیا دندان مبارک زخمی ہو گئے رخ انور پر زخم آئے اٹھا کر آپ کو احد کی غار میں لے جایا گیا تو حضور ﷺ دعا فرما رہے تھے اللھم اھد قومی فھم لا یعلمون یا اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے دے یہ مجھے جان ہی نہیں رہے پہچان نہیں رہے پہچانتے تو میرے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے۔ کیسا عجیب معاملہ ہے کہ ہم گناہ کی طرف بھاگتے ہیں وہ ہمیں اللہ کے کرم کی طرف پکارتا ہے۔ ہم دنیا کی طرف بھاگتے ہیں وہ ﷺ ہمیں آخرت کی طرف بلاتا ہے۔

میری سمجھ میں یہ فلاسفی نہیں آتی کہ ہم اتباع رسالت چھوڑ کر گناہ کیوں کرتے ہیں۔ میں بھی انسان ہوں فرشتہ نہیں ہوں مجھ سے بھی گناہ ہوتے ہیں۔ جب ہم کوئی گناہ کرتے ہیں تو ہمیں تکلیف ہوتی ہے گناہ مشکل میں ڈالتا ہے۔ کوئی گناہ دیکھ لو، ڈاکہ قتل رشوت، بدعنوانی کوئی بھی دیکھ لو ہر گناہ کے ساتھ مصیبتیں لگی ہوئی ہیں اور اتباع رسالت کا ہر کام دیکھ لو ہر کام کے ساتھ نعمت الٰہی وابستہ ہے، آرام وابستہ ہے، سکون وابستہ ہے، حتیٰ کہ جو اطاعت پیغمبر ﷺ میں قتل ہو جاتے ہیں وہ شہادت کی لذت پاتے ہیں جبکہ دنیوی اعتبار سے دنیا میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ کسی کی گردن کاٹ دی جائے، سینہ چھلنی کر دیا جائے ارشاد ہوتا ہے کہ روز محشر وہ لوگ جن کے سینے راہ حق میں چھلنی ہوئے جن کی گردنیں کٹیں جب وہ پیش ہوں گے تو اللہ کریم ان سے پوچھیں گے کہ کیا چاہتے ہو؟ تمہارے پاس جو تھا تم نے

لوٹا دیا حتیٰ کہ جان بھی میری راہ میں میرے نبی ﷺ کے اتباع میں دے دی اب مانگو تم کیا مانگتے ہو؟ تو وہ کہیں گے یا اللہ دنیا کو پھر سے آباد کر ہمیں واپس بھیج، ہم ویسا ہی جہاد کریں اور اسی طرح تیری راہ میں شہید ہوں اسی طرح گردن کٹے، ردے سینے چھلنی ہوں کہ جو لذت اس میں تھی وہ کہیں نہیں ہے۔ یعنی بظاہر ہم سمجھتے ہیں اس پر بہت دکھ گزرا جو شہید ہو گیا اللہ فرماتا ہے کہ اس میں تو اسے اتنی لذت آئے گی کہ وہ آخرت میں بھی تمنا کرے گا کہ کاش دنیا پھر آباد ہو میں پھر حضور ﷺ کے اتباع میں میدان جہاد میں نکلوں اور پھر وہ لذت مجھے نصیب ہو۔ فرمایا حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ تمہارے معاملے میں میرے نبی ﷺ کبھی سیر نہیں ہوتے۔ کروڑوں اربوں لوگ اسلام قبول کرلیں تو جو رہ جائیں گے ان کے لیے پھر حضور علیہ ﷺ کے دل میں آرزو ہوتی ہے کہ کاش یہ بھی اسلام قبول کر لیتے۔ کل عالم انسانیت کے لیے خواہ کافر ہے، مشرک ہے، بے دین ہے لیکن آپ ﷺ کی تمنا اس کے حق میں یہ ہے کہ اور جو ایمان لے آئے ہیں بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ ان کے لیے آپ ﷺ سب سے بڑے شفقت کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔

اللہ، اللہ، اللہ ہمارا فلسفہ ہی الٹ گیا ہماری سوچ ہی الٹ گئی۔ ہم کہتے ہیں حضور ﷺ کی غلامی کرنا بڑا مشکل ہے۔ دین پر عمل کرنا مشکل ہے۔ اللہ کے بندو! دین کے خلاف کرنا مشکل ہے دین پر عمل تو مشکل نہیں ہے۔ ہر وہ کام جو شرعاً ناجائز ہے اسے سوچ کر دیکھو عملاً وہ مشکل ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ اللہ کریم فرمائیں گے، ہم نے دوزخیوں پر زیادتی نہیں کی وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (آل عمران: 117) انہوں نے خود اپنے آپ کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ دنیا میں بھی دکھ اٹھائے، مصیبتیں کاٹیں جیلیں کاٹیں بدنامیاں اٹھائیں، بے عزتی کروائی، تکلیف میں رہے اور آخرت میں جہنم میں چلے گئے ہیں۔

بات صرف اتنی سی ہے کہ اپنے کو حضور ﷺ کے ساتھ جوڑ لو۔ ایمان اور اتباع کے ساتھ، عقیدے اور عمل کے ساتھ پھر اگر تم سے غلطی ہوتی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چھوڑ نہیں دیں گے وہ بڑے شفیق ہیں۔ تم سے غلطی ہوتی ہے تو تمہارے لیے معافی کی دعائیں کرتے ہیں۔ تم سے گناہ ہوتا ہے تو وہ تمہارے لیے اللہ سے بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں اور رؤف اور رحیم ہیں، نہایت شفقت والے ہیں۔ محبت ایک لفظ ہے اور اس کی بے شمار تعبیریں ہیں۔ دنیا میں جنہیں ہم محبتیں کہتے ہیں یہ محبتیں نہیں ہوتیں یہ لالچ اور سوداگری ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں ہمیں اولاد سے محبت ہے، ہم اولاد کو پڑھاتے ہیں، پالتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے اولاد پر بڑی محنت کی، اولاد پر بڑا خرچ کیا، وہی پلا بڑھا بیٹا، وہی پڑھا لکھا بیٹا اچھی نوکری نہ کرے یا کرے اور ہمیں نہ دے تو وہ محبت باقی رہتی ہے؟ تو پھر یہ محبت تو نہ ہوئی، کاروبار ہو گیا، پھر تو نرا دعویٰ ہے کہ ہمیں اولاد سے محبت ہے، یہ محبت تو نہیں ہے، یہ تو کاروبار ہے کہ آج

میں تمہیں پڑھا رہا ہوں، کل تو مجھے پیسے کما کر دے۔ اگر وہ کما کر نہ دے پھر محبت کہاں جاتی ہے۔ اسی طرح جب ہم قربانی کا جانور پالتے ہیں یا جس طرح زمیندار بیل، گائے پالتے ہیں کہ موٹا تگڑا ہو جائے گا، اچھا بیل ہو جائے گا، گائے، بھینس اچھی دودھ دینے والی ہوگی، وہ بیچ دوں گا، اتنا سرمایہ آجائے گا پھر یہ گائے، بیل سے محبت تو نہیں ہے، یہ تو ہمارا طمع اور لالچ ہے اور محبت وہ جذبہ ہوتا ہے جس میں کوئی لالچ نہ ہو، کوئی غرض نہ ہو، اس سے تعلق قائم رکھنا اچھا لگتا ہو۔ ایسا پاک تعلق قائم رکھنا محبت ہے، وہ ایک عرب شاعر نے کہا تھا

وان المحب لمن یحب مطیع

محبت کیا ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے جس کو جس سے محبت ہو جاتی ہے وہ اس کا غلام بن جاتا ہے یعنی محبت کی خاصیت ہے کہ جس کو جس سے محبت ہو جائے بندہ اس کا اسیر ہو جاتا ہے۔ اس کی مرضی کے خلاف سانس لینا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اس کی مرضی کے خلاف بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اس کی مرضی کے خلاف کام کرنا بھی گوارا نہیں کرتا لیکن عجیب بات ہے ہم اس پندرہویں صدی ہجری کے عام گناہ گار لوگ، عام انسان اور کہاں محمد رسول ﷺ۔ ہم ان سے محبت کیسے کریں؟ بڑا مسئلہ تو یہ ہے کہ کہاں ہم، کہاں وہ ہستی! ہیں تو وہ بھی بشر ﷺ لیکن ان کی بشریت فرشتوں سے بھی لطیف تر ہے۔ ہماری بشریت عام جانوروں کی طرح ہے۔ ہماری بشریت تو گدھے بیلوں گھوڑوں کی طرح ہے آپ ﷺ کی بشریت فرشتوں سے بھی لطیف تر ہے۔ جو دوست انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو بشر نہ کہو نور کہو، وہ بیچارے اپنے آپ پر اندازہ کر کے کہتے ہیں کہ بشر تو بہت چھوٹی سی چیز ہوتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ہم بشر ہیں کہ نہیں اس میں شبہ ہے۔ حضور ﷺ بشر ہیں اور آپ ﷺ کی بشریت کا معیار یہ ہے کہ شب معراج فرشتوں کا سردار روح الامین سدرۃ المنتہیٰ پر رک کر عرض کرتا ہے یا رسول اللہ ﷺ اس سے آگے میں قدم نہیں بڑھا سکتا اور حضور ﷺ اس بشری وجود کے ساتھ اسی وجود عالی کے ساتھ آگے تشریف لے جاتے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے عرش عظیم شروع ہو جاتا ہے اس میں وہ کہاں تک گئے ربّ جانے اور ربّ کا رسول ﷺ جانے۔ میں اور آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ کا وجود عالی اتنا لطیف تر ہے کہ جہاں فرشتوں کا سردار دم نہیں مار سکتا وہاں حضور ﷺ کا وجود عالی تشریف لے گیا۔ آپ ﷺ نے جنت کا ملاحظہ فرمایا۔ اسی وجود عالی کے ساتھ دوزخ کا ملاحظہ فرمایا اسی وجود عالی کے ساتھ فرشتوں سے ہمکلام ہوئے۔ اسی وجود عالی کے ساتھ انبیاؑ کی ارواح کے ساتھ ملاقات ہوئی اور عرش کی کن بلندیوں پر اللہ آپ ﷺ کو لے گیا یہ اللہ جانے اور اللہ کا رسول ﷺ جانے۔ ہمارے پاس اتنی خبر ہے جو حضور ﷺ نے دی کہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر جبرائیل امین رک گئے اور آگے اللہ نے رف رف کی سواری مجھے دی اور میں اس پر آگے تشریف لے گیا۔ پھر آگے کہاں تک تشریف لے گئے یہ نہ حضور ﷺ نے بتایا ہے اور نہ ہم جان سکتے تھے۔ ہم نے تو سنا ہوا

ہے سات آسمان ہیں اور جب سات آسمانوں کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سدرۃ المنتہیٰ ہے آگے عرش عظیم ہے عرش بھی ختم ہو جاتا ہے آگے عالم امر ہے اب آگے ربّ جانے اور رب کا رسول ﷺ جانے۔ کہاں تک تشریف لے گئے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ صرف روح نہ تھی وجود محمد رسول اللہ ﷺ تھا آپ کہتے ہیں حضور ﷺ نور تھے تو نوری مخلوق تو سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئی۔ مولوی رومی نے کہا تھا اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے کہ جبرائیل امین نے عرض کیا۔

اگر یکسر موئے برتر۔ فرم فروغ تجلی بر سوزش پرم

میں ایک بال برابر بھی یہاں سے آگے جاؤں تو تجلیات باری میرے پروں کو جلا کر راکھ کر دیں گی میں آگے نہیں جا سکتا۔ نوری مخلوق کا سردار ہے اور بشر ہے محمد رسول اللہ ﷺ جو اس سے آگے وجود عالی کے ساتھ تشریف لے گئے لہٰذا بشریت کا انکار نبوت کا انکار ہے۔ لوگ بڑے سادہ ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں ہم بشر ہیں تو اپنے پر قیاس کر کے کہتے ہیں حضور ﷺ ایسے نہیں ہو سکتے، حضور ﷺ نور ہیں۔ ہم پتہ نہیں، بشر ہیں کہ نہیں بشریت تو وہ ہے جو نبی کریم ﷺ کو نصیب ہے اور پھر کوئی ذرہ کسی کو نصیب ہوگا تو حضور ﷺ کی وساطت اور غلامی سے نصیب ہوگا۔ جو محروم ہوگا وہ بشر نہیں خنزیر سے بھی کم تر ہے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (التین: 5) سب سے گھٹیا جو مخلوق ہے اس سے بھی کم تر مخلوق ہے تو پھر ہم وہاں اتنی عالی جگہ پر محبت کیسے کریں۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم کہاں اور آپ ﷺ کا مقام عالی کہاں! لیکن اللہ فرماتا ہے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ تم ایمان لے آؤ اگلا کام وہ کر لے گا۔ وہ تمہیں محبتیں لوٹا دے گا۔ تمہارا دل اپنی محبتوں سے سیراب کر دے گا۔ انسان تو انسان ہے میاں اس نے تو درختوں پتھروں کو محبتیں لوٹائیں۔ حدیث شریف میں موجود ہے مشکوٰۃ میں موجود ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں مجھے اب بھی وہ پتھر اور درخت یاد ہیں جب میں گزرتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ السلام علیك یا رسول الله ابوجہل کی بند مٹھی میں کنکریوں کو بھی یہ شعور آ گیا کہ شاعر نے اسے منظوم کیا ہے۔

لا اله گفت الا الله گفت

جوهر احمد رسول الله سُفت

اس نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو بتائیں میری مٹھی میں کیا ہے؟ فرمایا میں بتاؤں یا مٹھی والے بتا دیں میں کون ہوں؟ کنکریوں نے کہا لا اله الا الله محمد رسول الله محبت محبوب میں ہوتی ہے محبت کرنے والے میں نہیں ہوتی۔ محبت وہ خوبی ہے جو محبوب میں ہوتی ہے جب وہ دل میں اترتی ہے تو بندہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے تو محبت کا مرکز ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود باجود۔ مسجد نبوی علیٰ صاحبہ والصلوٰۃ والسلام میں شہتریاں لگائی گئیں۔ اس کے نیچے ستون کھڑے کیے گئے۔ دیواریں بھی بنیں پھر آپ ﷺ کے پاس جو ستون تھا

نبی کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی اور عرب کا رواج تھا ہر چیز کا نام رکھتے تھے گھوڑے کا، اُونٹ کا، گائے کا، بیل کا، نیزے کا، تلوار کا، مکان کا اور مکان میں ستونوں کا کڑیوں کا بھی نام رکھتے تھے۔ مسجد کے ستون کھجور کے خشک تنے کے تھے ایک ستون محراب شریف کے قریب تھا۔ اس کا نام حنانہ تھا۔ نبی کریم ﷺ جب جمعہ کو خطبہ دینے کو کھڑے ہوتے تو اس کے ساتھ کبھی کبھی ٹیک لگایا کرتے تھے۔ ایک صحابیؓ کہیں تشریف لے گئے انہوں نے کسی بادشاہ کا تخت دیکھا دو تین زینے بنا کر اوپر بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی وہ وہاں سے واپس آئے انہوں نے کہا یا رسول ﷺ بہت ہی خوبصورت چیز دیکھی ہے۔ اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو آپ ﷺ کے لیے ایسا منبر بنایا جائے آپ ﷺ کو کھڑے ہونے میں تکلیف ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کو ستون کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ آرام سے تشریف رکھیں۔ حضور ﷺ نے اجازت دی ہر تین سیڑھیوں والا منبر جو آج تک رائج ہے یہ پہلے حضور ﷺ کے لیے بنا تھا پہلے ایک زینہ پھر دوسرا زینہ پھر بیٹھنے کی جگہ عام لکڑی سے بنایا گیا۔ جمعے کا دن تھا۔ حضور ﷺ تشریف لائے، منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ اب وہ بے جان لکڑی، خشک لکڑی کا ستون تھا کبھی کبھی جب حضور ﷺ تھکن محسوس کرتے تو اس سے ٹیک لگا دیتے اور وہ وجود عالی سے مس ہوتا۔ صحاح ستہ میں موجود ہے۔ مستند کتابوں میں، مستند حدیثوں میں موجود ہے کہ جب حضور ﷺ منبر پر بیٹھے تو وہ ستون اس طرح بلک بلک کر رویا کہ پوری مسجد نے اس کی آواز سنی، اس کی آہ و بکا سنی۔ مولوی رومی فرماتے ہیں۔

اُستنِ حنانہ در ہجر رسول
زار می نالد چوں اربابِ عقول

وہ زندہ انسانوں کی طرح شور کر رہا تھا اور ہچکیوں، سسکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔ حضور ﷺ اتنے کریم ہیں کہ اس کا رونا سن کر منبر پر سے نیچے تشریف لائے اسے جا کر سینے سے لگایا اور صحابہؓ کہتے ہیں کہ حنانہ ایک دم سے چپ نہیں ہوا جس طرح بچے کو بہلاؤ تو سسکیاں لے لے کر چپ کرتا ہے اس طرح ہچکو لے لے کر وہ چپ ہوا۔ محبتیں تو اس طرح بٹ رہی ہیں کہ جو بھی ذرا سا وجود عالی سے مس ہوتا تھا خشک لکڑی کا تنا تھا اس میں بھی عشق کے وصل کے اور جدائی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ اسے سمجھ آ گئی کہ آج محبوب کا وصال نہیں ہوگا۔ آج حضور ﷺ کا وجود عالی سے مس نہیں ہوگا تو ہمیں تو اللہ نے انسان بنایا ہے۔ حضور ﷺ کا دامان رحمت تھام کے تو دیکھو، ساتھ لگ کر تو دیکھو، ایمان لا کر تو دیکھو ہم تو انسان ہیں ہمیں تو اللہ نے انسانی دماغ، انسانی قلب عطا فرمایا ہے اور شعور بخشا ہے ذرا ہم قریب ہو کر تو دیکھیں۔ دامان رحمت کو تھام کر تو دیکھیں۔ حضور ﷺ کو اپنا کر تو دیکھیں خود کو حضور ﷺ کا غلام بنا کر تو دیکھیں۔ اللہ، اللہ، اللہ۔ محبت تو محبوب کی خوبی ہوتی ہے اور یہ ایسا محبوب ہے حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ اس بات پر سیر ہی

نہیں ہوتا کہ لوگ مجھ سے محبتیں لیں آپ ﷺ کی یہ تمنا اولاد آدم کے لیے ہے جب مومن کی بات آتی ہے تو فرمایا بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ مومنین کے ساتھ تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ یہ غلطیاں کرتے ہیں حضور ﷺ درگزر کرتے ہیں۔ وہ کوتاہیاں کرتے ہیں حضور ﷺ ان کی مغفرت کی دعا فرماتے ہیں لیکن یہ تب ہے جب دل کا رابطہ ہو جائے، دل مل جائے دل میں محبت رسول ﷺ آ جائے ورنہ کچھ نہیں بدلتا۔ ہم بیت اللہ کا طواف بھی کر آتے ہیں، منیٰ عرفات اور مزدلفہ سے بھی ہو آتے ہیں، روضہ اطہر پہ صلوٰۃ وسلام بھی پڑھ کر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو پھر وہی چوری، وہی جھوٹ، برائی ہمارے ساتھ ہوتی ہے کیوں ہوتی ہے؟ خشک لکڑی کا تنا بدل گیا اس میں بھی درد آ گیا۔ اس میں بھی ہجر و وصال کی سمجھ آ گئی، پتھروں درختوں کو شناخت آ گئی ہمیں کیوں نہیں آتی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم حج کو بھی ایک رسم سمجھتے ہیں اور اس میں بھی یہی سمجھتے ہیں کہ لوگ مجھے حاجی کہیں گے۔ میں وہاں سے سونا لے آؤں گا، کوئی زیورات لے کر آ جاؤں گا یہاں آ کر بیچ دوں گا۔ ایسی ویسی بات تو نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے کچھ ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ حج فرماتے تھے تو جو شیطانوں کو کنکریاں ماری جاتی تھیں وہ کوئی نہیں اٹھاتا تھا دن کو مارتے تھے رات کو غائب ہو جاتی تھیں تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ کنکریاں فرشتے اٹھا لیتے ہیں آج بھی قانون یہی ہے کہ حاجیوں کی کنکریاں فرشتے اٹھا لیتے ہیں تو میں نے یہ بات تفسیر قرآن اسرار التنزیل میں لکھ دی۔ ہمارے ایک ساتھی ہوتے تھے اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے ان کا وصال ہو گیا۔ ہنگو میں ان کا مدرسہ تھا۔ بہت پرلطف طبیعت کے آدمی تھے۔ عالم بھی تھے اعلیٰ ادیب بھی اور گہری نظر رکھنے والے دانشور بھی تھے۔ انہوں نے مجھے خط لکھا کہ حضرت آپ نے تفسیر میں لکھ دیا لیکن میں اس دفعہ حج پر گیا ہوا تھا گھر والے بھی ساتھ تھے تو میں نے تو منیٰ میں دیکھا کہ رات کو سعودیہ کے ٹرک کنکریاں اٹھا رہے ہیں۔ آپ نے لکھ دیا فرشتے اٹھا لیتے ہیں۔ میں نے انہیں جواباً لکھا کہ فرشتے اب بھی اٹھا لیتے ہیں لیکن حاجیوں کی اٹھاتے ہیں جو سیر و تفریح کرنے گئے ہوتے ہیں ان کی سعودیہ کے ٹرک ہی اٹھاتے ہیں جو اسے صرف ایک ذریعہ تجارت سمجھ کر جاتے ہیں، جو صرف حاجی کہلوانے کے شوق میں جاتے ہیں یا صرف اپنی امارت دکھانے کے لیے جاتے ہیں کہ جی ہم تو ہر سال حج کرتے ہیں۔ سال میں دس دس عمرے کرتے ہیں، پڑوس میں کوئی غریب بھوکا مر جائے تو اسے روٹی کا ٹکڑا نہیں دیتے۔ بیمار کو دوا نہیں دیتے اور حج ضرور کرتے ہیں کہ لوگ کہیں اس نے اتنے حج کیے ہیں ان کی کنکریاں سعودیہ کے ٹرک ہی اٹھائیں گے۔ جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے عشق میں آج بھی جاتا ہے اس کی کنکریاں فرشتے اٹھا لیتے ہیں اور حشر کو اس کے نامہ اعمال میں رکھی جائیں گی۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ فرمایا، تم میں، تم ہی میں سے مَیں نے اپنا رسول ﷺ بھیج دیا اور وہ آ چکا اور کسی آنے والے کا انتظار نہ کرو۔ جتنا جلدی ہو سکے بھاگ کر دامان رحمت کو تھام لو۔ پہلا کام یہ کرو کہ حضور ﷺ کا دامن تھام لو۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ وہ تمہارے لیے اتنا مہربان ہے اور یہ انسانیت کو خطاب ہے اس میں غیر مسلم بھی شامل ہیں کہ تم برائیاں کرتے ہو، گناہ کرتے ہو، میرے نبی ﷺ کو دکھ ہوتا ہے حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ تمہارے معاملے میں حرص کی حد تک چلے گئے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ سارے لوگ فیض یاب ہوں اور جو ایمان لے آئے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ان کے لیے تو رؤف اور رحیم ہیں۔ درد بانٹتے ہیں، عشق بانٹتے ہیں، طلب آخرت، طلب الٰہی بانٹتے ہیں۔ وصال الٰہی کی کیفیات بانٹتے ہیں۔

اس سب کے باوجود جب انسان اس نعمت سے رخ پھیر لیتے ہیں تو فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا اے میرے حبیب ﷺ! اگر یہ لوگ آپ کی ان ساری صفات کے باوجود آپ ﷺ سے رخ پھیریں تو پھر انہیں بتا دیجیے کہ لوگو! مجھے تمہاری کچھ غرض نہیں۔ مجھے تم سے کچھ لینا نہیں ہے۔ میں تمہیں بلا رہا ہوں کچھ دینے کے لیے لینا کچھ نہیں ہے۔ اگر تم نہیں آتے حَسْبِيَ اللّٰهُ تو مجھے میرا اللہ کافی ہے۔ کوئی بھی ایمان نہ لائے تو آپ ﷺ کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور ساری دنیا مسلمان ہو جائے تو آپ ﷺ کی عظمت قائم ہے۔ وہ ہماری محتاج نہیں ہے۔ یہ اللہ کی دی ہوئی عظمت ہے۔ فرمایا میرے حبیب! ﷺ جو آپ کا دامن تھامنے سے آج بھی بھاگے اسے یہ بتا دو میں تمہارا ضرورتمند نہیں ہوں۔ مجھے اللہ کافی ہے اور اللہ ایسا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ بے مثل و بے مثال ہستی ہے۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میرا بھروسہ تم لوگوں پر نہیں ہے کہ تم زیادہ نمازی ہو جاؤ گے تو میری طاقت بن جائے گی تم ایمان لاؤ گے تو مجھے کچھ ملے گا۔ نہیں۔ میرا بھروسہ اس اللہ پر ہے وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ 129 اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے خالق ہے، مالک ہے، چلانے والا ہے، سارے اوصاف وہی دینے والا ہے۔ وحدہٗ لاشریک ہے وہ عرش عظیم جہاں سے ساری کائنات کی باگ ڈور ہلائی جاتی ہے، جہاں سے ساری کائنات چلائی جاتی ہے۔ آج کی زبان میں جسے کائنات کا سیکرٹریٹ کہہ سکتے ہیں۔ وہ جو قرآن کریم میں ہے ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الاعراف: 54) تو اس کا معنیٰ علماء یہی فرماتے ہیں کہ اللہ کسی ایک جگہ مقید نہیں ہے ہر جگہ موجود ہے۔ عرش کو دنیا کا مرکز بنا دیا۔ اسی لیے دعا میں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں کہ عرش کی طرف ہاتھ کیے جائیں اور پوری دنیا کا نظام جہاں سے چلایا جاتا ہے وہاں کا وہ واحد مالک ہے میرا بھروسہ اس پر ہے میں لوگوں کا محتاج نہیں۔

سورۃ یونس رکوع 1 آیات 1 تا 10

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝١ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى
رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝٢ اِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِيْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ
الْاَمْرَ ۗ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۗ ذٰلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۗ
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝٣ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۗ وَعْدَ اللهِ حَقًّا ۗ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۗ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا
يَكْفُرُوْنَ ۝٤ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ
لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۗ مَا خَلَقَ اللهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٥ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللهُ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝٦ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا
وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ

النَّعِيْمِ ۝٩ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ
دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠

الرٰ یہ حکمت والی کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں ۝١ کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے
ان میں سے ایک شخص پر وحی بھیج دی کہ لوگوں کو (ان کے اعمال بد کے انجام پر)
ڈرائے اور جو ایمان لے آئیں ان کو خوش خبری دے کہ ان کے پروردگار کے ہاں
ان کا سچا درجہ ہے؟ کافر کہتے ہیں کہ یہ شخص تو بلا شبہ واضح طور پر جادوگر ہے ۝٢ بے
شک تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا پھر
عرش پر قائم ہوا وہی ہر کام کا انتظام فرماتا ہے کوئی (اس کے ہاں) اس کی اجازت
کے بغیر سفارش نہیں کر سکتا یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے سو اسی کی عبادت کرو بھلا تم
کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے ۝٣ اس کے پاس تم سب کو پلٹ کر جانا ہے اللہ نے
(اس کا) سچا وعدہ فرما رکھا ہے بے شک وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے وہی دوبارہ
بھی پیدا فرمائے گا تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کو
انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا
پانی ہے اور درد دینے والا عذاب اس لیے کہ (اللہ سے) کفر کرتے تھے ۝٤
وہی (اللہ) تو ہے جس نے سورج کو روشن کیا اور چاند کو نورانی (چمکنے والا) بنایا اور
اس (کی چال) کے لیے منزلیں مقرر فرمائیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا)
حساب معلوم کر سکو اللہ نے ان سب کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے یہ دلائل عقل
مندوں کو صاف صاف بتا رہے ہیں ۝٥ بلا شبہ رات اور دن کے ایک دوسرے کے
پیچھے آنے جانے اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمایا ہے اس میں
ڈرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ۝٦ بے شک جن لوگوں کو ہم سے ملنے پر یقین نہیں
ہے اور وہ دنیا ہی کی زندگی پر خوش اور اسی پر مطمئن ہو گئے ہیں اور وہ لوگ ہماری
نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں ۝٧ ان لوگوں کے اعمال کی وجہ سے ان کے رہنے کی

جگہ آگ ہے ⑧ یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کا پروردگار ان کے ایمان کی وجہ سے ان کو (جنت کی طرف) راہ دکھائے گا کہ ان نعمت کے باغوں کے تابع نہریں بہہ رہی ہیں ⑨ اس میں وہ بے ساختہ کہیں گے، سبحان اللہ۔ (اے اللہ! تو پاک ہے) اور وہاں (آپس میں) ان کی ملاقات سلام ہوگی اور ان کی آخری بات یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ⑩

تفسیر و معارف

سورۂ یونس شروع ہوتی ہے۔ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا اور ترتیب میں سورۂ توبہ کے بعد ہے۔ اس میں بھی عقائد و اعمال پر بحث ہے جیسی سورۂ توبہ میں آرہی تھی اور اس کے عقلی اور نقلی دلائل ارشاد فرمائے گئے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① حروفِ مقطعات قرآن کی کچھ سورتوں کے ابتدا میں آتے ہیں جن کے معنی اللہ کے اسرار میں سے ہیں۔ اللہ جانے، اللہ کا رسول ﷺ جانے یا راسخین فی العلم وہ لوگ جو راسخین فی العلم کا درجہ پالیتے ہیں انہیں ان کی شان یا حیثیت کے مطابق اللہ کریم آگاہ فرما دیں لیکن ان کی خوامخواہ تاویلیں کرنا درست نہیں ہے۔ حروف مقطعات قرآن کریم کا حصہ ہیں پڑھنے کا اتنا ہی ثواب ہے۔ ویسی ہی کیفیات نصیب ہوتی ہیں۔ ویسا ہی دل روشن ہوتا ہے اور معنی جاننا ضروری نہیں ہے۔ جیسے مریض دوا کھاتا ہے لیکن اس کے لیے یہ جاننا ضروری نہیں ہوتا کہ اس کے اجزاء کیا کیا ہیں۔ اس سے فائدہ ہو جاتا ہے، نفع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حروف مقطعات کے معنی میں بحث کرنا درست نہیں یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ایک بھید ہے لیکن پڑھنے سے دل روشن ہوتا ہے، ثواب ہوتا ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں۔ جو اجر جو کیفیت ان آیات کی ہے جن کے معنی ہم سمجھتے ہیں اسی طرح کی کیفیات ان پر بھی وارد ہوتی ہیں۔

فرمایا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ یہ آیات بہت بڑی حکمت والی کتاب کی ہیں۔ حکمت، دانائی کا مفہوم یہ ہے، حکمت و دانائی یہ ہے کہ ہر کام کو اس کے صحیح موقع پر اور صحیح طریقہ پر کیا جائے۔ یعنی نہ کام کرنے میں کوئی غلطی یا کمی ہو اور نہ اس کے وقت میں کوئی تقدیم و تاخیر ہو کہ وقت سے پہلے کر دیا یا وقت گزر گیا تو بعد میں کیا۔ اوقات بھی درست ہوں اور اس کا طریقہ اور وہ کام بھی صحیح ہو اور وہ پورا پورا انجام پائے۔ تو فرمایا یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں جتنے احکام ہیں وہ عقائد کے بارے میں ہیں یا اعمال کے بارے میں۔ زندگی کے بارے میں ہیں یا آخرت کے

بارے میں۔ انبیاؑ کے بارے میں ہیں یا گناہ گاروں کے بارے میں غرض جو کچھ اس کتاب میں ارشاد فرمایا وہ سراپا حکمت و دانائی اور پورا پورا سچا کھلا ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں اور کسی غلطی کا کوئی امکان نہیں اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا عجیب بات ہے لوگ اس بات پر حیران ہوتے ہیں۔ کفار کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ کہ ان میں سے ایک انسان پر، ایک فرد پر ہم نے وحی نازل فرمائی اور اس کی ذمہ داری لگائی کہ وہ لوگوں کو آنے والے خطرات سے بروقت آگاہ فرمائے یعنی یہ کتاب حکمت ہے، عقل و دانش کی بات کرتی ہے لیکن یہ مشرکین و کفار اس بات پر یہ حیران ہوتے ہیں کہ ایک آدمی ہم جیسا ہی انسان ہے، کھاتا پیتا ہے، شادی کرتا ہے، گھر بار رکھتا ہے، سوتا جاگتا ہے اور اس پر وحی نازل ہونا شروع ہو گئی تو مقصد یہ ہے کہ اگر عقلاً بھی سوچیں کہ اگر وحی ء الٰہی کے لیے کسی فرشتے کو مامور کیا جاتا تو فرشتے کو کون دیکھتا، اس کی بات کون سنتا یا فرشتے کو پھر انسانی شکل میں آنا پڑتا کہ لوگ اس کی بات سنیں اور سمجھیں۔ اگر جنات میں سے کسی کو نبوت عطا کی جاتی تو جن کو کون دیکھتا، کون اس کی بات سن سکتا اور پھر جن کو انسانی شکل میں آنا پڑتا۔ فرشتہ اور جن اگر انسانی شکل میں بھی آتے تو ان کی ضروریات الگ ہیں انسان کی ضروریات الگ ہیں۔ انسان کو غذا کی ضرورت ہے لیکن فرشتہ غذا کا محتاج ہی نہیں ہے۔ انسان سوتا جاگتا ہے، فرشتے کو نیند بیداری کی بھی کوئی احتیاج نہیں۔ اس میں نفس ہے ہی نہیں۔ جنات میں اگر نفس ہے تو اس کی خوراک اپنی ہے کس طرح کی ہے، ان کے اوقات کیا ہیں، ان کا طرز حیات کیا ہے، انسانوں جیسا تو نہیں ہے اور فرشتہ یا جن اگر انسانی شکل میں بھی آ جاتا تو اس کی ضروریات مختلف ہوتیں انسانوں کی ضروریات مختلف ہوتیں۔ اوّل تو انسان اس کی بات نہ سمجھ سکتے اگر سمجھتے تو پھر کہتے بھئی تم تو ان احکامات پر عمل کر سکتے ہو تم فرشتے ہو۔ ہم کیسے کر سکتے ہیں یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا۔

پھر اللہ کریم نے انسانوں میں نبوت عطا فرمائی، انسانیت کو نوازا اور اشرف المخلوقات بنایا۔ پھر صرف انسانوں کو معرفتِ باری کی استعداد دی۔ یہ استعداد نہ فرشتوں میں ہے نہ جنات میں ہے اسی لیے انسانیت شرف پا گئی کہ انبیاء اس میں سے ہوئے ہیں۔ نبوت اس کو عطا ہوئی اور فرمایا پھر نبیؑ سب سے پہلا کام جو کرتا ہے وہ یہ کرتا ہے کہ انسان کو آنے والے عظیم خطرات سے بروقت مطلع اور متنبہ فرما دیتا ہے فرمایا، اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ لوگوں کو ڈرائیں۔ انذار کا معنی ڈرانا ہے لیکن انذار اس طرح کا ڈرانا ہوتا ہے جیسے کوئی شخص ایک دیوار ٹیڑھی میڑھی بنا رہا ہے کوئی سمجھدار دیکھتا ہے تو کہتا ہے بھائی اس پر جب چھت ڈالو گے تو یہ وزن نہیں اٹھائے گی یہ تمہیں تمہارے بچوں سمیت نیچے دبا دے گی۔ یعنی جو تم کر رہے ہو یہ صحیح نہیں ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا یا اس طرح ہو کہ ایک شخص کوئی چیز کھانے لگتا ہے ایک دانا حکیم یا ڈاکٹر دیکھے تو کہتا ہے اس سے تمہیں بدہضمی ہو جائے گی تمہارا پیٹ خراب ہو جائے گا۔ ڈاکٹروں کی

نظر تو دنیوی حالات تک رہتی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ آخرت تک ہوتی ہے اللہ انہیں آخرت کے حالات سے آگاہ فرماتے ہیں اور وہ انسانوں کو بتاتے ہیں کہ تمہارا یہ عقیدہ یہ آخرت میں تمہیں جہنم میں لے جائے گا لہٰذا اس سے تم بچو اسے چھوڑ دو۔ تمہارے اس عمل کا نتیجہ آخرت میں سزا کی صورت پر نکلے گا تو انجام بد سے بروقت آگاہ کرنا انذار ہے۔ انبیاء اسی لیے مبعوث ہوئے کہ لوگوں کو ان خطرات سے دنیا ہی میں آگاہ کر دیں جن سے انہیں خود مرنے کے بعد خبر ہوگی۔ قبر میں جائیں گے تو سمجھ آئے گی۔ برزخ میں جائیں گے تو آنکھ کھلے گی لیکن اس وقت تو عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوگا، توبہ کا موسم بیت گیا ہوگا تو اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے رسالت عالم انسانیت میں عطا فرمائی انسانیت کو اس سے شرف بخشا پھر انسان کا انسان سے استفادہ کرنا بہت سہل ہو گیا۔ فرمایا نبیؑ لوگوں کو انجام بد سے بروقت دنیوی زندگی میں مطلع فرماتا ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اور دوسرا کام نبیؑ کا یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئیں انہیں بشارت دے، انہیں خوشخبری دے اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ کہ ایمان لانا سچائی میں قدم رکھنا ہے، سچائی پر کھڑا ہونا ہے یعنی اللہ کے روبرو سچائی پر جم جانا۔ یہاں اسم ذات استعمال نہیں ہوا عِنْدَ رَبِّهِمْ صفاتی اسم ربّ استعمال ہوا ہے چونکہ ایمان عطا کرنا اعمال کی توفیق دینا اور ان پر اجر عظیم عطا کرنا یہ بھی صفتِ ربوبیت کا تقاضا ہے۔ اس کا تعلق بھی اللہ کی صفتِ ربوبیت سے ہے اس لیے یہاں صفاتی نام ربّ استعمال ہوا کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ سچائی پر جم کر اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہو جاتے ہیں یہ بشارت مومنین کو دی گئی ہے۔ ہر وہ شخص جو دعویٰ ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ غور کا مقام ہے کہ جب آدمی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں سچ کے ساتھ ہوں تو پھر وہ سچ کہاں ہے۔ سچ اللہ کے قرآن میں ہے سچ اللہ کے نبی ﷺ کے ارشادات میں ہے سچ اللہ کے نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہے سچ اللہ کے نبی ﷺ کے احکام میں ہے تو اس آیہ کریمہ سے یہ بھی سمجھ آیا کہ اگر کوئی اللہ کے ساتھ وفا کرتا ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرتا ہے، اپنے پورے خلوص کے ساتھ کرتا ہے تو وہ سچ کے ساتھ ہے۔ اس کا ایمان درست ہے، اگر کوئی دعویٰ ایمان کرتا ہے اور پیغمبر ﷺ کا اتباع نہیں کرتا اللہ کی اطاعت نہیں کرتا، فرائض ادا نہیں کرتا، حلال نہیں کھاتا، جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتا اس کا کیا مطلب ہے؟ ہم تو نہیں کہہ سکتے کہ اس کا ایمان صحیح نہیں ہے لیکن اللہ کے پاس جب جائے گا تو سوال پیدا ہو جائے گا کہ تم نے حق اور سچائی پر قائم رہنے کا دعویٰ تو کیا تھا لیکن کھڑے کہاں رہے؟ تم نے حق پر قائم رہنے کا دعویٰ تو کیا تھا دنیا میں تم کس ڈگر پر چلتے رہے کس کا ساتھ دیتے رہے؟ ایمان تو حق پر قائم رہنے کا نام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ تمام آئمہ فقہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان اعمال کا نام ہے اگر اعمال درست نہیں ہوں گے تو ایمان درست نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں ایمان لایا، کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو یہ

بھی تو ایک عمل ہے اسے بھی تو قبول کرلیں ایمان اعمال ہی کا نام ہے تو یہ دعویٰ کرنا تو ایک عمل ہے لیکن پھر سب آئمہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ کوئی ایمان لاتا ہے اور ترکِ صلوٰۃ کر دیتا ہے، نمازیں ادا نہیں کرتا تو اسے ایک مرتبہ کہا جائے دو مرتبہ کہا جائے تین مرتبہ کہا جائے اگر پھر بھی وہ نمازیں ادا نہیں کرتا تو واجب القتل ہے۔ حکومتِ اسلامیہ اسے قتل کرے، مسلمان اس کا جنازہ نہ پڑھیں اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ یہ فقہ کا اصول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں اسے قتل نہ کیا جائے قید کر دیا جائے اور موقع دیا جائے کہ وہ توبہ کرلے لیکن اگر قید میں بھی مر جاتا ہے اور نماز ادا نہیں کرتا پھر اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔

اب اگر ایمان کی تشریح یہ ہے تو ہم اپنے ارد گرد دیکھیں تو ہم میں سے کتنے لوگ اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ دل کا حال تو رب جانے یہ تو ایمان کی ظاہری شرائط ہیں وہ بھی کہاں پوری ہوتی ہیں۔

فرمایا تمہیں یہ بڑا عجیب لگتا ہے کہ اللہ نے ایک انسان کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور پھر وہ آخرت کی اور دنیا کی بھی وہ خبریں دیتا ہے جو بالکل سچ ہوتی ہیں تو کافر تو کہتے تھے قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۞ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر ہے چونکہ اس وقت جادوگر ہی قوم کے پیشوا بنے ہوتے تھے اللہ معاف فرمائے آج تو جادو اتنا عام ہوگیا ہے کہ مسلمانوں میں بھی اکثر کے پیشوا جادوگر ہی بنے ہوئے ہیں حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔ پتہ نہیں لوگوں کو اللہ کریم پر یقین نہیں رہا، نبوت پر ایمان نہیں رہا کہ جادوگروں کے پاس جاتے ہیں۔ ان کے پاس کیا لینے جاتے ہیں؟

فرمایا! چونکہ ان کے پیشوا جادوگر ہوتے تھے اور وہ غیب جاننے کی ڈینگیں مارتے تھے کوئی بات سچ ہوگئی کوئی جھوٹ ہوگئی تو جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیب سے مطلع فرمایا، آخرت کی خبریں دیں اور دنیا کے امور کے نتائج کی خبریں دیں تو کہنے لگے یہ کوئی بڑا جادوگر ہے یعنی ان کے ذہن میں وہی بات بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ کام جادوگر ہی کرتے ہیں۔ فرمایا ایسی بات نہیں ہے اور میرا رسول ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتا ہے، اللہ سے علم حاصل کر کے تمہیں آگاہ فرماتا ہے تم ایک انسان کو نبیؑ بنانے پر پریشان ہو۔ بنی آدم میں انسانوں کے نبیؑ ہونے کی بات نقلاً بھی پہلی کتابوں سے، پہلی اُمتوں سے تاریخ انسانی میں چلی آرہی ہے۔ عقلاً بھی ثابت ہے نقلاً بھی ثابت ہے۔ رہی عظمتِ الٰہی تو فرمایا تمہارا پروردگار تو وہ عظیم ہستی ہے، بے مثل و بے مثال ہستی ہے کہ تمہارا پروردگار تو اللہ ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ تمہارا پروردگار، تمہارا پالنہار، تمہیں پیدا کرنے والا، وجود دینے والا، حواس دینے والا، دل دماغ دینے والا، رزق عمر دینے والا، صحت و بیماری بھیجنے والا، اولاد دینے والا، رتبے دینے والا وہ تو ایک ہے وحدہٗ لاشریک اللہ اور تم ایک انسانی وجود

کی بات کررہے ہو وہ تو ہستی ہے الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ اس نے سارے آسمان اور زمین چھ دنوں میں بنائے۔ آسمان کی باتیں تو جانے دیجیے ہمارے پاس وہی خبر کافی ہے جو انبیاء نے، اللہ کی کتابوں نے دی اور جو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ زمین پر تو دنیا کو تحقیقات کرتے ہوئے کتنا عرصہ بیت گیا۔ کب سے انسانیت آباد اور کب سے وہ اس جستجو میں لگی ہوئی ہے ابھی تک تو آج کے جو بڑے عظیم سائنسدان ہیں کہتے ہیں کہ ہم شائد سو میں سے نو حصے بھی نہیں جان سکے۔ یعنی روز نئی تحقیق ہوتی ہے۔ آج ہمارے لیے سائنسی ایجادات کوئی نئی بات نہیں ہم سنتے ہیں کہ ایٹم بم بنا پہلا بم ہیروشیما پہ چلا تھا وغیرہ لیکن اس جنگ عظیم دوم سے پہلے تو کوئی ایٹم بم سے واقف نہیں تھا۔ یہ کل کی بات ہے ہماری آنکھوں دیکھی بات ہے پہلے کوئی اس سے واقف نہیں تھا تو کتنی ہی عجیب عجیب چیزیں روزانہ دریافت ہوتی ہیں۔ اب پتہ نہیں کتنی ایسی ہیں جو انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں بعد میں آنے والوں پر منکشف ہوں گی۔ سمجھنے کے لیے یہ بہت سادہ مثال ہے کہ ہمارے باپ دادا یہیں عمر بسر کر گئے کسی کو خبر نہیں تھی کہ ان پہاڑوں میں کوئلے کے ذخائر ہیں اور یہ کہ کوئلہ کروڑوں روپے کا بک سکتا ہے وہ بھیڑ بکریاں، جانور چراتے رہے اور یہیں پر عمر بسر کر گئے انہیں تو کوئی خبر نہیں ہوئی۔ ہم نے ساری عمر کام کیا، کوئلے کا کاروبار کیا اور کر رہے ہیں۔ آج کوئلے کے ساتھ مٹی بیچ رہے ہیں کل تک ہمیں تو کوئی خبر نہیں تھی کہ یہ فلاں مٹی ہے اور یہ فلاں جگہ استعمال ہوتی ہے اور یہ مٹی آج سونے کے بھاؤ بک رہی ہے۔ کیا کیا حکمتیں، کیا کیا خزانے چھوٹی سی زمین میں ہیں کہ کروڑوں برس گزر گئے انسانوں کو اس پر بستے، اس کو کریدتے اس پر ہل چلاتے پھر نئی چیزیں نکل آتی ہیں۔ پھر عجیب وغریب چیزیں نکل آتی ہیں فرمایا تم تو زمینی حقائق کو بھی نہیں جان سکے تو وہ تو ایسا قادر ہے جس نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو ساری خصوصیات سمیت مکمل فرما دیا۔

حکمت الٰہی:

اللہ کریم تو قادر مطلق ہے وہ چاہتا تو ایک حکم دیتا سب کچھ آن واحد میں ہو جاتا۔ اس کے سارے کاموں میں حکمت اور تدبیر شامل ہے۔ اس نے چھ دن میں انہیں ترتیب اور ترویج سے بنایا۔ اور وہ دن کتنا لمبا تھا یہ اللہ جانے ہمارا دن تو الحمد للہ آٹھ دس گھنٹے میں ختم ہو جاتا ہے رب کے دن پتہ نہیں کس حساب کے تھے قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہے وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج:47) اللہ کے نزدیک زمین پر ایک ہزار سال گزر جاتا ہے تو آسمانوں پر ایک دن گزرتا ہے۔ اب کون سے وہ چھ دن تھے وہ ہزار سال والے تھے یا ایک دن پچاس ہزار سال کا بھی ہوگا وہ پچاس ہزار سال والے تھے یہ اللہ کریم جانتا ہے۔ اس کے دن تھے اس کا مطلب یہ ہے نظام

کائنات میں اللہ کریم نے ایک تدریج رکھی ہے کہ چیزیں درجہ بدرجہ ترتیب پاتی چلی جاتی ہیں یہ سنت الٰہی ہے۔ایک دانہ زمین میں ڈالتے ہیں، ایک کونپل نکلتی ہے پھر تنکے بنتے ہیں پھر وہ پودا بنتا ہے پھراس پر سٹے آتے ہیں پھران میں دانے بنتے ہیں تو ایک کونپل یہ پتہ نہیں کتنے سٹے ہوجاتے ہیں ایک دانے کے سینکڑوں دانے ہوجاتے ہیں لیکن اپنے وقت پراپنی ترتیب کے ساتھ۔تو کفار یہ بھی کہتے تھے اگر ہم غلط ہیں اگر ہم نافرمانی کررہے ہیں تو پھر ہم پر عذاب آجائے فرمایا آجائے گا لیکن نظام کائنات میں ترتیب ہے۔اس کا وقت بھی آئے گا۔اگر تم کفر پر ہی رہے اوراسی برائی پر رہے تواپنے وقت پروہ بھی آجائے گا۔گھبراؤ نہیں اللہ کے نزدیک اندھیر نہیں ہے ترتیب ہے تمہیں مہلت دے رکھی ہے پھر وہ اتنا کریم ہے کہ تمہارے پاس نبی مبعوث فرمادیے تمہیں نجات کا راستہ بتادیا، تمہیں نجات کا وسیلہ اور ذریعہ بتادیا اب اگر اس کو بھی ٹھکرادوگے تو پھر اس ترتیب سے آہستہ آہستہ عذاب کے قریب جارہے ہو جس کی انبیاءؑ تمہیں خبر دے رہے ہیں۔فرمایا اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے اور وہ ایسا قادر ہے کہ سورج، چاند ستارے، آسمان، آسمانی مخلوق کس ترتیب سے آسمان میں کیا کیا بنایا ہے زمین جو بے شمار سیاروں میں سے ایک چھوٹا سا سیارہ ہے اسی کو دیکھ لو اس کی خصوصیات سے حتمی طور پر آگاہ نہیں ہوسکے۔تم کب سے لگے ہو آج تک اس کی خصوصیات کو مکمل طور پر نہیں جان سکے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سب کچھ جان لیا ہے تو کیا کیا حکمتیں، کیا کیا نعمتیں، کیا کیا کاریگری اس نے کہاں کہاں رکھی ہے؟ وہ ایسا عظیم قادر ہے لیکن یہ یاد رکھو اس نے ہر چیز ترتیب سے بنائی ہے اور ہر کام کا نتیجہ اس کے بعد آجاتا ہے۔اگر تم انبیاءؑ کی تکذیب کروگے، نافرمانی کروگے تو اپنے وقت پر اس کا نتیجہ بھی آجائے گا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ پھر وہ عرش پر قائم ہوا اسْتَوٰى۔اردو محاورے میں کہیں گے وہ جلوہ افروز ہوا۔

معتزلہ کا عقیدہ:

معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کریم عرش پر کرسی پر تشریف فرما ہے اور اپنے علم سے ہر جگہ حاضر ہے اس کا علم ہر جگہ موجود ہے اسے ہر جگہ کی خبر ہے لیکن خود وہ عرش پر تشریف فرما ہے۔اہل سنت میں علما، علم الکلام، علم تفسیر اور محدثین نے اس کے بڑے مدلل جواب دیے ہیں اور سادہ سا کلیہ ہے کہ جو ہستی ایک جگہ بیٹھ جاتی ہے اس کا مطلب ہے کہ اس کی کچھ حدود ہیں جو ایک کرسی میں سما جائے اس کی حدود ہیں اور جو شئے حدود کے اندر ہوتی ہے، محدود ہوتی ہے وہ فانی ہے۔وہ معبود نہیں ہوسکتی۔لہٰذا اللہ کے لیے یہ عقیدہ درست نہیں ہے۔

اللہ کریم ہر جگہ موجود ہیں ہاں اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ کی تفسیر خود قرآن نے اگلے دو الفاظ میں کردی فرمایا يُدَبِّرُ الْاَمْرَ یہ دو الفاظ اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ زمین کا، ستاروں سیاروں کا سارا نظام بنا کر اس کا مرکز عرش عظیم کو بنا دیا جس کی سلطنت اس کے اپنے دست قدرت میں ہے جس طرح پورے ملک کا ایک سیکرٹریٹ ہوتا ہے جہاں سے سارے ملک پر حکومت کی جاتی ہے اس طرح ارض و سماء کا، زمینوں آسمانوں، چاند تاروں، سورج سیاروں سب کا ایک مرکز عرش عظیم بنا دیا گیا جہاں سے حکومت کی جاتی ہے۔ سارے فیصلے ہوتے ہیں، ہر کام ہوتا ہے اور وہ سارا اس وحدہٗ لاشریک کے دست قدرت میں ہے اس کا کوئی حصہ دار نہیں۔ کوئی اسے رائے دینے کا حق نہیں رکھتا، مامن شفیع کوئی سفارش نہیں کر سکتا حتیٰ کہ سفارش کرنے کے لیے بھی اس کی اجازت چاہیے۔ کس کی سفارش، کیا سفارش کی جا سکتی ہے یہ اجازت بھی وہ دیتا ہے اور کس کے لیے کی جا سکتی ہے یہ بھی وہ اجازت دیتا ہے۔ سفارش بھی ایسی نہیں کہ ہر بندے کی سفارش ہو جائے۔ کون سفارش کر سکتا ہے یہ اجازت بھی اس کی ہے اور کس کے لیے کر سکتا ہے یہ اجازت بھی اس کی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ:255) کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں سفارش کرے۔ تو وہی ہستیاں سفارش کریں گی جو اس کی مقرب ہیں اور جنہیں اس نے یہ اجازت اور توفیق دی ہے اور جن کے لیے اجازت بخشی ہے ان کی ہی سفارش کریں گی ہر کس و ناکس کی نہیں، جیسے مشرکین اور منافقین کے جنازہ پڑھنے سے حضور ﷺ کو روک دیا گیا، کفر پر مرنے والوں کے لیے دعا فرمانے سے روک دیا گیا یا منع کر دیا گیا تو مشرکین اور منافقین کی سفارش کون کرے گا، جب حضور ﷺ کو روک دیا گیا تو اور کون سفارش کرے گا۔ سو فرمایا تمہارے یہ جو عقیدے ہیں کہ ہمارا یہ بت ایک بڑے الٰہ کے سامنے ہماری سفارش کرے گا اور تم کہتے ہو کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن ہم براہ راست تو اسے نہیں کہہ سکتے اس لیے بت کی پوجا کرتے ہیں کہ یہ بت ہماری سفارش کرے گا ہم اس کی پوجا اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں الٰہ کے نزدیک پہنچا دے گا۔ فرمایا یہ سب جھوٹ ہے فضول ہے اور وہم ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور اس تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے جو اس نے اپنا نبی ﷺ مبعوث فرما دیا اور اللہ کے نبی ﷺ نے جو راستہ بتا دیا اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ نہ کوئی وہاں سفارش کرنے والا ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ساری قدرتوں کا مالک اور ساری شان کا مالک تمہارا پروردگار اللہ ہے فَاعْبُدُوْهُ اس اکیلے کی عبادت کرو۔

عبادت وسیع المعانی لفظ ہے ہم نے تو عبادات اور معاملات کو الگ کر دیا ہے کہ نماز روزہ، حج زکوٰۃ ہی عبادت ہے حالانکہ تمام معمولات زندگی، اٹھنا بیٹھنا سونا، جاگنا، بولنا چالنا، لینا دینا دوستی دشمنی ہر کام اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کرے گا تو عبادت ہے اور اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہے تو

نافرمانی ہے۔ سیدھا سیدھا اصول ہے اور اللہ نے عبادات میں کوئی ایسا حکم ارشاد نہیں فرمایا جو بندہ نہ کرسکتا ہو۔ جو کام بندہ نہیں کرسکتا وہ اس کا مکلف نہیں ہے اس کا اس سے حساب ہی نہیں ہوگا، لیکن جو کرسکتا ہے وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہو تو اس کی ساری زندگی عبادت ہوگی حتیٰ کہ حضور ﷺ نے فرمایا عشاء کی نماز ادا کر کے جو سوگیا اور فجر کو اٹھ کر پھر باجماعت نماز ادا کرلی تو اس کی ساری رات عبادت شمار ہوگی سونا بھی عبادت ہوگیا، کھانا پینا بھی عبادت ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا مومن حلال روزی کماتا ہے اللہ کی عبادت ہے، گھر لاتا ہے، بیوی بچوں کو کھلاتا ہے تو اس کا صدقہ شمار ہوتا ہے، یارسول اللہ ﷺ بیوی بچوں کو کھلانا تو اس کی ذمہ داری تھی بیوی بچوں کو کھلاتا ہے تو اس پر ثواب کیا۔ فرمایا تو جو ذمہ داری پوری کرتا ہے اسی پر تو ثواب ملتا ہے یہی تو عبادت ہے کہ جو حکم اللہ نے دیا ہے پورا کرو۔ تو مومن کی تو ساری زندگی عبادت ہے اور کفر ایسی مصیبت ہے کہ ساری زندگی نافرمانی کی نذر ہوگئی۔

فرمایا: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ اس بلندی شان کا مالک وحدہٗ لاشریک اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے تمہاری ساری ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ تمہارے ہر حال سے واقف ہے اور تمہارے ایک ایک جزو بدن میں اپنی قدرت کاملہ سے حیات سموئے ہوئے ہے۔ جدید سائنس کہتی ہے کہ ایک انسان کے وجود میں چھ کھرب سیل ہیں۔ اگر کسی کا قد لمبا ہے تو اس کے سیل بڑے ہیں کسی کا قد چھوٹا ہے تو سیل چھوٹے ہیں تعداد ہر بدن میں چھ کھرب ہے دنیا کی آبادی ابھی چھ ارب ہے اور ایک بندے کے وجود میں چھ کھرب باڈی سیل (Body Cell) ہیں اور ہر سیل میں رات اور دن موجود ہیں منفی مثبت بجلی موجود ہے۔ ماہرین کہتے ہیں ہر سیل میں ایک کتاب موجود ہے اگر وہ کھول کے پڑھ لی جائے تو اس فرد کی زندگی کی ایک ایک بات اس میں درج ہے حتیٰ کہ یہاں تک موجود ہے کہ کب اس کا ایک بال سفید ہوگا، کب اس کے دانت میں درد ہوگا، عمر کے کس حصے میں بینائی کم ہوگی۔ فرمایا ایک ایک بات جو بدن پر گزرتی ہے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک ہر سیل میں گویا وجود میں چھ کھرب کتابیں موجود ہیں جن پر وہ سب لکھا ہوا ہے ان سیلوں کو کون چلا رہا ہے، ان میں جو مثبت منفی بجلی ہے وہ کس نے پیدا کی ہے، اسے کون قائم رکھے ہوئے ہے۔ جب بجلی چمکتی ہے آسمانوں پر تو زمین کو روشن کردیتی ہے اتنی گرج آتی ہے کہ دل لرز اٹھتا ہے۔ ہزاروں بار جہاز میں بیٹھ کر بادلوں سے گزرے کوئی بجلی نظر نہیں آئی کسی جہاز سے نہیں ٹکرائی کوئی روشنی نظر نہیں آئی لیکن جب چمکتی ہے تو آنکھوں کو خیرہ کردیتی ہے یہ کس نے رکھی ہوئی ہے کہاں رکھی ہوئی ہے؟ انسانی بدن کے ہر سیل میں مثبت منفی بجلی موجود ہے چھ کھرب سیل میں چھ کھرب بیٹریاں ہیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں وہ آپس میں شارٹ نہیں ہوتیں کس نے روکا ہوا ہے؟ کون ہوا چلا رہا ہے جب ہم تنہا ہوتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہم نہیں جانتے کہ ہمارے اندر جو ہو رہا ہے وہ بھی وہ دیکھ رہا ہے اسی کے دست قدرت میں ہے۔ ایک ایک سیل اس کے دست قدرت

میں ہے۔اسی لیے فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:16) میں شہ رگ سے بھی زیادہ اس انسان کے قریب ہوں۔شہ رگ بھی سیلوں سے بنتی ہے۔شہ رگ میں جو خون دوڑ رہا ہے انہیں سیلوں سے بنتا ہے اس خون میں بھی سیل ہیں اس شہ رگ میں بھی سیل ہیں تو وہ تو ان سیلوں کے اندر بھی بیٹھا ہوتا ہے اب اس کے باوجود ہم اس کا اقرار نہ کریں اور اللہ کی نافرمانی کریں تو کیا ہوگا۔اس کی سزا کی کوئی حد ہوسکتی ہے۔اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ 3 فرمایا یہ سب دیکھ کر تمہیں نصیحت نہیں آتی تھی، تمہیں سمجھ نہیں آتی اللہ کی نافرمانی کرتے ہو۔تم اللہ کے نبیؐ کی بات نہیں مانتے یہ سب کچھ سننے کی بعد تمہیں سمجھ نہیں آتی؟

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ایک بات اور سن لو تو جدھر سے آئے ہو تمہیں ادھر کو واپس جانا ہے۔جس مالک نے تمہیں عدم سے وجود دیا ہے اس نے اپنی مخلوق اس لیے نہیں بنائی کہ کھلونا بنا کر اسے توڑ دیا جائے۔نہیں۔انسان کے لیے اس نے کائنات میں سب کچھ بنایا۔سورج کی روشنی انسان کی خدمت کرتی ہے چاند کی چاندنی انسان کی خدمت کرتی ہے۔ستاروں کا طلوع و غروب ہونا، موسموں کا آنا جانا، شب و روز کا آنا جانا، برسات اور بہاریں ہر شئے انسانکی خدمت کرتی ہے۔روئے زمین کی ساری چیزیں جڑی بوٹیوں سے درختوں تک نہروں سے دریاؤں تک، چشموں سے زمینوں تک ہر چیز انسان کی خدمت پر لگی ہے تو انسان کو ایسے ہی کھلونے کی طرح توڑ کر پھینک دیا جائے گا؟ نہیں یہ نہیں ہوگا۔انسان ہمیشہ رہے گا اور زندگی گزار کر اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا تم سب کو لوٹ کر اسی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے یہ اس کا وعدہ ہے وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اور اللہ کا وعدہ حق ہوتا ہے اس میں شبے کی گنجائش نہیں ہے۔

فرمایا: اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ بداع کہتے ہیں عدم سے وجود میں لانا يَبْدَؤُا الْخَلْقَ جس نے مخلوق کو عدم سے وجود عطا کیا۔تم کہتے ہو مر جائیں گے مٹی کھا جائے گی پھر کون زندہ ہوگا۔اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ مٹی میں مٹی مل کر بھی تمہاری مٹی تو باقی رہے گی۔سیل تو باقی ہوں گے جن سیلوں سے وجود بنا ہے انہیں جلا دو تو اس راکھ میں بھی وہ سیل باقی ہیں انہیں خاک بناؤ خاک بھی تو سیلوں ہی سے بنی ہوئی ہے اس میں مل جائیں گے لیکن جب نہ مٹی تھی نہ خاک تھی، عدم تھا، کچھ بھی نہیں تھا تو اس نے ساری کائنات کو پیدا کر دیا۔دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے کون سا مشکل ہے! جب کچھ تھا ہی نہیں تو اس نے ہر چیز کو وجود عطا فرمایا یقیناً وہ تمہیں دوبارہ بھی پیدا کر لے گا۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ تاکہ جن لوگوں نے اس دنیا میں اس کی عظمت کو مانا اس کے انبیاءؑ کی تصدیق کی انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔یہ آیت بھی ثابت کر رہی ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ عمل صالح ہو جائے۔اگر اعمال میں مثبت تبدیلی نہیں آئی تو پھر ایمان کمزور ہے۔ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ پھر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے۔تو فرمایا جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے انہیں پورے

عدل کے ساتھ۔ بِالْقِسْطِ پورے انصاف کے ساتھ انعامات سے اوران کی جزا سے نوازا جائے گا اور جنہوں نے کفر کیا اللہ کی نافرمانی کی انبیاء کی نافرمانی کی لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ 4 ان کے لیے دوزخ کے کھولتے ہوئے پانی اور دردناک عذاب ہوں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے کفر کیا۔اللہ کے نبیؐ کی نافرمانی کی، ایمان نہیں لائے تو اگر یہ عقیدہ ہو کہ اسی دنیا میں انسان مرجائیں اور قصہ ختم تو پھر نیکی اور بدی میں تو کوئی تمیز نہ رہی۔ پھر تو چور ڈاکو فائدے میں رہے جو لوٹ کر کھاتے رہے عیش کرتے رہے۔ پھر تو رشوت لینے والے اور رشوت دے کر فائدہ اٹھانے والے فائدے میں رہے۔ اگر انصاف نہ ہو تو پھر عدل الٰہی کہاں گیا؟ یہ تو اللہ کے انصاف کا تقاضا ہے کہ سب کو ایک میدان میں اکٹھا کر دے گا۔سب کو پتہ چلے گا کہ ایمان لانے والے کیا جیتے اور کفر کرنے والے کیا ہارے۔

اللہ کریم ہمیں ایمانِ خالص کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا ایمان قبول فرمائے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے۔آمین ثم آمین

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وہی قادر و قیوم ہے وہی خلاقِ عالم ہے اور اسی کی تخلیق ہے جس نے سورج کو روشن کیا۔قرآن کریم جب نازل ہو رہا تھا جدید ظاہری علوم کا وجود نہیں تھا اور صدیوں بعد بھی سائنس بھٹک رہی تھی کبھی کہتے تھے سورج ساکن ہے اور زمین گھوم رہی ہے اور کبھی کہتے تھے کہ زمین ساکن ہے سورج اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ یہ بات اللہ کریم نے ارشاد فرمائی کہ اللہ وہ خلاق عالم ہے جس نے سورج کو روشن بنایا۔سورج کی روشنی ذاتی ہے سورج ذاتی طور پر روشن ہے۔وَّالْقَمَرَ نُوْرًا اور چاند کو چمکنے والا بنایا۔یعنی دوسرے کی روشنی سے چمک حاصل کرتا ہے۔ پھر صرف یہی بات نہیں وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ان کے راستے اور منازل مقرر کر دیے۔کروڑہا برس سے جب سے بنے ہیں اپنے معین راستوں پر چل رہے ہیں پر سورج بھی چل رہا ہے اور معین منازل پر چل رہا ہے۔راستہ بھی معین ہے اور منازل بھی معین ہیں کہ کتنے وقت میں تم نے کتنا سفر کرنا ہے کتنی دیر میں تم نے کتنا چلنا ہے۔ایک دن میں رات میں کتنا چلنا ہے مہینے میں کتنا چلنا ہے اور معین راستہ ہے اور معین منازل ہیں سورج بھی چل رہا ہے چاند بھی چل رہا ہے دونوں حرکت میں ہیں اور کروڑہا برس گزرنے کے باوجود نہ کبھی ایک لمحہ اپنے وقت سے آگے جاتے ہیں نہ کبھی ایک لمحہ اپنے وقت سے پیچھے رہتے ہیں۔ پھر کائنات کا نظام اس سے وابستہ کر دیا گیا۔ان کی اس آمد و رفت اور ان کی منزل سے متعین کر دیا کہ ایک چیونٹی بھی اپنے انڈے سورج کی روشنی پر سینک رہی ہوتی ہے اور ایک ہاتھی بھی سورج کی روشنی سے گرمی حاصل کر رہا ہوتا ہے۔ بخارات بنتے ہیں، بادل بنتے ہیں۔ سورج کی گرمی سے بارشیں ہوتی ہیں، زمین میں بیج پھوٹتے ہیں، فصلیں اُگتی ہیں، پھل لگتے ہیں۔

بے شمار اللہ کی مخلوق جسے ہم گن نہیں سکتے۔ وہ سورج کی روشنی سے اپنی اپنی زندگی حاصل کرتے ہیں۔ چاند کی چاندنی سے پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے فصلوں میں لذت پیدا ہوتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ چاند کی روشنی سے سمندروں میں مدوجزر پیدا ہوتا ہے اور پانی الٹ پلٹ جاتا ہے اور اوپر کا نیچے اور نیچے کا اوپر ہو جاتا ہے جس پر سمندری حیات کا انحصار ہے۔ آکسیجن سے بھرا ہوا پانی اوپر ہوتا ہے مدوجزر کے باعث اوپر کا پانی نیچے چلا جاتا ہے اور نیچے کا اوپر آجاتا ہے۔ تو کائنات کے نظام میں ان کی بہت اہمیت ہے اور ان سے سامان زندگی وابستہ کر دیا، ان کا راستہ متعین فرما، دیا ان کی منازل متعین فرما دیں اور چاند اور سورج کو دنوں کے گننے اور حساب کرنے کا بھی ذریعہ بنا دیا۔ لوگ سورج کی روشنی سے شمسی سال کی بھی تاریخیں گنتے ہیں قمری سال کی بھی تاریخیں گنتے ہیں۔

قمری مہینوں میں عبادات مقرر کرنے کی حکمت:

شمسی اور قمری تاریخوں میں ایک بہت بنیادی فرق یہ ہے کہ شمسی یعنی سورج کے ساتھ جو تاریخیں گنی جاتی ہیں یہ ہمیشہ ایک ہی موسم میں موجود رہتی ہیں لیکن جو قمری تاریخیں گنی جاتی ہیں وہ سارے سال کے تمام موسموں میں گردش کرتی ہیں اور وہ پورے سال میں چلتی رہتی ہیں۔ کبھی گرمیوں میں کبھی سردیوں میں کبھی بہار میں کبھی خزاں میں اور ہر سال دس دنوں کا فرق آتا ہے عبادات کو قمری تاریخوں سے متعین فرما دیا۔ اب جیسے رمضان شریف ہے گرمیوں میں بھی آتا ہے، سردیوں میں بھی آتا ہے، بہار میں بھی آتا ہے، خزاں میں بھی آتا ہے۔ اسی طرح حج کے ایام قمری تاریخوں سے متعین فرمائے گئے ہیں۔

جون میں ہمیشہ گرمی ہی ہوگی، دسمبر میں ہمیشہ سردی ہی ہوگی لیکن قمری مہینوں میں یہ نہیں ہے تو عبادات جو متعین فرمائی گئی ہیں وہ قمری مہینوں کے مطابق ہیں ورنہ شمسی مہینوں سے حساب رکھنا کوئی غلط کام نہیں ہے یہ بھی درست ہے اور جائز ہے لیکن عبادات قمری مہینوں سے متعلق ہوں گی۔ باقی دنیوی امور کا حساب کتاب، دفتری اوقات، لین دین، اگر شمسی مہینوں سے رکھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ چونکہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے سورج کو روشن بنایا چاند کو چمکنے والا بنایا اور ان کے منازل اور راستے متعین کر دیے تاکہ لوگ ان سے دنوں تاریخوں کا حساب کر سکیں تو گویا دونوں تاریخیں ہماری ہیں۔ دونوں تاریخیں اسلامی ہیں کوئی حرج نہیں ہے کہ اگر شمسی تاریخیں رکھی جائیں لیکن شمسی تاریخوں پر عبادات کا انحصار نہیں ہے جیسے حج زکوٰۃ، رمضان شریف یہ سارے قمری مہینوں کے ساتھ ہیں۔

مَا خَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یہ سارا نظام جو بیشمار چھوٹے چھوٹے سیلز سے جڑا ہوا ہے ایک ذرہ اگر آپ مٹی کا اٹھا لیں تو اس میں پتہ نہیں کتنے سیل ہیں۔ کس کس قسم کے ہیں ان میں کیا خصوصیت ہے۔ عجیب بات ہے دو

کھیت اوپر تلے ہیں ساتھ ساتھ ہیں، ایک کھیت کی جو زراعت ہے وہ اور قسم کی ہوتی ہے اس کے بیل اور قسم کے اور اس کے بیل اور قسم کے۔ ایک کھیت میں ایک فصل اچھی ہوتی ہے دوسری اچھی نہیں ہوتی دوسرے میں دوسری قسم کی فصل اچھی ہوتی ہے۔ اس قادر مطلق نے ہر ذرے میں ایک جہان آباد کر دیا تو فرمایا یہ سارا کچھ عین حق کے ساتھ عین انصاف کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے۔ ہر چیز وہاں ترتیب دی گئی ہے جہاں وہ چاہیے تھی اتنی وسیع کائنات زمین، آسمان، سورج چاند ستارے، سیارے ان کی مخلوقات، ان کی تخلیقات، ان کے عجائبات۔ کسی میں روشنی، کسی میں گرمی، زمین کی روئیدگی، بے شمار جاندار، بے شمار نباتات، بے شمار پھل پھول ہر چیز اپنے اپنے مقام پر درست بنائی ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز یہاں نہیں ہونی چاہیے۔ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ 5 فرمایا اللہ کریم نے یہ تفصیل ان لوگوں کے لیے بیان کی ہے جو علم رکھتے ہیں جو جاننا چاہتے ہیں۔ علم سے مراد صرف یہ نہیں ہوتا کہ سکول کالج کا پڑھا لکھا ہو علم سے مراد ہوتا ہے جاننا۔ جاننے کے ذرائع ہیں۔ دیکھ کر بھی جانا جا سکتا ہے، سن کر جانا جا سکتا ہے یا پڑھ کر جانا جاتا ہے تو جس طرح بھی کسی نے جان لیا وہ عالم ہے، وہ جانتا ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے کتنے لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے؟ لیکن کوئی مسئلہ جب صحابیؓ بیان کر دے اس کے بعد کسی بڑے سے بڑے عالم میں ہمت نہیں کہ زبان کھولے اس لیے کہ انہوں نے براہ راست نبی کریم ﷺ سے سن کر علم حاصل کیا۔ تو جو جاننے والے ہیں، جو سمجھنے والے ہیں، جو غور و فکر کرنے والے ہیں ان کی زندگی انسانی ہے جو محض حیوانوں کی طرح نہیں جیتے۔ محض پیٹ بھرنا، رات بسر کرنا، بچے پیدا کرنا، حیوانی زندگی ہے اس کے علاوہ حیوانات کا فطری سا نظام ہے جو وہ چلائے رکھتے ہیں۔ انسان کو اللہ کریم نے بہت فضیلت دی ہے اس میں وہ استعداد اور وہ شعور رکھا کہ اپنے رب کو پہچان سکے اب اگر یہ ساری استعداد رکھتے ہوئے بھی نہیں جاننا چاہتا اور بے خبر رہتا ہے تو پھر حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے لیکن جو جانتے ہیں جو جاننا چاہتے ہیں ان کے لیے اس سارے نظام میں اس نے اتنی دلیلیں رکھی ہیں کہ سمجھ آ جاتی ہے کہ وہ واحد ہے لاشریک ہے اور اس کے سوا اس کائنات میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ ساری کائنات مخلوق ہے اس کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئی اس کے قائم رکھنے سے قائم رہتی ہے جسے وہ قائم رکھتا ہے وہ قائم رہتا ہے جسے نہیں رکھتا وہ مٹ جاتی ہے اسی طرح فرمایا اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ 6 شب و روز کی آمد و رفت دن کا روشن ہونا، رات کا تاریک ہونا اس نے ایک عجیب نظام تخلیق فرما دیا۔ جہاں دن ہوتا ہے لوگ کام کرتے ہیں رات آتی ہے آرام کرتے ہیں۔ اپنی طاقت اپنے وجود کے اعضاء کام کاج میں دکھتے ہیں یا خرچ ہوتے ہیں یا گھستے ہیں رات کے آرام میں وہ پھر دوبارہ مکمل ہو جاتے ہیں اور بے شمار نعمتیں ایسی ہیں، بے

شمار روئیدگی ایسی ہے جس کو دن کی تپش کی بھی ضرورت ہے رات کی ٹھنڈک کی بھی ضرورت ہے۔ کائنات کا نظام ایسا ہے کہ یہ اختلاف لیل ونہار سے چل رہا ہے۔ چیزیں بن رہی ہیں چیزیں بگڑ رہی ہیں چیزیں منصۂ شہود پر آرہی ہیں۔ چیزیں اپنی مدت پوری کر کے جا رہی ہیں اور پھر یہی نہیں اِنَّ فِي اخْتِلَافِ جو کچھ اللہ نے آسمانوں میں عجائبات پیدا کئے ہیں والارض اور جو کچھ عجیب وغریب نعمتیں زمین میں پیدا کی ہیں۔ کتنی طرح کی مخلوق، کتنی طرح کی نباتات، کتنی طرح کی جمادات۔ کیا کیا چیزیں کہاں کہاں اس نے پیدا کر دی ہیں اگر اس پر کوئی غور کرے تو ان میں بے شمار دلیلیں ہیں لیکن کن لوگوں کے لیے لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ 6

روحانیت:

جن لوگوں کا تعلق اللہ سے بن جاتا ہے، رابطہ ہو جاتا ہے، ایمان نصیب ہو جاتا ہے اور جو اللہ کی رضا کے لیے جیتے ہیں۔ ان کو سمجھ آتی ہے کہ زمینوں میں آسمانوں میں کتنے دلائل ہیں۔ اب یہاں دیکھیے پہلی جو آیہ کریمہ ہے وہ بتا رہی ہے کہ سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی یا چمک ان کا منازل پر چلنا اس سے دنوں تاریخوں کا حساب وابستہ ہے۔ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝ جو لوگ بھی علم رکھتے ہیں جانتے ہیں ان کے لیے بڑے دلائل ہیں۔ یہاں قید علم کی لگائی یعنی علم کسی کے پاس بھی ہو سکتا ہے۔ غیر مسلم سائنٹسٹ (Scientist) بھی بڑی تحقیقات کرتے ہیں اور ان سب چیزوں کے عجائبات ان کی سمجھ میں بھی آتے ہیں لیکن جب بات آئی ارض وسماوات کے خزانوں کی، عجائبات کی اور آسمانوں میں کیا عجائبات ہیں اور زمین میں کیا عجائبات ہیں یہاں فرمایا ان باتوں کو سمجھنے کے لیے تقویٰ ضروری ہے یہ دلائل ان کو نصیب ہیں جن کو تقویٰ نصیب ہے یہ نیکی اور پرہیز گاری سے سمجھ میں آتی ہیں۔ اگر دل میں انوارات الٰہی آجائیں، نور نبوت آجائے، نور ایمان آجائے، دل روشن ہو جائے، تقویٰ نصیب ہو جائے، اطاعت الٰہی نصیب ہو جائے پھر ان دلائل کی سمجھ آتی ہے کہ زمینوں میں کتنے عجائبات ہیں اور آسمان میں کیا کیا ہے۔

چونکہ سائنس کا تعلق آسمانوں کے نیچے نیچے کی چیزوں سے ہے۔ بالائے آسمان سے سائنس کا کوئی تعلق نہیں۔ نہ سائنس کی وہاں رسائی ہے نہ علوم ظاہری کی وہاں تک رسائی ہے نہ وہ اسے جان سکتے ہیں۔ بالائے آسمان کے علم کو جاننے کے لیے کیا صفت چاہیے؟ اللہ نے فرمایا تقویٰ۔ تقویٰ ایک کیفیت ہے رب العالمین کے ساتھ ایسا رشتہ ہے کہ بندے کو اپنی بندگی کا احساس ہو جائے اور جرأت نہ کرے کہ میں اپنے خالق و مالک کی رضا کے بغیر کوئی کام کروں۔ اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ اسی کو روحانیت کہتے ہیں جو علوم ظاہری کی رسائی سے آگے ہو جو مادی عقل کی رسائی سے آگے ہو اور جس تک وہ روح کی استعداد سے پہنچ سکے۔ جو علم روح حاصل کرتا ہے وہ اس تک پہنچ سکے، جان سکے،

اور اس کے اثرات سے واقف ہو سکے۔ تو فرمایا روح کو زندہ کرنے کے لیے روح کی غذا بھی تقویٰ ہے۔ روح کی دوا بھی تقویٰ ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ ہر لمحے حضور حق نصیب ہو۔ پانی پینے لگتا ہے تو سوچتا ہے یہ میرے اللہ کی نعمت ہے۔ یہ میرے نبی ﷺ نے اس انداز سے پیا۔ پینے کا انداز اپناتا ہے، پی کر شکر ادا کرتا ہے۔ حضور حق نصیب ہوا کھانا کھانے لگتا ہے تو سوچتا ہے حلال ہو طیب ہو دائیں ہاتھ سے شروع کروں بسم اللہ شریف پڑھ کر شروع کروں وہ محض پیٹ بھرنے کے لیے نہیں کھاتا اس کے ایک ایک لقمے میں بھی عبادت رچی بسی ہو، ایک ایک گھونٹ پانی میں بھی عبادت رچی بسی ہو۔ دنیا کا کوئی کام بھی کرتا ہے تو وہاں اس کو یہ فکر موجود ہوتی ہے کہ میں اللہ کے حضور کھڑا ہوں، میرا اللہ میرے پاس موجود ہے۔ کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے اللہ کریم ناراض ہوں یا اس سے محبت میں دراڑ آئے اس کیفیت کو تقویٰ کہتے ہیں اور یہی مومن کی زندگی ہے۔ نور ایمان سے یہ دولت نصیب ہوتی ہے یا کیفیات قلبی سے یہ دولت نصیب ہوتی ہے اور یہ دولت وراثتاً منتقل ہوتی ہے۔ نبی ﷺ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تک ان سے تابعینؒ تک تابعین سے تبع تابعینؒ تک یہ برکات قیامت تک سینہ بسینہ چلتی رہیں گی اور ختم نہیں ہوں گی جب یہ کیفیت ختم ہوگی تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس کیفیت کا اثر ہے کہ جب یہ کیفیت وجود میں آتی ہے تو قرآن کریم فرماتا ہے ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ (الزمر:23) پھر کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک وجود کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگ جاتا ہے۔ ہر (Body Cell) میں ہر کام میں اللہ کا ذکر موجود ہوتا ہے۔ سونا کس طرح سے ہے، جاگنا کس وقت ہے، کیوں جاگنا ہے، اللہ کی عبادت کے لیے تہجد پڑھنی ہے، اللہ کا ذکر کرنا ہے، فجر پڑھنی ہے، اللہ کا ذکر کرنا ہے، کام میں لگا ہوا ہے، مصروف ہے لیکن اس کے ذہن میں موجود ہے کہ ظہر کا وقت ہو گیا ہے مجھے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ کام کرتے ہوئے سوچتا ہے کہ کام کا کوئی انداز ایسا نہ ہو جس میں اللہ کریم کی نافرمانی ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ نور ایمان سے بندہ مومن کو رات دن میں ہر لمحہ حضور حق کا نصیب ہو گیا۔ یہی حضور حق تقویٰ کہلاتا ہے۔

جو دلائل آسمانوں میں اور بالائے آسمان ہیں اور جو زیر زمین خزانے ہیں اور جو جو خصوصیات زمین میں ہیں سائنس سر پٹختی رہے تو سب کچھ نہیں جان سکتی معمولی سا جان سکتی ہے آج ہم کہتے ہیں سائنس بہت زیادہ ترقی کر گئی ہے لیکن بہت بڑے سائنسدان کا قول ہے کہ اگر ہم زیادہ بڑھا کر بات کریں تو شائد ہم دس فیصد تک جان چکے ہوں گے اس سے زیادہ نہیں اس سے زیادہ نوے فیصد حقائق جو ہیں ان تک ہماری رسائی نہیں ہے تو یہاں یہ شرط فرمائی اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ 6 پوری

کائنات کے اندر بالائے آسمان زیر زمین جو جو کاریگری جو جو حکمتیں جو جو راز ہیں یہ ان لوگوں کی نظر میں آتے ہیں جنہیں تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں ہماری ملاقات کی امید نہیں ہے جو یہ سمجھتے ہیں ہم دنیا میں پیدا ہوئے، کھائیں گے، رہیں گے اور موت آئی تو مر جائیں گے بات ختم ہو جائے گی۔ انہیں یہ امید نہیں ہے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ نئی زندگی کی ابتدا ہے اور اس نئی زندگی میں بندے کو اللہ کے حضور پیش ہونا ہوگا اور دیکھا جائے گا کہ اللہ کی اتنی وسیع کائنات اور بے پناہ نعمتوں کو اس نے استعمال کر کے اللہ کا شکر بھی ادا کیا یا نہیں۔ اسے لوٹانا تو کچھ نہیں تھا۔ اسے ساری زندگی لینا ہی لینا تھا۔ لیتا ہی رہا لیکن اس نے لے کر کبھی یہ بھی کہا اللہ تیرا شکر ہے مجھ پر بڑی نعمتیں فرمائیں، کبھی سجدہ شکر بھی ادا کیا، کبھی دل میں اللہ کو بسایا؟ فرمایا نہیں یہ لوگ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ان کی امید آخرت سے منقطع کیوں ہو گئی۔ فرمایا یہ دنیا کی زندگی پر راضی ہیں۔ یہ دولت دنیا، دنیا کے کھانے دانے پر اور دنیا کے لباس اور عہدے پر اور مال و دولت پر فدا ہو گئے اور اس پر راضی ہو گئے وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا اور اسی پر بس کر گئے مطمئن ہو گئے کہ بس ہمیں یہ جو کچھ مل گیا سب کچھ حاصل ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ 7 اس کے نتیجے میں وہ ہماری نشانیوں سے غافل ہو گئے۔ ادھر سے آنکھ بند ہو گئی لیکن اس کا انجام اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ جس کی آنکھ عظمت الٰہی کو نہ دیکھ سکی اسے آخرت کے حساب کا خیال ہی نہ رہا۔ دوسروں کو چھوڑو، کفار کو غیر مسلموں کو چھوڑو۔ آج اگر مسلمان اپنی حالت دیکھیں تو یہ ہماری بیٹیاں جو آج میڈیا پر ناچ رہی ہوتی ہیں کیا انہیں قبر یاد ہے، یہ مرد جو اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو نچا کر تالیاں بجا رہے ہوتے ہیں اور خوش ہو رہے ہوتے ہیں کیا انہیں یاد ہے کہ قبر میں جانا ہے؟ یہ جو لوگوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں انہیں خیال ہے کہ اس کا جواب بھی دینا ہے، یہ جو تباہیاں اور بربادیاں لا رہے ہیں ان لوگوں کو خیال ہے کہ قبر میں کیا جواب دینا ہے، اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ اُخروی زندگی بھی ہے؟ یہ سب مفادات کے اسیر ہیں۔ خود خودکش حملہ آور بن گئے وارثین کو دولت مل گئی۔ اس کے علاوہ اور کیا ہے جن کو مار رہا ہے ان کو جانتا بھی نہیں کہ وہ ہیں کون، پھر انہوں نے اس کا کیا بگاڑا، کیوں وہ اس کے لیے واجب القتل ہیں۔ اس کو یہ بھی نہیں پتہ ان کا عقیدہ کیا ہے، کردار کیا ہے، کون لوگ ہیں کیا کرتے ہیں؟ محض مارے جا رہے ہیں۔ یا پھر دوسری طرف بچیوں کو نچا رہے ہیں۔ شہر ہوں یا دیہات بے پردگی کا

ماحول ہے۔ کیا یہ ہمارا جو سارا ماحول ہے اس میں آخرت کا تصور کہیں ملتا ہے، اللہ کے حضور پیش ہونے کا تصور ملتا ہے، کہیں اللہ کی یاد آتی ہے؟

فرمایا یہ دنیا کی لذات، دنیا کی شہرت، دنیا کی دولت اور دنیا کی زندگی پر مطمئن ہیں اور انہیں ہماری ملاقات کا خیال ہی نہیں رہا۔ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا یہ ہماری ملاقات کی توتوقع ہی نہیں رکھتے کہ اللہ کے حضور بھی پیش ہونا ہے انہیں یہ توقع ہی نہیں رہی کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ 8 جو کرتوت یہ کر رہے ہیں ان کا نتیجہ اور انجام دوزخ کی آگ ہے یہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہے یہ جو کچھ کر رہے ہیں اپنے ساتھ کر رہے ہیں۔ اپنا حساب جب دینا پڑے گا تو یہ جو کردار ہے اللہ سے دوری کا، غفلت کا اور آخرت سے ناامید ہونے کا اس کے نتیجے میں جو دنیوی اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں یہ سارا سامان دوزخ کا ہے۔

ایمان کی خصوصیت:

فرمایا انہیں کے مقابلے میں میرے وہ بندے بھی ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جنہیں نورِ ایمان نصیب ہوا ہے۔ جس طرح کفر کی خصوصیت ہے کہ اس کا انجام دوزخ ہے اسی طرح ایمان کی خصوصیت ہے کہ اس کا انجام اللہ کی رضا اور جنت ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جسے ایمان نصیب ہوتا ہے اس کے اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ اس دنیا میں ایمان کا حاصل یہ ہے کہ اس کا کردار سدھر جاتا ہے اس کے اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فرمایا یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔

عمل صالح کیا؟

انسان کا اپنا اپنا مزاج ہے، اپنا اپنا علم ہے اور اپنی اپنی پسند ہے۔ کوئی ایک چیز کو اچھا کہتا ہے دوسرا دوسری کو اچھا کہتا ہے۔ ایک دکان پر دس چیزیں رکھی ہوتی ہیں ایک بندہ نو چھوڑ کر ایک خرید لیتا ہے دوسرا آتا ہے اس کو نو میں سے کوئی پسند آجاتی ہے دس ہی بک جاتی ہیں کسی کو ایک پسند آجاتی ہے کسی کو دوسری۔ انسانی پسند کا تو یہ حال ہے۔ اگر عمل صالح انسانی پسند سے ہوگا تو کوئی کسی ایک کو صالح کہے گا کوئی دوسرے کو۔ فرمایا نہیں۔ عمل میں صلاحیت محمد رسول ﷺ کے کردار کو اپنانے میں ہے۔ ہر وہ عمل صالح ہے جو اللہ کے حکم اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہے اور ہر وہ عمل جو چھوٹا ہے یا بڑا غیر صالح ہے جو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ یعنی صلاحیت کا معیار اللہ کا حکم اور اللہ کے نبی ﷺ کی سنت ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جسے ایمان نصیب ہوتا ہے اس کا عمل صالح ہو جاتا ہے وہ اللہ کا

اطاعت گزار اور نبی کریم ﷺ کا پیروکار بن جاتا ہے۔ ہمیں یہ کلیہ اپنے آپ پر لاگو کر کے دیکھنا چاہیے۔ ہماری عادت اور مزاج ہے ہم دوسروں کو دیکھتے ہیں۔ فلاں کیا کرتا ہے حالانکہ ہم نے دوسروں کا حساب نہیں دینا۔ میرا حساب آپ نے نہیں دینا میں نے آپ کا نہیں دینا۔ ہمیں یہ کلیہ اپنے آپ پر لاگو کرنا چاہیے چونکہ ہمارا دعویٰ ہے اسلام کا، مسلمانی کا، ایمان کا تو ہمیں دیکھنا یہ چاہیے کہ میرے ایمان میں اتنی قوت ہے کہ گناہ سے روک دیتا ہے اگر میرے ایمان میں اتنی قوت ہے کہ مجھ سے نیکی کرواتا ہے الحمد للہ پھر تو ایمان ہے کہ ایمان ہے ہی وہی جو دنیا میں عمل صالح پر مجبور کر دے۔

نور ایمان کی دو خصوصیات:

يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ 9 دنیا میں نتیجہ یہ ہے کہ اعمال صالح ہو جاتے ہیں آخرت میں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس ایمان کے ساتھ اللہ انہیں اپنی جنت میں لے جائے گا جس کے تابع نہریں بہتی ہیں اور جس میں بے حساب، بے پناہ نعمتیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں۔ وہاں جو جائے گا جسے اللہ لے جائے گا وہی دیکھے گا کہ وہاں کیا نعمتیں ہیں اس دنیا میں اس کو کسی نے دیکھا نہ سنا۔ اس عالم سے وہ بالاتر ہے تو فرمایا نور ایمان کی دو خصوصیات ہیں جب تک دنیا میں رہتا ہے، اس کا عمل سدھر جاتا ہے، کردار صالح ہو جاتا ہے۔ جب دنیا سے جاتا ہے تو اللہ کریم اسی نور ایمان کی وجہ سے اسے جنت کی طرف راستہ دکھائیں گے جس میں بے پناہ نعمتیں ہیں۔ یہ وہاں کا عالم ہوگا۔ یہاں کا عالم تو یہ ہے کہ ہر کوئی ایک دوسرے کے سامنے اپنے دکھ ہی روتا رہتا ہے اس دنیا کا عجیب عالم ہے آپ جس سے ملتے ہیں وہ کہتا ہے کہ میں بڑا پریشان ہوں، میری صحت خراب ہوگئی۔ کوئی کہتا ہے مجھے تو پچھلے سال سے یرقان ہے اور مجھے تو ڈاکٹر کہتے ہیں ایک سال دو سال ہی بچ سکو گے۔ ایک کہتا ہے میری چوری ہوگئی ایک کہتا ہے مجھے تو ڈاکوؤں نے سڑک پر کھڑا کر کے لوٹ لیا۔ سب مسائل اور دکھ بیان کرتے رہتے ہیں ایک حکایت ہے کہ کسی خاتون کا دس بارہ سال کا بچہ فوت ہو گیا وہ بہت پریشان ہوئی تو کوئی عالم ربانی تھے یعنی ولی اللہ بھی تھے اور عالم بھی تھے وہ ان کے پاس گئی کہ آپ اللہ کے نیک بندے ہیں میرا ایک بیٹا تھا فوت ہو گیا آپ دعا کریں اللہ میرا بیٹا زندہ کر دے۔ مجھے میرا بیٹا دوبارہ زندہ چاہیے انہوں نے فرمایا یہ تو معمولی سی بات ہے یہ تو بڑا کام نہیں لیکن ایک کام تمہیں بھی کرنا ہوگا کسی ایسے گھر سے ایک پیالہ پانی لے آؤ جس گھر کا کوئی بندہ مرا نہ ہو۔ بس اس پر دم کر دیں گے پھر تم اپنے بیٹے پر چھڑکنا یہ زندہ ہو جائے گا۔ اب روئے زمین پر کون سا ایسا گھر ہے جہاں کوئی مرا نہ ہو۔ مایوس پلٹ کر جب آئی تو انہوں نے فرمایا بی بی اللہ کا نظام ہے جب ہر گھر میں موت آ رہی ہے تو

تمہارے گھر میں بھی آ گئی۔ اپنی باری پر آتی ہے۔ کوئی ایسا گھر ہے جہاں بندے پیدا ہوتے ہیں اور مرتے نہیں، صرف پیدا ہی ہوتے ہیں۔ اللہ کریم کا نظام ہے دنیا میں جس کے سامنے تھوڑا سا دکھ بیان کریں وہ ڈھیر سارا آپ کے سامنے بیان کر دیتا ہے فرمایا اس سے اندازہ لگا لو جنت میں کیا نعمتیں ہوں گی۔ وہاں کوئی کسی کے سامنے دکھ نہیں روئے گا۔ کسی کو دکھ ہوگا ہی نہیں دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وہاں وہ جب بھی بات کریں گے تو انعامات کی کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نعمت بھی دی۔ ایک دس نعمتیں گنے گا تو اگلا پچاس گن دے گا۔ میرے پاس یہ بھی ہے یہاں ہم دکھ گنتے ہیں، وہاں لوگ سکھ گنیں گے۔ یہاں ہم پریشانیاں گنتے ہیں وہاں سکون گنیں گے۔ ایک اگر پچاس نعمتیں بیان کرے گا دوسرا اس کے سامنے ہزار بیان کر دے گا۔ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اللہ تو پاک ہے بے پناہ نعمتیں تو نے دے دیں کیسی عجیب وغریب نعمتیں عطا کر دیں۔ یہاں دنیا میں لوگ ملتے ہیں تو دکھ بیان کرتے ہیں سوائے اہل اللہ کے، یہ ایک قوم دنیا میں ذاکرین کی ہے۔ صاحب قلب جو لوگ ہیں وہ جب ملتے ہیں اللہ کی یاد کی بات کرتے ہیں قرب الٰہی کی بات کرتے ہیں۔ اللہ کے انعامات کی بات کرتے ہیں۔ باقی جو ملتا ہے دکھوں کو روتا ہے لیکن فرمایا جنت میں جو بھی ملے گا ان کی بات ہی یہ ہوگی سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ جب بھی بات کریں گے کہیں گے اللہ تو پاک ہے۔ کیا کیا نعمتیں تو نے عطا کر دیں ہیں وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ اور جب آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوگی تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دعائیں دیں گے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ 10 اور ان کی مجلس شروع بھی اللہ کی نعمتوں، اس کے احسانات سے ہوگی اور ختم بھی اس بات پر ہوگی۔ ملاقات پر بھی اللہ کی سلامتی مانگیں گے اور ایک دوسرے کو سلامتی کی دعائیں دیں گے اور الگ ہوں گے تو بھی اللہ کی عظمت اور اللہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہ وہ جو کائنات کا پروردگار ہے ساری تعریفیں اسی کو زیبا ہیں اسی کے لیے ہیں۔ فرمایا جنت کی زندگی کا اندازہ اس سے لگا لو کہ کوئی بندہ کبھی دکھ نام کی شئے محسوس نہیں کرے گا کہ ایک دوسرے کے ساتھ دکھ بانٹے (Share) کرے بلکہ انعامات ہی انعامات ہوں گے۔ ملاقات ہوگی تو سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔ بات ہوگی تو اللہ کی نعمتوں پر ہوگی۔ جدا ہوں گے تو بھی اللہ کا شکر کرتے ہوئے اور کہتے ہوئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور ساری تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو کائنات کا پروردگار ہے تمام جہانوں کا پالنہار ہے تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

سورۃ یونس رکوع 2 آیات 11 تا 20

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ
فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾ وَاِذَا مَسَّ
الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ
مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ
كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا
يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ
مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ
رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ
اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۫ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱ وَمَا كَانَ
النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ
فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ⑳

اگر اللہ لوگوں کے نقصان میں جلدی فرماتا جس طرح وہ بھلائی کی طلب میں جلدی
کرتے ہیں تو ان کی اجل (عمر کی معیاد) پوری ہو چکی ہوتی سو جو لوگ ہم سے ملنے کی
اُمید نہیں رکھتے ان کو ہم چھوڑے رکھتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ⑪ اور
جب انسان پر کوئی تکلیف آتی ہے تو لیٹا یا بیٹھا یا کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے
پھر جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسے چلا جاتا ہے جیسے اس
نے کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اسی طرح حد سے نکل جانے والوں
کے اعمال انہیں بھلے محسوس ہوتے ہیں ⑫ اور البتہ یقیناً ہم نے تم سے پہلے بہت
سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے جبکہ انہوں نے ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے
پیغمبر دلائل لے کر آئے اور وہ ہرگز ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ ہم گناہگاروں کو
اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ⑬ پھر ان لوگوں کے بعد ہم نے تم لوگوں کو ملک میں
جانشین بنایا تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو ⑭ اور جب ان کے سامنے ہماری
آیات پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی امید
نہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لایئے یا (کم از کم) اس میں کچھ
تبدیلی کر دیجیے فرما دیجیے کہ میرے بس میں نہیں کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں
میں صرف اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعے پہنچا ہے اگر میں
اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو یقیناً مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب کا
اندیشہ ہے ⑮ فرما دیجیے اگر اللہ کو منظور ہوتا تو میں نہ تو تمہیں یہ (قرآن) پڑھ کر سناتا
اور نہ ہی تمہیں اس کے بارے خبر دیتا۔ پس بے شک اس سے پہلے میں تم میں عمر کا

ایک بڑا حصہ بسر کر چکا ہوں پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے ؟ ⑯ پھر اس سے بڑا ظالم
کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا اس کی آیات کو جھٹلائے ۔ بے شک ایسے
گناہگار چھٹکارا نہ پائیں گے ⑰ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت
کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں نہ بھلا کر سکتی ہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے
پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں ۔ فرمایئے کہ تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس
کا وجود اسے نہ آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین میں ۔ وہ پاک ہے اور (اس
کی شان) ان کے شرک سے بہت بلند ہے ⑱ اور سب لوگ ایک ہی طریقے کے
تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا اگر ایک بات جو آپ کے پروردگار کی طرف سے
پہلے ٹھہر چکی ہے نہ ہوتی تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں ان کا فیصلہ (دنیا
میں ہی) کر دیا جاتا ⑲ اور کہتے ہیں ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ
نازل کیوں نہیں ہوتا ؟ سو فرما دیجیے کہ بے شک غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے سو تم بھی
انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں ⑳

تفسیر و معارف

مہلت ، قانونِ فطرت :

کفار منجملہ دیگر باتوں کے یہ بات بھی کرتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے برحق رسول ہیں اور یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے تو ہم نہ آپ کو مان رہے ہیں نہ اس کتاب کو مان رہے ہیں تو پھر جن عذابوں کا اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے یا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ عذاب ہم پر کیوں نہیں آجاتے ؟ پھر آجائے ہم پر عذاب ، ہم تو نہیں مان رہے ۔ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ کریم لوگوں کو سزا دینے میں جلدی کرتے یا ان کا نقصان کرنے میں جلدی کرتے جس طرح لوگ دولت کی طلب میں یا بھلائی کی طلب میں جلدی کرتے ہیں یا چیزوں کے حصول میں جلدی کرتے ہیں اگر اللہ کریم اسی طرح سزا دینے میں جلدی کرتے لَقُضِيَ اِلَيۡهِمۡ اَجَلُهُمۡ تو پھر ان پر سزائیں آکر انسانیت ختم ہو جاتی دنیا یہاں آباد نہ رہ سکتی ۔

انسان کو اللہ کریم نے جو سب سے بڑی نعمت دی ہے وہ معرفتِ الٰہی کا شعور ہے۔ وہ پہچان ہے جو بھلائی اور برائی میں ہے۔ وہ دانش ہے جو حق اور باطل میں تمیز کرتی ہے۔ اب اگر انسان سے غلطی ہو جائے اور اس پر فوراً سزا واقع ہو جائے، موت واقع ہو جائے، تباہ کر دیا جائے تو اس کے پاس اس اختیار کو استعمال کرنے کا موقع تو نہ رہا لہٰذا اللہ کریم نے ہر ایک کو ایک معین وقت تک مہلت دی ہے۔ اس میں اگر وہ بھلائی کرتا ہے تو اس کا اثر اس کی دنیوی زندگی پر بھی مرتب ہوتا ہے۔ دل روشن ہوتا ہے عقل و شعور میں روشنی اور نور آتا ہے حق و باطل کی تمیز ہوتی ہے اور آخرت میں بھی انعامِ الٰہی سے بہرہ ور ہوگا۔ اگر برائی کرتا ہے تو دنیا میں وہ برائی اس کی عقل و شعور کو مزید مسخ کر دیتی ہے۔ عقل الٹ جاتی ہے بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی اور آخرت میں عذابِ الٰہی سے دوچار ہوگا۔ فرمایا اس لیے اللہ کسی گناہ پر فوراً عذاب نہیں فرماتے کہ دنیا ختم ہو جائے۔ انسانیت کے پیدا کرنے کا تو پھر مقصد ہی فوت ہو گیا جب کسی کو عمل کی مہلت ہی نہیں ملے۔ غلطی کرتا جائے عذاب وارد ہو جائے فرصت توبہ کی بھی نہ ہو تو پھر تو دنیا نہیں چل سکتی۔ کافروں کا یہ اعتراض نری جہالت ہے۔ ہاں اگر تم ایمان نہیں لا رہے یا تم غلط کر رہے ہو اللہ کے فرشتے لکھ رہے ہیں، اللہ کریم کے علم میں ہے، انصاف کا دن آئے گا، حق اور باطل اپنا اپنا انجام پائیں گے، اہلِ حق اپنے مبارک نتائج پائیں گے، اہلِ باطل اپنی سزا کو پہنچیں گے۔ تو فرمایا وَلَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَهُمۡ بِالۡخَيۡرِ جس طرح لوگوں کو چیزوں کا لالچ ہوتا ہے کہ مجھے فوراً یہ چیزیں مل جائیں اگر اللہ کریم اسی طرح سزا میں جلدی فرماتے تو پھر تو یہ عالم آباد نہ رہ سکتا۔ اس معمورۂ عالم کو اللہ کریم نے ایک خاص وقت تک آباد رکھنا ہے۔ اگر گناہ ہو جائے اور اس پر گرفت نہ ہو تو اس کا مطلب ہے اللہ کریم توبہ کا موقع دے رہے ہیں۔ بندے کی دانش سلامت ہو تو وہ توبہ کرے، اللہ کی رضا کو پانے کی کوشش کرے فَنَذَرُ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۱﴾ تو فرمایا یہ سزا کیا کم ہے کہ جن لوگوں کو ہماری ملاقات یا ہماری بارگاہ میں حاضری کا یقین ہی نہیں ہے جن لوگوں کو ایمان نصیب نہیں ہوتا ان کو پھر کوئی بھلائی کرنے کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی۔ اپنی گمراہی میں بھٹکتے مزید آگے گمراہی میں چلتے جاتے ہیں مزید رحمت الٰہی سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں، عذاب الٰہی کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں تو فرمایا کیا تم ایسے جاہل ہو کہ تم یہ سمجھتے نہیں کہ یہ کیسی بڑی سزا ہے۔ یہ کیا کم سزا ہے کہ ایک بندہ روزانہ مسلسل گناہ میں آگے بڑھتا چلا جائے برائی میں آگے بڑھتا چلا جائے، اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی سزا ہے چونکہ آخر ایک دن ان سب چیزوں کے نتائج تو مرتب ہونے ہیں۔ جو جتنا برائی میں آگے بڑھتا چلا جائے گا اسے اتنی ہی سزا بھگتنی پڑے گی یہ بھی تو بہت بڑا عذاب الٰہی ہے فرمایا فَنَذَرُ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا جن کا قیامت پر ایمان نہیں ہے جو ہمارے روبرو ہونے پر یقین

نہیں رکھتے اللہ انہیں چھوڑ دیتے ہیں فِيْ طُغْيَانِهِمْ کہ اپنی گمراہی میں اور بھٹکتے رہیں اور برائی کی طرف چلے جائیں۔ برائی میں ڈھیل مل جانا، مہلت مل جانا، مزید برائی کرتے جانا، فرمایا یہ سزا کیا کم ہے؟ یہ بھی تو ایک سزا ہے کہ بندہ اپنے لیے مزید آگ بھڑکاتا چلا جائے مزید جرائم کرتا چلا جائے۔

دعا کا خاصہ:

فرمایا ایک وقت ہر بندے پر آتا ہے وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَآئِمًا ہر بندے پر کبھی نہ کبھی ایک لمحہ ایسا آجاتا ہے کہ وہ سخت پریشان ہو جاتا ہے کوئی دنیوی آسرا اس کے ذہن میں نہیں رہتا فرمایا اس وقت ہر بندہ ہمیں کو پکارتا ہے۔ کھڑا، بیٹھا، لیٹا، کسی حال میں بھی ہو اس وقت وہ ایسی طاقت کو پکارتا ہے جو بندے کے دل میں موجود ہے کہ کوئی ایسی طاقت ہے جو غائبانہ میری آواز بھی سن سکتی ہے میرے دکھوں سے واقف بھی ہے میرے دکھوں کو ختم بھی کر سکتی ہے فرمایا جب وہ اس صدق دل سے اور دل کی گہرائی سے مجھے پکارتا ہے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ اور جب ہم اس کی وہ مصیبت دور کر دیتے ہیں تو پھر منہ پھیر کے چل دیتا ہے ایسے جیسے اس نے اپنی مصیبت کے لیے کبھی ہمیں پکارا ہی نہیں۔ فرمایا دیکھیں کیسی عجیب بات ہے کہ کافر بھی جب ہر طرف سے ناامید ہو جائے دنیوی وسائل سے بات گزر جائے، ناامید ہو جائے تو پھر وہ بھی اللہ کو پکارتا ہے اور اللہ ایسا کریم ہے کہ اگر تمام امیدیں چھوڑ کر کافر بھی اسے پکارے تو وہ اس کی دعا بھی قبول فرما لیتا ہے۔ وہ تو ایسا کریم ہے کہ اس نے تو شیطان کی دعا بھی سن لی۔ جب اس نے التجا کی کہ مجھے قیامت تک مہلت دے دیجیے فرمایا جاؤ تمہیں مہلت دے دی۔ تو اگر کافر کی دعا بھی سنی جاتی ہے تو پھر مومن کی دعا تو رد ہو ہی نہیں سکتی۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ مومن کی دعا رد کر دی جائے ہاں دعا کے لیے ایک شرط ہے جو یہاں فرمائی گئی کہ ہر طرف سے رشتہ توڑ کر صرف اللہ سے دعا کی جائے اور دل کی گہرائی سے کی جائے اس میں کوئی اینچ پینچ نہ ہو کہ یہ بھی ہے وہ بھی ہے یہاں سے کام ہو جائے گا وہاں سے ہو جائے گا۔ نہیں۔ خالصتاً صرف اللہ کو پکارا جائے اور دل کی گہرائی سے پکارا جائے تو فرمایا اللہ کریم قبول فرماتے ہیں اور وہ ایسا کریم ہے کہ کبھی وہ کافر کی بھی سن لیتا ہے اس کو بھی وہ چیزیں دے دیتا ہے جو وہ مانگتا ہے جس مصیبت سے وہ جان چھڑانا چاہتا ہے اس کی جان بھی بچ جاتی ہے تو پھر دعا کا خاصہ یہ ہوا کہ دعا تب قبول ہوتی ہے جب اللہ کے لیے ہو دل کی گہرائی سے کی جائے یقین واعتماد سے کی جائے، کافر اگر اللہ کو ایسا نہ مانتا ہو جیسے رسول ﷺ منواتے ہیں تو کافر کے ذہن میں بھی ایک ہستی ہوتی ہے جو غائبانہ ہر چیز پر قادر ہے جو غائبانہ سب کی مالک ہے جو سب چیزوں کے اختلاف دور کر دیتا ہے اور جب وہ سمجھتا ہے کہ اس کے دنیوی دیوتاؤں سے بات

گزرگئی ہے تو پھر وہ بھی اس ہستی کو پکارتا ہے خواہ کسی نام سے پکارے اور اللہ کریم فرماتا ہے یہ تو میں ہی ہوں جو غائبانہ ہر چیز جانتا ہوں ہر ایک کی مصیبت کا مداوا کر سکتا ہوں۔ ہر ایک کے حال سے واقف ہوں ہر ایک کا حال تبدیل کر سکتا ہوں۔ میں ہی ہوں مجھے ہی پکارتے ہیں لیکن جب میں ان سے مصیبت ہٹا دیتا ہوں تو پھر میرا شکر ادا نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں ہم نے اپنی عقلمندی سے یہ کام کر لیا ہم نے فلاں کی وجہ سے یہ کام کر لیا اور کہتے ہیں اپنی سمجھ سے اپنی عقل سے میں نے یہ مسئلہ حل کر لیا پھر منہ پھیر کے چل دیتے ہیں مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ جیسے اس نے اپنی تکلیف پر ہمیں پکارا ہی نہیں۔ یعنی کفر کی مصیبت یہ ہے کہ انہیں شکر کی توفیق نصیب نہیں ہوتی

بات بن جائے تو شان یہ تدبیر کی ہے
اور بگڑ جائے خطا کاتبِ تقدیر کی ہے

عمومی رویہ انسانوں کا یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز حاصل کر لیں تو وہ کہتے ہیں میں نے اپنی عقلمندی سے، اپنی دانش سے، فلاں طریقے سے میں نے پالی لیکن جب نقصان ہو جائے تو کہتے ہیں بس جی تقدیر میں یہی تھا۔ بھئی تقدیر میں اگر نقصان تھا تو جو فائدہ ہوا وہ بھی تو تقدیر ہی میں تھا اس پر تو اللہ کا شکر ادا کرو اسے اپنا کمال نہ سمجھو۔ تو فرمایا جب اللہ مصیبت دور فرما دیتے ہیں تو پھر یہ منہ پھیر کے چل دیتے ہیں ایسے جیسے انہوں نے تو کوئی دعا کی ہی نہیں تھی۔

برائی کی سزا:

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ فرمایا یہ ایک اور سزا ہے کہ جو لوگ بھلائی نہیں کرتے نیک عمل نہیں کرتے ان کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ ان کو برائی بھلی معلوم ہوتی ہے لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ میں نے اتنے قتل کیے اور میرا کچھ نہیں بگڑا میں نے اتنے ڈاکے کیے، میں نے فلاں کو مارا اور میں نے فلاں سے اتنی رقم ادھار لے لی اور کچھ واپس نہیں کیا تو میرا اس نے کیا بگاڑ لیا؟ حالانکہ برائی کوئی قابل فخر چیز نہیں شرمندگی کا باعث ہے لیکن فرمایا جب بندے کے جرائم بڑھتے ہیں اور برائی بڑھتی ہے تو پھر ہم اس کی عقل الٹ دیتے ہیں پھر اسے برائیاں خوبصورت نظر آنے لگتی ہیں وہ ان پر فخر کرنے لگ جاتا ہے اور یہ ایک ایسی سزا ہے جو ایک بہت بڑی سزا کی طرف لے کر جا رہی ہے۔ جب برائی پر فخر کرے گا تو اس کا مطلب ہے مزید برائیاں کرے گا اور جرائم کرے گا اور گناہ بڑھیں گے اور سزا بڑھتی چلی جائے گی تو فرمایا اللہ سے دوری کا ایک اثر یہ بھی ہے یہ ایک سزا ہے کہ برائیاں بھلی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ فرمایا تم اپنی انسانی تاریخ سے واقف نہیں ہو تم نہیں جانتے کہ یہ برائی بالآخر کسی ایسے مقام پر لے جاتی ہے جہاں قوموں کی قومیں تباہ ہو گئیں، اجتماعی تباہیاں دیکھنا پڑیں

تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہم نے تباہ کر دیا جب انہوں نے زیادتی کی ظلم کیا، زیادتی سے باز نہ آئے تو قوموں کی قومیں تباہ ہوئیں بڑے بڑے طاقتور بڑے بڑے بادشاہ، ظالم اور جابر، بڑی بڑی طاقتیں تباہ و برباد ہو گئیں اور کوئی ان کا نام لینے والا بھی نہ رہا لیکن ہم نے ان کے پاس انبیاءؑ بھیجے وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَٰتِ اللہ کے رسول ان کے پاس واضح دلائل اور حق لے کر آئے۔ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ لیکن وہ تو مان کر ہی نہیں دیتے تھے۔ وہ تو ان کی بات سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ ان کی بات پر یقین ہی نہیں کرتے تھے۔ جب انہوں نے انبیاءؑ اور رسلؑ کا انکار کیا تو تباہ ہو گئے۔ دیکھو اللہ کتنے کریم ہیں کہ محتاج تو بندہ ہے رب تو اس کا محتاج نہیں ہے وہ تو مالک ہے، خالق ہے، رب العالمین ہے۔ بندہ محتاج ہے بندہ سرکشی کر رہا ہے فرمایا اسے تباہ کر دیا جاتا تو کیا حرج تھا لیکن اللہ کا کرم پھر اتنا ہے کہ ان سرکشوں کے پاس بھی نبیؑ اور رسولؑ بھیجے۔ واضح دلائل دے کر بھیجے۔ انہوں نے تبلیغ کی محنت کی، مجاہدہ کیا اور دیکھیے اللہ نے اپنا آخری رسول آقائے نامدار ﷺ ساری انسانیت کی راہ نمائی کے لیے بھیجا۔ بعثت عالی سے لے کر قیامت تک روئے زمین پر ساری کائنات کے لیے اور ساری انسانیت کے لیے اللہ کے رسول ہیں حضرت محمد ﷺ۔ کیسا انتظام فرما دیا کہ روئے زمین پر کوئی لمحہ ایسا نہیں جب اللہ کی دعوت کی صدا بلند نہ ہو رہی ہو۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں جس وقت لاکھوں یا ہزاروں اذانیں نہ بلند ہو رہی ہوں۔ ایک علاقے کی اذان ہو جائے تو اس کے ایک لمحہ بعد کچھ دوری پر پھر شروع ہو جائے گی۔ اس کے بعد آگے، آگے چلتی جائے گی یعنی رات دن کے چوبیس گھنٹے ہر لمحے کہیں نہ کہیں دعوتِ الٰہی ہو رہی ہے۔ اذانیں ہو رہی ہیں، نمازیں ہو رہی ہیں، اللہ کا دین بیان کیا جا رہا ہے، قرآن بیان ہو رہا ہے دین پر بات ہو رہی ہے تو کتنا اچھا انتظام فرما دیا۔ محتاج تو انسان تھا اللہ کو تو انسانوں کی احتیاج نہیں لیکن وہ اتنا کریم ہے کہ انسانوں کے لیے ایسے انتظامات فرما دیے کہ فردائے قیامت کو کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ اللہ مجھے تیری طرف دعوت نہیں ملی۔ مجھے کسی نے بتایا نہیں۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکے گا۔ یہی کہے گا کہ میں نے نہیں مانا۔ میں نے غلطی کی چنانچہ جو قومیں تباہ ہوئیں ان کے پاس بھی ہم نے انبیاءؑ اور رسلؑ بھیجے، کتابیں بھیجیں۔ انہوں نے محنت کی مجاہدہ کیا، باقاعدہ دعوت دی، برسوں سمجھاتے رہے جب لوگوں نے انبیاءؑ و رسلؑ کی بھی بات نہیں مانی تو ہم نے تباہ و برباد کر دیے كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٣﴾ اور ہم جرائم پیشہ قوموں کو، گناہگار قوموں کو ایسے ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ یہ تو نظامِ قدرت ہے کہ مقررہ وقت بھی آ جاتا ہے جیسے صالحؑ کی قوم نے نہ مانا، ضد کی، پھر معجزے پر اصرار کیا، عجیب و غریب معجزہ مانگا۔ وہ معجزہ بھی ظاہر ہو گیا پھر بھی نہیں مانا۔ اس اونٹنی کو بھی قتل کر دیا کہنے لگے وہ عذاب لاؤ کہاں ہے کیوں نہیں لاتے؟ اللہ کریم کا اپنا نظام ہے۔ حضرت صالحؑ نے انہیں بتا دیا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں تمہارے پاس

تین دن کی مہلت ہے تیسرے دن تم تباہ ہو جاؤ گے ایک دن تمہارے چہرے پیلے ہو جائیں گے دوسرے دن سیاہ ہو جائیں گے اور تیسرے دن تم سب تباہ ہو جاؤ گے۔ تو جب پہلے دن سب کے چہرے پیلے ہو گئے تو بڑے چلائے صالح علیہ السلام کے پاس گئے انہوں نے فرمایا اب تو فیصلہ ہو چکا۔ جو فیصلہ ہو چکا اب وہ نہیں ٹل سکتا۔ عذاب وارد ہونے سے پہلے تم توبہ کرتے قبول ہو جاتی عذاب کو دیکھ کر کفر کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ دوسرے دن پھر چہرے سیاہ ہو گئے پھر انہیں یقین ہو گیا کہ اب تو وہی ہو گا۔ تیسرے دن ہر چیز تباہ ہو گئی ایسی چنگھاڑ آئی، ایسی زبردست آواز آئی کہ مکان لرز گئے کافروں میں سے کوئی بچہ بھی زندہ نہ بچ سکا۔ بچے، عورتیں، مرد سب تباہ اور برباد ہو گئے ایسے لگتا تھا جیسے اس آبادی میں کوئی بستا ہی نہیں۔ سو فرمایا جب کوئی انبیاء سے کوئی ٹکر لیتا ہے تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے ایسے گناہگاروں کو ہم اس طرح سزا دیتے ہیں۔ اے لوگو! جو اب روئے زمین پر موجود ہو ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ تباہ ہونے والوں کے بعد تمہیں ان کے بعد آنے والا، ان کا جانشین بنایا لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ تا کہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو۔ یہ نہ سمجھو جو ہونا تھا انہیں کے ساتھ ہو گیا۔ نہیں۔ وہی سنت الٰہی ہے، وہی کائنات ہے، وہی زمین ہے، وہی آسمان ہے، وہی فضاء ہے، وہی چاند تارے ہیں، رب العالمین کی وہی دنیا ہے۔ تم سے پہلوں نے اگر برائی کی تو تباہ ہو گئے۔ اب تم ان کی جگہ آ گئے ہو خلنف بعد میں آنے والے تم بھی اس امتحان گاہ میں آ گئے ہو جہاں اللہ کریم دیکھ رہے ہیں کہ دیکھیں لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو تم کیا کرتے ہو؟ تمہیں بھی دیکھا جائے گا اگر تم ان کے پیروؤں کے نقش قدم پر چلو گے تو انہیں کی طرح تباہ ہو جاؤ گے۔ پہلے عجیب عجیب عذاب آتے تھے۔ کوئی بندروں کی شکل میں تبدیل ہو کر ہلاک ہو گیا۔ کوئی خنزیروں کی شکل میں تبدیل ہو کر ہلاک ہو گیا۔ کوئی پانی میں ڈوب کر مر گئے کوئی سیلابوں میں ڈوب کر مر گئے۔ کسی پر آسمان پر سے بادلوں سے آگ برسی کسی پر آسمان سے پتھر برسے کسی قوم کی زمین کا تختہ ہی الٹ دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کی جو بے شمار برکات ہیں ان میں ایک برکت آپ ﷺ نے یہ بھی فرمائی کہ میرے (ﷺ) آنے کے بعد اجتماعی عذاب اللہ کریم نے ختم فرما دیے۔ من حیث القوم قوموں کی شکلیں تبدیل نہیں ہوں گی، قوموں کی قومیں غرق نہیں ہوں گی۔ قوموں کی قومیں تباہ نہیں ہوں گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ پر چھوٹ مل گئی۔ گناہ کا اپنا اثر ہوتا رہتا ہے اور تنبیہ کے لیے جھٹکے بھی لگتے رہتے ہیں بیماریاں آتی ہیں، مصیبتیں آتی ہیں، زلزلے آتے ہیں، طوفان آتے ہیں جو بڑی بڑی طاقتوں کو جھنجھوڑتے رہتے ہیں کہ توبہ کر لو فرصت ہے۔ اللہ کو مانو، اللہ کی اطاعت کر لو۔ نہیں مانتے تو سب کو جانا تو ہے۔ اپنی اپنی باری پر جوں جوں زندگی ختم ہوتی ہے

ہر ایک کو سمجھ آتی رہتی ہے۔ تو اللہ کریم عجیب عجیب نظام بنا دیتے ہیں اب دین کی بات پہنچانے کے لیے کتنے طریقے بنا دیے۔ علماء ہر جگہ بیان کر رہے ہیں ذرائع ابلاغ پہ آ رہا ہے لوگ گھروں میں تبلیغ پر لگے ہوئے ہیں پوری دنیا میں پھر کر اللہ کا نام بتا رہے ہیں۔ یعنی اللہ کریم کا بنایا ہوا نظام ہے کہ لوگوں تک اللہ کی بات پہنچتی رہے دعوتِ الٰہی پہنچتی رہے پھر ماننا اور نہ ماننا ان کا کام ہے اور نتائج دینا اس کا اپنا کام ہے۔ آج کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے تو تعلیماتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پہنچی ہی نہیں یہ الگ بات ہے کہ وہ مانے یا نہ مانے یہ اس کا اختیار ہے لیکن پہنچانے کے کتنے ذرائع اللہ کریم نے بنا دیے ہیں۔ کتنے دینی مدارس، کتنی مساجد، کتنے علماء اس میں مشغول ہیں۔ کتنی کتابیں تصنیف ہوتی ہیں کتنے تراجم، کتنی تفاسیر اور کتنے ہی احادیث کے مجموعوں کی اشاعت ہو رہی ہے اور پھر ذرائع ابلاغ پر کتنے پروگرام ہوتے ہیں جو پوری دنیا سنتی ہے یا سن سکتی ہے۔ سننا نہ چاہے تو اور بات ہے اور پھر کچھ لوگوں کو اللہ نے جو تبلیغ پر ہی لگا دیا وہ رات دن سفر کرتے رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہتے ہیں یہ سارے اس کے اپنے بنائے ہوئے نظام ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے پیغام کو پہنچانے کے مختلف طریقے ہیں۔ یہ سب دین ہی کا کام کر رہے ہیں جو استاد کسی بچے کو پہلا قاعدہ پڑھا رہا ہے وہ بھی دین کی خدمت کر رہا ہے جو تعلیم دے رہا ہے، جو تقریر کر رہا ہے، جو تبلیغ کر رہا ہے سارے مختلف شعبے ہیں لیکن دین ہی کے ہیں اور دین پہنچانے کے اللہ کریم نے ذرائع بنا دیے ہیں کہ فردائے قیامت کو کوئی یہ نہ کہے کہ مجھے اللہ کی طرف دعوت ہی کسی نے نہیں دی مجھ تک حضور ﷺ کا پیغام نہیں پہنچا تھا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکے گا۔ یاد رہے جب انبیاء کی تکذیب کی جاتی ہے تو یہ انکار تباہی لاتا ہے اگر اجتماعی عذاب جو تباہ کر دیتے تھے وہ ختم ہو گئے تو دوسرے عذاب آ جاتے ہیں جس میں قوموں کی قومیں تباہ ہوتی ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ مغرب بہت ترقی یافتہ ہے۔ یہ کیسی ترقی ہے کہ باپ کو بیٹی کی خبر نہیں ہے اور بیٹی کو ماں کی نہیں ہے کوئی کسی کا کچھ نہیں لگتا۔ کوئی کسی کا دکھ سکھ نہیں پوچھتا کوئی کسی کی عزت کا خیال نہیں رکھتا، فحاشی حد سے گزر چکی ہے بے حیائی کا کوئی کنارہ ہی نہیں رہا۔ انسانی معاشرہ لگتا ہی نہیں ہے۔ جانوروں کی طرح کی زندگی ہے کیا یہ عذاب نہیں ہے!

عقیدہ تحریفِ قرآن کفر ہے:

فرمایا: وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں جو

صاف صاف ہیں تو کافر کہتے ہیں کہ ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لے آؤ اس میں کچھ چیزیں بدل دو جہاں ہمارے بتوں کا انکار ہے وہ بدل دو جہاں ہمارے بزرگ غلطیاں کرتے تھے بدل دو کوئی دوسرا قرآن لے آؤ۔ انہوں نے اس قرآن کریم کو حضور ﷺ کی تصنیف سمجھ رکھا ہے کہ آپ یہ نہ لکھیں یہ لکھ دیں۔ فرمایا یہ کیسے جاہل، کیسے بیوقوف ہیں کہ قرآن کریم واضح دلائل اور واضح آیات ارشاد فرماتا ہے اور جن کا قیامت پر ایمان نہیں ہے وہ کہتے ہیں اس کے علاوہ کوئی قرآن لاؤ اور اَوْ بَدِّلْهُ یا اسے کچھ تبدیل کر دو۔ فرمایا اے میرے حبیب ﷺ ان سے فرما دیجیے قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ کہ میرے لیے ممکن نہیں ہے کہ اسے تبدیل کر دوں یہ میری تصنیف نہیں ہے مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ کہ میں اپنی طرف سے اپنی خواہش کے مطابق اس میں تبدیلی کر دوں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ میں تو وہی کچھ کرتا ہوں جو مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے اور مجھے کامل یقین ہے قیامت پر اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ جو اللہ کی وحی کی نافرمانی کرے گا اس کو اس کی سزا بھگتنا ہوگی لہٰذا اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں اور پھر اس بڑے دن کے عذاب سے مجھے ڈر لگتا ہے عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ اس قیامت کے دن کی گرفت سے میں بھی ڈرتا ہوں۔

یہ آیت فکر کی دعوت دے رہی ہے کہ جو قرآن کو نہیں مانتے وہ تو نہیں مانتے لیکن اس میں سبق ان کے لیے بھی ہے جو قرآن کو مانتے تو ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ قرآن کا حکم یہ ہے لیکن اپنی خواہش کے لیے معنی میں تبدیلی کر لیتے ہیں، تاویل کر لیتے ہیں قرآن کے الفاظ تو بدلے نہیں جا سکتے وہ تو کوئی نہیں بدل سکتا کہ اللہ نے فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: 9) ہم نے یہ کتاب نازل فرمائی ہے اور ہم اس کی حفاظت فرمائیں گے۔ یہ قرآن کا زندہ معجزہ ہے کہ پندرہویں صدی جا رہی ہے، ساڑھے چودہ سو سال گزر گئے ہیں کوئی انسان اس کتاب کا ایک نقطہ، کوئی ایک زیر زبر کوئی حرف آج تک تبدیل نہیں کر سکا۔ شیعہ حضرات کا یہ کہنا کہ اصلی قرآن تو بدل گیا وہ تو چالیس سپاروں کا تھا کچھ ضائع ہو گیا کچھ یہ بن گیا کتنی حماقت کی بات ہے کہ جس وقت وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے خود حضور ﷺ کی زبان مبارک سے آیات سنی تھیں ان کے سامنے بدل گیا اور انہوں نے دوسرے قرآن کو مان لیا لیکن وہ دوسرا ان کے بقول جو نقلی بنا، پندرہ سو سال میں اس میں ایک نقطہ بھی تبدیل نہیں ہوا۔ یعنی جو اصلی تھا جس کی حفاظت کا ذمہ رب العالمین نے لیا تھا (معاذ اللہ) وہ بدل گیا اور ان کے بقول جو لوگوں نے بنا دیا وہ ابھی تک نہیں بدل سکا، قیامت تک نہیں بدلے گا تو اس کا مطلب ہے یہ فضول بات ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ وہی قرآن ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا یہ وہی الفاظ ہیں جو حضور ﷺ کے لب ہائے مبارک سے ادا ہوئے اور بڑا خوش نصیب ہے وہ جس کے

لبوں پر یہی الفاظ جاری ہوتے ہیں جو اللہ کی وحی، اللہ کا ذاتی کلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے لب ہائے مبارک سے ادا ہوئے۔قرآن کو پڑھنا کوئی معمولی سعادت نہیں ہے اتنی بڑی بات ہے کہ ہو بہو وہ الفاظ جو اللہ نے ارشاد فرمائے۔ نبی اکرم ﷺ کے قلب اطہر پر وحی فرمائے اور حضور ﷺ کی زبان مبارک پر جاری ہوئے۔ میں اور آپ وہی الفاظ دہرائیں تو اس سے بڑی سعادت کیا ہے، اس سے بڑا مرتبہ کیا ہے، اس سے بڑا مقام کیا ہے کہ اسی بات کو ہم بھی ادا کریں اپنے ان گناہگار ہونٹوں سے اپنی ان کمزور زبانوں سے جو نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جاری ہوئے تھے۔فرمایا اے میرے حبیب ﷺ! انہیں کہہ دیں کہ میں اپنی طرف سے اپنی خواہش سے کچھ تبدیلی نہیں کرسکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک کسی کو یہ جرأت نہیں کرنا چاہیے۔قرآن کا ترجمہ یا تفسیر ہوگی تو اس کے مطابق ہوگی جو نبی کریم ﷺ کی ساری حیات مبارک، آپ کا کردار اور آپ ﷺ کی سنت ہے۔آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کی حدیث کی حد سے نکل کر اگر کوئی اس کی تاویل کرے گا تو وہ ظلم کرے گا۔اپنے ساتھ بھی اور جن کو بتا رہا ہے ان کے ساتھ بھی ظلم کرے گا اور اس کی سزا بہت بڑی ہے جس کے لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بڑے دن کے، عذاب سے ڈرتا ہوں۔پھر کسی کی کیا مجال کہ وہ وہاں دم مارے۔

ایسے لوگوں پر مجھے افسوس ہوتا ہے، دکھ ہوتا ہے، دعا کرتا ہوں اللہ سب کو نیکی کی توفیق دے۔ان لوگوں میں کچھ لوگ تو جاہل ہیں لیکن اتنے جاہل بھی نہیں ہیں۔لوگ قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کے لیے باتیں بدل لیتے ہیں، گھڑ لیتے ہیں اور جا کر فتویٰ لے آتے ہیں۔فتویٰ دینے والا بھی جان رہا ہوتا ہے کہ میں غلطی کر رہا ہوں اور فتویٰ لینے والا بھی جانتا ہے تو پھر فتویٰ لیتے کیوں ہیں؟ لوگوں کی باتوں سے بچنے کے لیے لیتے ہیں۔آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے نہیں۔یہ بہت بڑا ظلم ہے جو چیز اللہ نے حرام کردی وہ حرام ہے جو اللہ نے حلال کردی وہ حلال ہے۔حلال کو حرام کہنا بھی کفر ہے حرام کو حلال کہنا بھی کفر ہے یہ گناہ نہیں ہے یہ کفر ہے۔جس طرح اب سود عام ہوگیا ہے کبھی اس کا نام منافع رکھ لیتے ہیں، کبھی مارک اپ رکھ لیتے ہیں تو کیا کتے کا نام بکرا رکھ لیا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا۔یہ غلط تاویلیں ہیں۔سود سود ہے وہ کسی شکل میں بھی لیتے ہیں۔سود حرام ہے اور سود سے باز نہ آنے والے کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اعلانِ جنگ ہے۔سیدھی سی بات ہے اسی طرح بے شمار نکاح طلاق کے مسائل ہوتے ہیں جوش میں آکر لوگ طلاقیں دے دیتے ہیں غلط فتوے لینے نکل جاتے ہیں مجھے حیرت ہوتی ہے اللہ پاک معاف کرے ہمارے علماء میں ایسے حضرات ہوتے ہیں جو کہتے ہیں اس طرح سے کہو گے تو ہماری مجبوری ہے ہمیں کہنا پڑے گا طلاق ہوگئی ذرا جملہ بدل لو یہ نہ کہو میں نے تمہیں طلاق دی، کہہ دو میں طلاق دوں گا ایسی باتیں انہیں سکھائی جاتی ہیں یہ ساری وہ باتیں ہیں جو اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی ہیں۔کم از کم اللہ کریم کے ساتھ تو معاملہ سیدھا رکھو

اور قرآن کی تعلیمات اور قرآن کے احکام وفتویٰ میں کوئی تبدیلی کی جرأت نہیں کرسکتا اللہ کریم نے جس طرح اس کے حروف کی حفاظت فرمائی ہے یہ جو فرمایا کہ ہم اس کے محافظ ہیں تو اس کی ساری برکات کا محافظ بھی اللہ ہے۔ ہمیشہ اہل حق بھی رہیں گے، سچ بتانے والے بھی رہیں گے، اہل دل بھی رہیں گے، ذاکر بھی رہیں گے، تفسیر کو جاننے والے بھی رہیں گے، معنی بتانے والے بھی باقی رہیں گے۔ یہ سب اس کتاب کی ضرورت ہیں اس لیے ان سب کو حفاظت الٰہیہ حاصل ہے جو خلوص سے اس حد کے اندر آجائے، اس کا دنیا میں کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اللہ اس کا محافظ ہے یہ تو بہت بڑی پناہ گاہ ہے کہ قرآن کی خدمت کو شعار بنالیں، قرآن پڑھائیں، قرآن کا معانی بتائیں، قرآن کی تفسیر بتائیں تو یہ تو اللہ کی پناہ میں آنے والی بات ہے محفوظ قلعے میں آنے والی بات ہے نہ یہ کہ حیلے حوالے کر کے تاویلیں گھڑ کے حرام کو حلال بنایا جائے اور حلال کو حرام بنایا جائے یہ بہت بڑا ظلم ہے اور بہت بڑی زیادتی ہے اور ایسا جرم ہے جس کے بعد نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو اس عظیم دن کے عذابوں سے مجھے بھی ڈر لگتا ہے۔ پھر ماوشما کی تو حیثیت ہی کیا ہے اور کسی کا تذکرہ ہی کیا۔ انبیاءؑ معصوم ہوتے ہیں لیکن لوگوں کو سمجھانے کے لیے فرما رہے ہیں بفرض محال میں بھی ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تم کیوں ایسا کرو گے تم کیوں قرآن کو غلط تاویلیں کرو گے، کیوں قرآن کی غلط تعبیر کرو گے، کیوں مسائل کو جان بوجھ کر غلط کرو گے اور الٹ بتاؤ گے؟ خلوص دل سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت مطلوب ہے صرف نقل کرنا مطلوب نہیں ہے۔ اطاعت مطلوب ہے جو دل کی گہرائی سے اور پورے خلوص سے ہو اور اللہ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ کریم ہمیں اس کتاب کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ جتنی کوتاہیاں، جتنے گناہ ہم کر چکے ہیں وہ کریم ہے ہمیں معاف فرمادے اور ہماری توبہ قبول فرمائے اور قرآن پر عمل کرنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین

فرمایا میرے حبیب ﷺ! انہیں فرمادیجیے کہ اگر اللہ کریم نہ چاہتے تو میں تمہیں یہ قرآن کریم نہ سناتا اور نہ میں تمہیں اس کے بارے کوئی خبر ہی دیتا۔ کفار کا خیال تھا کہ قرآن کریم میں کوئی تبدیلی کی جائے۔ کہتے تھے اب اسے بدل دیجیے کوئی ایسا قرآن پیش کیجیے جس میں ہمارے بتوں کی تردید نہ کی گئی ہو۔ کچھ باتیں آپ ہماری مانیں کچھ ہم آپ کی مان لیں تو فرمایا یہ میری تصنیف نہیں ہے کہ میں اس میں تبدیلی کرلوں۔ اسی کے بارے اللہ کریم کا ارشاد ہے، آپ ﷺ فرمادیجیے کہ اگر اللہ نہ چاہتے تو میں تمہیں یہ پڑھ کر نہ سناتا اور نہ اس کے بارے تم سے کوئی بات ہی کرتا کہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے لیکن میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔ مجھے یہ وحی سنانے کا حکم ہے مجھے لوگوں کو پہنچانے کا حکم ہے اور تم سب اس کے ماننے کے مکلف ہو۔ یہ اللہ کا کلام ہے اللہ کریم کی طرف سے ہے کسی بندے کے مشورے یا

خواہش سے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

عمر مبارک ﷺ دلیل نبوت:

فرمایا افَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اس سے پہلے میں تم میں ایک عمر بسر کر چکا ہوں۔ بچپن، لڑکپن، جوانی، چالیس برس میں تو کہولت کی عمر آ جاتی ہے۔ بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے۔ میرا بچپن تمہارے ساتھ گزرا لڑکپن تمہارے ساتھ گزرا، جوانی تمہارے درمیان گزری تو کیا اس ساری زندگی میں، میں نے کوئی ایسی بات تم سے کی ہے یا اس ساری زندگی میں معاذ اللہ میں نے کوئی غلط بات کہی ہے کہیں سے تم میرے لیے جھوٹ ثابت کر سکتے ہو، میرا کوئی کام غلط ثابت کر سکتے ہو کہیں تم کہہ سکتے ہو کہ میں نے کوئی غلط بات کی ہے یا غلط کام کیا ہے اور اگر ساری زندگی اور جوانی میں کوئی غلط بات نہیں کی تو اب جب عمر کہولت کی اور بڑھاپے کی شروع ہو رہی ہے تو کیا میں اللہ پر جھوٹ بولوں گا، جس نے ساری زندگی کسی بندے پر جھوٹ نہیں بولا کیا وہ ذات اللہ پر جھوٹ بولے گی؟۔

کیا خوبصورت بات ارشاد فرمائی فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ میں نے تو تمہارے سامنے زندگی بسر کر دی۔ عمر کا ایک بہت بڑا حصہ گزار دیا۔ چالیس برس قبل از بعثت گزر گئے تئیس برس عہد نبوت کی حیات مبارکہ کے گزر گئے تو گویا دو حصے عمر شریف بعثت سے پہلے آپ ﷺ نے مشرکین مکہ اور کفار عرب کے ساتھ بسر فرمائی اور کتنا بڑا سوال ہے ساری انسانیت کے لیے ان چالیس برسوں میں کہیں انگلی رکھ کر دکھاؤ، کہیں کوئی چیز تمہیں غلط نظر آتی ہو! کیا مبارک زندگی ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے جس کی طرف کبھی کسی جھوٹ کی نسبت نہیں کر سکتے تو ایسی ہستی کیا اللہ کریم پر جھوٹ بولے گی۔ جس نے کسی بندے پر کسی کافر مشرک پر جھوٹ نہیں بولا وہ ہستی اللہ کریم پر جھوٹ بولے یہ ناممکن ہے اور فرمایا اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا کہ میں یہ وحی تمہیں سناؤں، تمہیں اس کی طرف دعوت دوں اس پر عمل کرنے کی دعوت دوں تو مجھے کیا ضرورت پڑی تھی میں نے اتنی زندگی میں چالیس برسوں تمہیں کوئی بات نہیں بتائی کہ ایسا نہ کرو اور ایسا کرو یا یہ کہ اس کام کو اس طرح کرو۔ میرا کیا مطلب ہے میں تو تمہیں اس کی بھنک بھی نہ پڑنے دیتا لیکن جب اللہ کا حکم ہے کہ تمہیں سناؤں اور ماننے کی دعوت دوں تو میں علی الاعلان کہہ رہا ہوں اور کہوں گا یہ حوصلہ بھی انبیاءؑ کا ہی ہے۔ اب مکہ مکرمہ میں، مکی زندگی میں رہتے ہوئے یہ سورت پیش کرنا تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (اللھب: 1) یہ حوصلہ نبی کریم ﷺ کا ہی ہے کہ جہاں پہلے سارے مشرکین خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اگر ان کے منہ پر ایسی باتیں کہی جائیں تو وہ کیا کریں گے لیکن فرمایا نہیں مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں کوئی کیا کہے گا۔ مجھے اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے اور مجھے یہ حکم ہے کہ میں تم تک پہنچاؤں مجھے پہنچانا ہے کیا تم

عقل استعمال نہیں کر سکتے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯ ذرا سوچو جس شخص نے زندگی میں کسی شخص پر جھوٹ نہیں بولا وہ اللہ پر کیسے جھوٹ بولے گا۔

حضور اکرم ﷺ کی ماقبل بعثت کی زندگی یعنی حضور اکرم ﷺ کے نبی مبعوث ہونے سے پہلے کی جو زندگی ہے وہ کتنی پاکیزہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت کے لیے بطور دلیل پیش کی ہے کہ ایسا بندہ جس نے بچپن سے لے کر جوانی تک کوئی لفظ جھوٹ کا نہ کہا ہو، کسی سے بد دیانتی نہ کی ہو، کسی کو دھوکا نہ دیا ہو، کوئی غلط کام نہ کیا وہ اب کیسے غلط بات کہہ سکتا ہے۔ اگر کوئی ایسی بات ہے تو پھر تمہارے سامنے میری عمر گزری ہے میرے ہم عمر بھی ہیں، مجھ سے کم عمر بھی ہیں اور مجھ سے بڑے لوگ بھی تم میں موجود ہیں، کوئی ایک بات بتادو جہاں میں نے کوئی غلط کام کیا ہو یا غلط بات کی ہو تو جو پاکیزہ زندگی میں نے تمہارے درمیان رہ کر بسر کی اور کبھی جھوٹ نہیں بولا تو کیا میں آج اللہ پر جھوٹ بولوں گا۔ فرمایا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯ تمہیں اتنا شعور بھی نہیں ہے، تم سمجھ نہیں سکتے تم سوچ نہیں سکتے؟ جو چیز غلط ہے وہ غلط ہے خواہ وہ نسلوں سے چلی آ رہی ہو محض آباء واجداد سے چلی آئی برائی موروثی ہونے سے صحیح نہیں ہو جاتی صحیح اور غلط کا معیار کلام الٰہی ہے جسے اللہ کریم غلط قرار دیتے ہیں وہ غلط ہے جو اللہ کے حکم کے خلاف ہے، اللہ کی نافرمانی ہے اگرچہ دین بھی ہمیں وراثتاً ملا ہے اور نسلاً بعد نسلاً ملا ہے لیکن دین کی اساس اور بنیاد اللہ کا قرآن ہے۔ اللہ کا کلام، اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد، نبی ﷺ کی حیات مبارکہ، آپ ﷺ کا کردار، اور آپ ﷺ کا ارشاد دین کی بنیاد ہے یہ سارا حق ہے۔ حق کی پیروی کرنا عین دین ہے لیکن باطل کی پیروی کرنا باطل ہے جس طرح حق کی پیروی حق ہے اسی طرح باطل کی پیروی باطل ہے۔ کسی ایک برائی سے دوسری برائی کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔

ہمارا آج کا رویہ ہے کہ برائی کر کے برائی کا یہ جواز دیتے ہیں کہ فلاں نے بھی تو یہی کیا تھا جیسے صاحب اقتدار بجائے اپنی اصلاح کرنے کے کسی دوسرے کی برائی کو اپنے لیے بطور جواز پیش کرتے ہیں کہ فلاں کے دورِ اقتدار میں بھی تو یہی ہوتا تھا ایک بندے نے برائی کی تو کیا دوسرے کی برائی کا جواز بن جاتا ہے ایک شخص چوری کرتا ہے تو کیا دوسرے کے لیے چوری جائز ہو جاتی ہے؟ برائی برائی کا جواز نہیں بنتی۔ البتہ حق برائے حق کی دلیل بنتا ہے جیسے حضور ﷺ کی عمر مبارک قبل از بعثت بھی صداقتِ نبوت کی دلیل کے طور پر اللہ نے پیش کی ہے۔ سبحان اللہ! کیا عجیب بات ہے اور کتنی پاکیزہ عمر مبارک ہے کہ بطور دلیل نبوت قرآن کریم نے پیش فرمائی ہے۔ اتنی پاکیزہ زندگی گزارنے والا شخص کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر وہ کہتا ہے میں اللہ کا نبی ﷺ ہوں تو وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اگر وہ کہتا ہے مجھ پر یہ وحی آئی ہے تو وہ سچ کہہ رہا ہے اور وحی الٰہی کا ماننا ہم سب کے لیے ضروری ہے کہ اس کے باہر نجات نہیں ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ۭ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے یا پھر وہ بہت بڑا ظالم ہے جو اللہ کے احکام کا انکار کرے۔ وحی الٰہی کا انکار کردے اس کی آیات کا انکار کردے جھٹلا دے۔ یہ کہہ دے کہ یہ درست نہیں ہے یا یہ کہہ دے میں نہیں مانتا ایک ہی بات ہے تکذیب کا مطلب ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ فرمایا اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا، اس سے بڑے ظلم کا کوئی تصور ہی نہیں۔

تکذیب کی صورتیں:

اللہ کریم معاف فرمائے یہ بیماری مسلسل چل رہی ہے۔ کفار میں کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے کہہ دیا کہ ہم نہیں مانتے، ہم نبوت پر ایمان نہیں لاتے، ہم یہ بات بھی ماننے کو تیار نہیں کہ یہ وحی الٰہی ہے۔ ایک طبقہ وہ تھا جو کہتا تھا کہ اگر ہم آپ کی بات مان لیں تو ہمارے باپ دادا غلط قرار پائیں گے تو کیا ہم اپنے آباء اجداد کو غلط کہہ دیں ہم یہ نہیں کر سکتے۔ ایک تیسرا طبقہ وہ تھا جس کے مفادات مجروح ہوتے تھے جس طرح ان کے پیشوا بنے ہوئے تھے کوئی جادوگر تھے کوئی برائے نام علماء بنے ہوئے تھے پرانی کتابوں کے کوئی پادری بنے ہوئے تھے کوئی ربی بنے ہوئے تھے اس طرح کے لوگ تھے سچ بتانے سے ان کے مفادات مجروح ہوتے تھے وہ مذہب کے نام پر غلط بتا کر لوگوں سے مال بٹورتے تھے اور پیسے کھاتے تھے۔ وہ بھی کہتے تھے اس طرح کیسے ہو سکتا ہے یہ کیسے اللہ کا کلام ہو سکتا ہے۔ یہ بیماری ابھی تک چل رہی ہے کافر تو خیر کافر ہے اس نے تو اللہ کے رسول ﷺ کو، اللہ کی کتاب کو نہیں مانا وہ انکار کرتا ہے یہ اور بات ہے۔ حیرت ان پر ہے جو مسلمان کہلاتے ہیں، کلمہ بھی پڑھتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں ارکان دین بھی ادا کرتے ہیں لیکن جب موقع آتا ہے تو پیسہ کمانے کے لیے حلال حرام کی تمیز بھول جاتے ہیں۔ تاویلیں گھڑتے ہیں، جان بوجھ کر ادھر ادھر کی باتیں ملا کر اپنے لیے جواز پیدا کرتے ہیں اور یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ فرمایا، اس سے بڑا ظالم کون ہوگا، جو اللہ کی آیات کا انکار کرے۔ انکار کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک شخص نے کہہ دیا کہ میں مانتا ہی نہیں دوسرا کہتا ہے ان میں اس طرح کی تبدیلی کرو تو میں مان لوں گا۔ تیسرا کہتا ہے اس کا مفہوم یہ نہیں جو آپ بتا رہے ہیں اس کا مفہوم وہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ آج بھی ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ چیزوں کے نام بدل کر یا بات بدل کر جواز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو فرمایا اس سے بڑا اور کوئی ظلم ہی نہیں کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جائے یا غلط تاویلیں کی جائیں۔ آج بھی لوگوں کو پتہ ہوتا ہے کہ جو کام وہ کر رہے ہیں وہ ناجائز ہے پھر پتہ نہیں اس کے جواز کے لیے فتوے کیوں لیتے ہیں؟ بعض نیک لوگوں سے بھی فتوے لے لیتے ہیں چونکہ مفتی نے تو اس پر فتویٰ دینا ہے جو بات آپ بتائیں گے مفتی تو وہاں موجود نہیں تھا کہ جان سکے اصل واقعہ کیا ہے تو کچھ لوگ ایسے بے دین ہیں کہ

واقعہ کچھ اور ہوتا ہے مفتی کو اور طرح کی بات بتا کر فتویٰ لے آتے ہیں اور لوگوں کو دکھاتے پھرتے ہیں کہ یہ فتویٰ ہے لہٰذا میرا عمل جائز ہے یہ بہت بڑا جرم ہے۔ فتویٰ دینے والے کو تو جو بات آپ نے بتائی اس نے اس پر فتویٰ دیا۔ اگر اصل بات کوئی چھپا لے اور دوسری بات پر فتویٰ لے آئے تو بہت بڑا ظلم ہوگا لیکن کچھ مفتی بھی ایسے ہیں جو پیسے لے کر جان بوجھ کر تاویلیں گھڑ دیتے ہیں۔ اس کے لیے وہ سکھاتے ہیں کہ یوں نہ کہو یوں کہو۔ ان سارے فتوؤں کا حاصل کیا ہوگا؟ صرف یہ کہ لوگ ملامت نہ کریں لیکن لوگ ملامت نہ بھی کریں تو قبر میں، میدان حشر میں کیا جواب دیں گے؟

بنیادی غلطی:

ہمارے ہاں رواج ہے کہ ہم ہر کام کرتے وقت یہ سوچتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے؟ ہم نے لوگوں کے سامنے جواب دینا ہے یا اللہ کریم کے سامنے؟ یہ سوچ ہی بنیادی طور پر غلط ہے کہ لوگ کیا کہیں گے، لوگ جو جی چاہے کہتے رہیں۔ انہوں نے تو ہماری طرف سے اچھائی یا برائی کا جواب نہیں دینا اور نہ ہی ہمارے لیے عذاب یا ثواب طے کرنا ہے ایک اور بات میں آپ کو بتادوں کہ یہ اللہ کی شان ہے کہ جو لوگ اللہ کے لیے کسی کی پروا نہیں کرتے انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا۔ اللہ کریم خود ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی بجائے لوگوں کی رضامندی کے طالب ہوتے ہیں ان سے لوگ کبھی راضی نہیں ہوتے، ہمیشہ ان کی برائی کرتے رہتے ہیں۔ نوعِ انسانی کی یہ بڑی عجیب فلاسفی ہے۔ آپ غور کر کے دیکھ لیں کہ جس کام میں آپ نے اللہ کی رضا کو مدنظر رکھا، اس میں کوئی آپ کو ملامت نہیں کرے گا اور جس کام میں آپ نے لوگوں کی رضا کو مقدم رکھا کہ لوگ راضی رہیں تو میں یہ کام کرتا ہوں تو آپ کر بھی دیں تو بھی لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ لوگوں کے کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے، ہاں! سوچنا یہ چاہیے کہ جو کام میں کر رہا ہوں، فردائے حشر میں اللہ کریم کو کیا جواب دوں گا؟ وہاں جواب طلبی ہوگی کہ میں نے فلاں کام کیا، کیوں کیا اور کس طریقے سے کیا؟ اور اگر اللہ کریم توفیق دیں تو کسی بھی کام کرتے وقت یہ دھیان رکھنا چاہیے کہ کیا یہ کام اللہ کے حکم کے مطابق ہے؟ اللہ کریم مجھ سے خفا تو نہیں ہوں گے؟ اللہ کریم مجھ سے راضی ہوں گے۔ کیا یہ کام سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہے؟

غلطی ہو جانا ایک اور بات ہے، انسان ہے اس سے غلطی ہو سکتی ہے لیکن جب پتہ چلے غلطی ہوگئی فوراً توبہ کرے اور اس کام سے رجوع کرے اور ویسا کرے جیسا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔

نیکی کیا ہے؟

اول یہ کہ وہ اللہ کا حکم ہو، کرنے کا طریقہ وہ ہو جو نبی کریم ﷺ کا ہے یعنی سنت کے مطابق ہو جیسے ادائے صلوٰۃ اللہ کا حکم ہے اگر ہم حضور ﷺ کی سنت کے خلاف پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوگی ۔ جو طریقہ حضور ﷺ نے بتایا ہے اس کے مطابق پڑھنا ہی نیکی قرار پائے گی ۔ قرآن نے تو سادہ سا لفظ کہہ دیا اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (الانعام:72) نماز کو قائم کرو ۔ اب کیسے قائم کریں، نماز کے اوقات کیا ہیں، ان کی رکعات کتنی ہیں، ان کی تعداد کیا ہے، اس میں رکوع کیسے کرنا ہے سجود کیسے کرنا ہے، التحیات کیسے بیٹھنا ہے، دو رکعت پڑھنی ہیں یا چار پڑھنی ہیں، اس میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ہے، دعا پڑھنی ہے یہ ساری تفصیل حضور علیہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ملتی ہے ۔ اب اگر ہم اس تفصیل کو چھوڑ دیں اور اپنے طور پر پڑھنا شروع کر دیں تو اپنے طور پر ہم کیا پڑھیں گے؟ اوقات کیسے متعین کریں گے، رکعتیں کیسے متعین کریں گے، رکعتوں میں جو پڑھا جاتا ہے وہ کیسے متعین کریں گے؟ لہٰذا ہر کام کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ کریم کے حکم کے مطابق ہو اور اس کے کرنے کا انداز حضور ﷺ کی تعلیمات اور سنت کے مطابق ہو ۔ یہی حال قرآن کی تفسیر اور اللہ کے احکام کی تعبیر اور تاویل کا ہے ۔ آیات کی وہ تاویل کی جائے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے جو سلف صالحین سے، متقدمین سے، صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین سے ثابت ہے ۔ ایسی کوئی تاویل نہ کی جائے جو متقدمین سے ثابت نہیں ہے اور اپنی طرف سے گھڑ کے نہ کی جائے اور اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ اللہ کریم کی بات کو یا جھٹلا دے یا اس میں غلط تاویلیں کرے ۔ اس سے بڑے کسی ظلم کا کوئی تصور ہی نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ۝ ایسے بڑے مجرم کبھی فلاح نہیں پاتے نتیجے اور انجام کے اعتبار سے یہ لوگ ہمیشہ برباد ہو جاتے ہیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ۔

فلاح کیا ہے؟

فلاح بڑا وسیع المعانی لفظ ہے اس کا ترجمہ ہم کامیابی لکھ دیتے ہیں لیکن فلاح سے مراد ابدی کامیابی ہے کہ زندگی میں، دنیا میں، خاندانی امور میں، ذاتی امور میں، کاروبار میں، موت میں، برزخ میں، میدان حشر میں ہر جگہ کامیابی نصیب ہو تو اسے فلاح کہتے ہیں جیسے موذن پکارتا ہے، نماز کے لیے کہتا ہے حیَّ علی الفلاح آؤ کامیابی کی طرف ۔ یہ کامیابی وقتی نہیں ہوتی یہ ابدی اور ہمہ گیر ہوتی ہے ہر شعبہ زندگی میں کامیابی، کاروبار میں، تجارت میں، گھریلو معاملات میں، اولاد میں، بزرگوں کے ساتھ تعلقات میں، معاشرے کے ساتھ تعلقات اور لین دین میں، موت میں مابعد الموت، میدان حشر میں یہ مسلسل کامیابی فلاح کہلاتی ہے ۔

فرمایا جو لوگ فرمان الٰہی کا انکار کرتے ہیں یا اس کو غلط تعبیریں کرتے ہیں یہ بہت بڑے مجرم ہیں اور ایسے

مجرم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے زندگی کے ہر شعبے میں ان کا انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ ناکامیوں سے بھرپور ہوتا ہے اور تباہیوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ آخرت میں بھی اسی طرح ناکام ہوتے ہیں۔

پھر اس کا دوسرا رخ بھی سوچو میں سچ کہہ رہا ہوں اور یقینا الحمدللہ سچ کہہ رہا ہوں اللہ کی وحی ہے اگر تم اس کا انکار کرو گے یا اس کی غلط تاویلیں کرو گے تو پھر تم سا بڑا ظالم اور مجرم کون ہوگا۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اس کی غلط تاویلیں نکالو گے تو تم سا بڑا ظالم کون ہوگا؟

لوگ اس طرح تاویلیں گھڑتے ہیں جیسے ایک سرکاری اہلکار کسی پل یا راستے پر ڈیوٹی کے لیے کھڑا تھا ہر آنے والے کو روک لیتا اور اس سے پیسے لے کر، رشوت لے کر گزرنے دیتا تو کسی نے جا کر حاکم سے شکایت کر دی کہ وہ کسی کو گزرنے نہیں دیتا رشوت لیتا ہے تو تب گزرنے دیتا ہے۔ حاکم نے اسے حکم لکھ دیا کہ ''روکو مت جانے دو'' یعنی ان لوگوں کو روکو نہیں جانے دو۔ جب اسے یہ حکم نامہ دیا تو اس نے کہا یہ تو لکھا ہوا ہے ''روکو۔ مت جانے دو'' یہ جملہ وہی تھا اس نے کہا بھئی تم یہ جملہ میری تائید میں لکھوا لائے ہو کہ روکو ان کو مت جانے دو۔ لکھ کر اس نے دیا تھا ان کو روکو نہیں ان کو جانے دو۔ اس نے اس مت کو آگے ملا لیا کہ روکو، مت جانے دو۔ اس طرح اگر اہل علم قرآن وسنت کے ساتھ یہ کچھ کر کے اس کی غلط تاویلیں نکالیں گے تو فرمایا اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ سوچا جائے کہ بندہ کیوں ایسا کرتا ہے؟ وہ دنیوی مفاد کے لیے چند ٹکوں کے لیے کرتا ہے حالانکہ نہ یہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور نہ ہم وہ ساری دولت استعمال کر لیں گے جو ہم جمع کرتے ہیں اور کما رہے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سقوط بغداد کے موقع پر ہلاکو خان نے خلیفہ بغداد کو قید کر دیا یہ دیکھ کر ہلاکو حیران ہوا کہ خلیفہ کے خزانے ہیروں اور جواہرات سے بھرے پڑے تھے جب خلیفہ کو بھوک لگی تو ہلاکو نے حکم دیا کہ ہیروں اور جواہرات کے بھرے ہوئے تھال لائے جائیں اور خلیفہ کے سامنے رکھے جائیں اس سے کہا جائے کہ ان جواہرات کو کھاؤ۔ خلیفہ کیسے کھاتا، کیا کھاتا، ہیرے کھاتا، سونا کھاتا؟ تو اس نے کہا کھا نہیں سکتے ہو تو فوج پر خرچ کیا ہوتا اور آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اسے کیوں جمع کرتے رہے ہو۔ ایک فوج بنائی ہوتی اسے معقول تنخواہ دی ہوتی اچھا اسلحہ خریدا ہوتا لوگوں پر خرچ کرتے ملک کو سنوارا ہوتا تو آج تمہیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ خلیفہ تو اپنی قوم سے غداری کے بدلے ہلاکو سے وعدہ لے چکا تھا کہ اسے قتل نہ کیا جائے اس لیے ہلاکو نے کہا اسے تلوار سے قتل نہ کرو اسے نمدے میں لپیٹ کر اتنی لاتیں مارو کہ یہ مر جائے اور اسے اسی طرح مار دیا گیا۔

تو یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ دولت جو ہم جمع کرتے ہیں کیا ہم ساری کھا لیتے ہیں۔ کیا یہ مرنے کے بعد ہمارے کسی کام آئے گی؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندے کا مال دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جو وہ استعمال کر لیتا ہے،

کھالیتا ہے، پہن لیتا ہے۔ دوسرا وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوگا۔ اس کے بعد جو کچھ ہے وہ دوسرے لوگوں کا ہے وارثوں کا ہے تو ہم لوگوں کے لیے جمع کرتے رہتے ہیں تو پھر اس میں ناجائز جمع کیوں کریں۔ اس میں غلط تعبیریں کر کے دولت جمع کیوں کریں؟ یعنی کھائے گا کوئی، جواب طلبی ہماری ہوگی اس کا کیا فائدہ۔ فرمایا اس سے بڑا ظلم کیا ہے کہ اللہ پر جھوٹ بولا جائے۔ اللہ پر جھوٹ بولنا یہ ہے کہ کوئی کام اللہ کا حکم نہیں ہے اور کوئی کہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ قرآن اور سنت کا منشاء کچھ اور ہو اور اس کی غلط تاویل کر کے چند ٹکے بچانے کے لیے یا اپنا اقتدار بچانے کے لیے یا کسی کی خوشامد کے لیے غلط تاویلیں کرے تو فرمایا ایسے لوگ کرتے تو اس لیے ہیں کہ کامیاب ہوں ان کی نیک نامی ہو اور دولت ملے فرمایا یہ لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ زندگی کے کسی شعبے میں انہیں کوئی کامیابی نہیں ملتی۔ اور پھر اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ عبادت کا مقصد تو معبود حقیقی کی رضامندی کا حصول ہے اس کے لیے جو کام بھی کرتے ہیں وہ عبادت ہے تمام ارکان دین نماز روزہ حج زکوۃ فرائض ہیں جو ضرور کرنے ہیں لیکن زندگی کا کوئی بھی کام جب اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے وہ عبادت ہے اور اگر اپنے کام اللہ کی رضا کی پروانہ کرتے ہوئے لوگوں کی شاباش لینے کے لیے کریں گے لوگوں کی خوشنودی کے لیے کریں گے تو وہ بھی عبادت ہوگی لیکن ان کی جن کی آپ خوشنودی چاہتے ہیں۔ وہ اللہ کی عبادت نہیں ہوگی۔ جو کام اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے گا وہ اللہ کی عبادت ہے اور جو کام لوگوں کی خوشنودی کے لیے کیا جائے گا وہ لوگوں کی عبادت ہو جائے گا فرمایا: وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ جو اللہ کی رضا چھوڑ کر بندوں کی رضا چاہتے ہیں وہ بندوں کی عبادت کرتے ہیں ان کی خوشنودی چاہتے ہیں اس کے لئے قرآن کریم کی غلط تاویلیں کرتے ہیں، احادیث مبارکہ کی غلط تعبیریں کرتے ہیں، سنت مبارکہ کی غلط تعبیریں کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے ایک انسانی عادت یہ بھی ہے کہ غلطی کرتے ہیں اور غلطی کو غلط ماننے کو تیار نہیں ہوتے اس کا جواز تیار کرتے ہیں کہ میں نے جو کیا وہی صحیح ہے یہ تو بڑا جرم ہے۔ اگر غلطی ہو گئی تو اسے غلطی تسلیم کرو کہ جو اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا وہ صحیح ہے جو میں نے کیا وہ غلط ہے لیکن لوگ اس پر نہیں آتے اپنی غلطی کے جواز تلاش کرتے ہیں اور غلطی کا جواز اس لیے بناتے ہیں کہ لوگ ملامت نہ کریں۔ فرمایا جو اس روش کو اپناتے ہیں وہ لوگوں ہی کی عبادت کرتے ہیں وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ ان کا کچھ سنوار سکتے ہیں۔ لوگ راضی ہوں گے تو آپ کو کیا دیں گے اور ناراض ہوں تو آپ کا کیا لے جائیں گے۔ رزق تو اللہ کی طرف سے ہے صحت اس کی طرف سے ہے، زندگی اور موت اس کی طرف سے ہے۔ نیک نامی، بدنامی سب اس کی طرف سے ہے جو وہ چاہے کرے۔ لوگ تو آپ کو کچھ دے نہیں سکتے آپ کا کچھ اجاڑ نہیں سکتے آپ کا کچھ سنوار نہیں سکتے۔

شرک کی صورتیں:

کہتے ہیں وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ہم جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں یہ بزرگان دین کے بت ہیں۔ جن قبروں پر ہم سجدے کرتے ہیں یہ مقبولان بارگاہ کی قبریں ہیں۔ اگر کسی عالم، کسی ولی اللہ، کسی نیک آدمی کی بات وہ مانتے ہیں جو قرآن وسنت کے مطابق ہے تو یہ تو دین ہے لیکن اگر آپ بزرگان دین پر بھی تہمت لگا دیتے ہیں جیسے عیسائیوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام نے کب اس کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ تو دہرا ظلم ہو گیا کہ ایک کفر کر رہے ہیں دوسرا اللہ کے نبیؑ پر بھی الزام لگا رہے ہیں۔ اگر کوئی واقعی ولی اللہ ہے اور لوگ اس پر الزام لگا کر قبر کو سجدے کرنا شروع کر دیتے ہیں تو یہ تو دہرا ظلم ہو گیا۔ کس ولی اللہ نے کہا تھا کہ میری قبر کو سجدے کرنا؟ نبی کریم ﷺ کا واضح حکم موجود ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوںؑ کی پوجا شروع کر دی تھی تم میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ جب حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو سجدہ جائز نہیں ہے تو پھر ماد شا کی کیا حیثیت ہے لیکن لوگ کرتے ہیں اور پھر اسے دین بھی کہتے ہیں تو فرمایا یہ تو بہت زیادتی ہے اور جب اس سے روکا جائے تو کہتے ہیں وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ یہ اللہ کے نزدیک ہماری سفارش کرتے ہیں۔ ایسا کون ہے جو یہ جرأت کر سکے کہ اللہ تعالیٰ کو کہے یوں نہ کریوں کر۔ کس کی مجال ہے۔ فرمایا! اے میرے حبیب ﷺ میرے لیے ماضی، حال، مستقبل کچھ بھی نہیں بلکہ ہر چیز ہمہ وقت حاضر ہے۔ اللہ کا علم حضوری ہے۔ جو گزر چکا وہ بھی اس کے علم میں ہے اس کے سامنے حاضر ہے جو ہو رہا ہے وہ بھی اس کے سامنے حاضر ہے جو ہونے والا ہے وہ بھی اس کے سامنے حاضر ہے یعنی ازل سے ابد تک ہر ذرہ اس کے علم میں موجود ہے۔ یہ ماضی، حال، مستقبل مخلوق کے لیے ہیں۔ خالق کا علم حضوری ہے۔

کوئی ایسا ہے ہی نہیں جو اللہ کے نزدیک زبردستی سفارش کر سکے۔ سفارش کے لیے بھی تو اس کی اجازت ہو گی کہ کون سفارش کرے گا، کن لوگوں کی کرے گا۔ انبیاء سفارش کریں گے تو ان کو اجازت ہو گی۔ صلحاء سفارش کریں گے ان کو اجازت ہو گی۔ چھوٹے بچے ماں باپ کی سفارش کریں گے ان کو اجازت ہو گی لیکن شفاعت کی شرط یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ جو کفر پر مرے ان کے لیے تو حضور اکرم ﷺ کو زندگی میں دعا کرنے سے اللہ نے منع فرمایا۔ ان کی قبر پر جانے سے منع فرما دیا۔ ان کا جنازہ پڑھنے سے روک دیا تو مرنے کے بعد ان کی سفارش کون کرے گا۔ تو فرمایا ایسا کوئی سفارشی نہیں جس کا اللہ محتاج ہو کہ اس کی بات نہ مانی تو بات بگڑ جائے گی ایسا کوئی نہیں۔

ہمارے ایک ساتھی خان زمان تھے۔ اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے فناء بقاء تک مراقبات تھے

مشاہدات اچھے تھے۔ زمیندار تھے اپنے گاؤں کے نمبردار تھے انہیں ہائی کورٹ میں کوئی کام تھا اس کے لیے لاہور گئے۔ لاہور سے واپس آئے، میں حضرتؒ کی مجلس میں موجود تھا وہ بھی آئے جب بیٹھے تو بات چلی کہنے لگے حضرت میں لاہور گیا تھا اپنے کام سے فارغ ہوا تو میں داتا صاحب کے مزار پر چلا گیا۔ تو میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ روضہ کو سجدے کررہے ہیں مقبرے کے باہر کوئی ماتھا ٹیک رہا ہے کوئی روضہ کی دیوار پر سجدہ کررہا ہے تو میں نے داتا صاحب سے عرض کیا کہ حضرت یہ تو آپ کی قبر کو سجدے کررہے ہیں تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ یہ روکنا تمہاری ذمہ داری ہے میری نہیں۔ تو وہ یہ بات سمجھ نہ سکے بنیادی طور پر زمیندار تھے زیادہ پڑھے لکھے بھی نہیں تھے تو یہ سوال حضرتؒ سے پوچھنے آئے تھے کہ یہ مجھے حضرتؒ نے کیا فرمادیا۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ وہ ٹھیک کہتے ہیں جب وہ دنیا سے گزر گئے تو اب یہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔ قبر سے آ کر انہوں نے نہیں روکنا اب یہ ہماری ذمہ داری ہے ہم جو دیکھ رہے ہیں وہ لوگوں کو سمجھائیں تو انہوں نے بجا فرمایا کہ اب یہ تم لوگوں کی ذمہ داری ہے میری نہیں۔ جہاں واقعی کوئی ولی اللہ ہے وہاں یہ عالم ہے کہ وہ کسی کے سجدے سے خوش نہیں ہوتے وہ اسے شرک ہی سمجھتے ہیں لیکن وہ مکلف نہیں ہیں کہ وہ قبر سے اٹھ کر انہیں روکیں زندگی میں مکلف تھے زندگی ختم ہوگئی تکلیف شرعی ختم ہوگئی اب جو لوگ دنیا پر موجود ہیں وہ مکلف ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات پہنچائیں۔

فرمایا یہ بتوں کو سجدے کرتے ہیں۔ بعض نے نیک لوگوں کے بت بنا لیے ہیں بعض انبیاء کی قبروں کو سجدے کرتے ہیں بعض اولیاء کی قبروں کو سجدے کرتے ہیں بعض ویسے ہی مٹی کے ڈھیروں کو سجدے کرتے رہتے ہیں اور روکو تو کہتے ہیں ہم انہیں معبود تو نہیں سمجھتے ہم انہیں اس لیے سجدے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہماری سفارش کریں گے تو فرمایا ایسا کوئی سفارشی، اس کا وجود کیا ہوگا وہ تو علم الٰہی میں بھی نہیں ہے۔ دنیا پر تو وجود ہونا دور کی بات ہے علم الٰہی میں ہوگا تو دنیا میں آئے گا۔ کوئی ایسا تو علم الٰہی میں بھی نہیں ہے کہ جو اللہ سے زبردستی اپنی بات منوا سکے سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٨﴾ وَمَا اللہ کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے اور جو یہ شرک کرتے ہیں اللہ اس سے بہت بلند ہے۔ وہ بہت عظیم ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ شرک کریں تو یہ خود ذلیل ورسوا ہوتے ہیں وہ ان سب چیزوں سے پاک اور بلند ہے۔

فرمایا لوگ ایک ہی طریقے پر رہے ہیں۔ بنیادی انسانی طریقہ ایک ہی تھا جو اللہ کریم نے اپنے نبیؑ اور پہلے انسان اور انسانوں کے والد حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو سکھایا۔ یہی معمورۂ عالم تھا، یہی دنیا تھی، یہی زمین تھی، یہی آسمان تھا، ساری چیزیں دنیا میں اسی طرح آباد تھیں۔ انسانوں کو اللہ نے زمین پر بھیجا آدم علیہ السلام کو اللہ نے زمین پر بھیجا اور ان سے آگے نسل انسانی شروع ہوئی تو سب لوگ ایک ہی طریقے پر آدم علیہ السلام کے

طریقے پر تھے۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا لوگ ایک ہی جماعت، ایک ہی امت تھے، جن کا ایک ہی عقیدہ، ایک ہی مذہب تھا وہ سب ایک ہی طریق عبادت پر تھے لیکن جب دنیا میں آئے تو دنیا کی چیزوں کی طلب نے، دنیا کے حسن نے، دنیا کے لالچ نے انہیں رجھالیا۔ جب تک طلب اللہ کی رضا کی رہی مذہب ایک ہی رہا، طریقہ ایک ہی رہا، طرزِ حیات ایک ہی رہالیکن جب رضائے باری کی جگہ دنیا کا لالچ آ گیا تو بگاڑ آ گیا۔ کردار کا اثر جو ہے وہ ایمانیات پہ بھی ہوتا ہے کیسی عجیب بات ہے انسان کا جب کردار بدلتا ہے تو اس کے اثر سے اس کا ایمان بھی محفوظ نہیں رہتا یہ سمجھ لینا کہ خیر ہے گناہ بھی ہو جاتا ہے یہ درست نہیں۔ یہ ٹھیک ہے گناہ بھی ہو جاتا ہے لیکن گناہ کو پیشہ نہیں بنالینا چاہیے۔ غلطی سے اگر ہو گیا تو اس سے توبہ کرو رجوع الی اللہ کرو، اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اسے چھوڑ دو۔ اب اسی گناہ پر پکا ہو جانا جسے ایک عام محاورہ ہے کہ کوئی نہیں خیر ہے اللہ غفور رحیم ہے گناہ کرتے رہو۔ یاد رہے ہر چیز کا ایک اثر ہوتا ہے۔ طب کا ایک محاورہ ہے جسے انگریزی میں کہتے ہیں Slow poisoning تھوڑی تھوڑی بے ضرر سی زہر کسی کو کھلاتے رہنا بڑی معمولی سی مقدار جس سے کچھ نہ بگڑے وہ آہستہ آہستہ بندے کو کھلاتے رہتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اس کی مقدار اندر جا کر اتنی ہو جاتی ہے جو اس کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ تو گناہ جو ہے یہ بندے کے لیے زہر ہے، کب تک ہضم ہوگا اور روح کی حیات ایمان سے ہے۔ بدن کی حیات روح سے ہے روح کی اپنی زندگی ایمان ہے۔ اگر ایمان چلا گیا تو پھر روح سمجھو مردہ ہے۔ مردہ ہونے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جیسے انسان کے وجود سے روح نکل جائے تو پھر انسان اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں رہتا، اٹھ، بیٹھ نہیں سکتا دیکھ، سن نہیں سکتا۔ دوسروں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے وہ اسے سیدھا رکھے الٹا رکھے زمین میں دفنائے آگ میں جلا دے غسل دے کفن پہنائے نہ پہنائے نماز پڑھائے نہ پڑھائے۔ جب روح مردہ ہو جاتی ہے تو وہ بھی اسی طرح شیطان کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے تو جو کام وہ چاہے اس سے لیتا ہے۔

آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو شادی کے معاملے میں یہ مسئلہ ہوا کہ میں اس لڑکی سے شادی کروں گا یعنی اس میں دنیا کی طلب آ گئی دنیا کے حسن کی طلب آ گئی تو یہ پہلا اختلاف تھا جو انسان میں پڑا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا اللہ کریم سے فیصلہ کرالو دونوں بھائی قربانی پیش کرو جس کی قربانی قبول ہو گئی اس لڑکی سے وہ نکاح کر لے گا۔ پہلی امتوں میں طریقہ یہ تھا کہ قربانی میدان میں رکھی جاتی، مال ہوتا تھا یا جانور آسمان سے آگ آتی اور جو قربانی قبول ہوتی ہے اسے وہ ختم کر دیتی جو نہ قبول ہوتی وہ پڑی رہ جاتی۔ دونوں بھائیوں نے قربانی کی۔ ہابیل کی قبول ہو گئی قابیل کی قبول نہ ہوئی۔ اب اصول تو یہ تھا کہ حق بھی اسی کا بنتا تھا اس کے باوجود آدمؑ نے اصرار نہ فرمایا۔ فرمایا قربانی کر لو پھر اللہ کی طرف سے بھی فیصلہ آ گیا۔ اب اسے چونکہ لالچ تھا اس نے کہا نہیں میں تمہیں کرنے نہیں دوں گا میں تمہیں قتل کر

دوں گا اس نے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ پہلا اختلاف تھا جو دنیوی لذت یعنی ایک خاتون سے شادی کرنے کے لالچ میں پیدا ہوا۔ اب جب وہ یہ کر بیٹھا تو پھر بھاگا کہ والد کے سامنے نہ جاؤں آگے شیطان نے سنبھال لیا۔ اس نے کہا دیکھو یہ آگ ہی ہے جو بھلے برے کا فیصلہ کرتی ہے تمہاری قربانی آگ نے رد کر دی ہابیل کی قبول کر لی تو اگر تم آگ کو راضی کر لیتے تو ایسا نہ ہوتا چنانچہ وہاں سے لے کر اسے آگ کی پوجا پر لگا دیا۔ یعنی یہ پہلا کفر یہ دین تھا اور یہ پہلا شرک تھا جو شروع ہوا کہ آگ کی پرستش شروع کی گئی۔ تو ارشاد باری ہے وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً لوگ ایک ہی جماعت تھے فَاخْتَلَفُوْا ؕ ان میں اختلاف پیدا ہو گیا دنیا در آئی اور دو جماعتیں بن گئیں اور قیامت تک دو ہی جماعتیں رہیں گی۔ ایک مومنین کا طبقہ ہے جنہیں ایمان نصیب ہوا اور دوسرا کفار کا۔ دنیا میں دو ہی قومیں ہیں مومن اور کافر۔ آگے کفار کی جتنی قسمیں ہیں وہ سب اسی ایک گروہ کفار میں ہیں۔ مسلمانوں میں فروعی جزوی اختلاف ہیں لہٰذا ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَة (الاستذکار لابن عبدالبر) کفر ایک ہی ملت ہے ایک ہی قوم ہے۔ یہ جو ہم کہتے ہیں پنجابی پٹھان عربی، فرانسیسی، جاپانی یہ شناخت تو ہو سکتی ہے یہ قوم نہیں ہے۔ سندھی پنجابی قومیں نہیں ہیں۔ پٹھان قوم نہیں ہے، بلوچ قوم نہیں ہے یہ قبائل کی شناخت ہے آدمی کی پہچان ہو سکتی ہے۔ اس کا تعارف ہو سکتا ہے کہ کون کون ہے۔ فلاں قبیلے کا ہے فلاں خاندان کا ہے۔ قومیں صرف دو ہیں مومن اور کافر۔ مسلمان جہاں بھی ہے...... دنیا کے کسی حصے میں ہے چین میں ہے، امریکہ میں ہے جہاں بھی ہے وہ اُمت مسلمہ کا ایک حصہ ہے اور مسلمانوں کا بھائی ہے اس کا نظریہ اسلام اور اس کی قوم مسلمان ہے چینی جاپانی قوم نہیں ہے۔ علاقائی نام قومیں نہیں ہیں۔ زبان سے شناخت ہے تو وہ قوم نہیں ہے قوم اسلام ہے۔ کافر جہاں بھی ہے وہ دوسرے کافر ہی کی حمایت کرے گا کہ اسی کا بھائی ہے۔ مومن جہاں بھی ہے مومن کا بھائی ہے لہٰذا دنیا میں قومیں صرف دو ہیں مومن اور کافر اور یہ قابیل سے اور ہابیل سے شروع ہوئیں۔ ہابیل شہید ہو گیا قابیل نے قتل کر دیا۔ وہ کامیابی سے ہمکنار ہوا اور یہ نبی کا بیٹا ہونے کے باوجود کفر و شرک میں مبتلا ہو گیا تو وہاں سے دو قومیں بن گئیں اختلاف شروع ہو گیا۔ اب آگے قوموں میں چھوٹے چھوٹے طبقے چھوٹے چھوٹے قبیلے چھوٹے چھوٹے عقیدے بنتے رہے لیکن دنیاوی طور پر قومیں دو ہیں مومن اور کافر۔

دو قومی نظریہ:

یہی دو قومی نظریہ تھا جس پر ہندوستان تقسیم ہوا اور ہمیں پاکستان نصیب ہوا اور گزشتہ پینسٹھ برس سے ہم سنتے آرہے ہیں کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے لا الہ الا اللہ اب ہمارے دانشوروں نے لا الہ الا اللہ کو مٹا کر اس کی جگہ اب پ لگا دیا ہے اور کہتے ہیں اب پ کے علاوہ پاکستان کا کوئی مطلب نہیں اور یہ اتنی بڑی جسارت ہے کہ اسے اگر

کفر کہا جائے تو کوئی اندیشہ نہیں ۔ اللہ کا نام، اللہ کی توحید، اس کی ربوبیت کو کاٹ کر تم اب پ لکھ رہے ہو علم کسے کہتے ہو۔ آقائے نامدار ﷺ نے تو کسی استاد کسی سکول کا منہ نہیں دیکھا جو ارشادات فرمائے ان کے بارے میں ذرا بیٹھ کر سوچیں آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے جو ارشادات فرمائے ان میں آج بھی روئے زمین پر ساری انسانیت کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے کتنے تھے جو مکتب کے پڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت ﷺ سے سن کر سیکھا علم جاننے کا نام ہے سن کر سیکھنا علم ہے، دیکھ کر سیکھنا علم ہے اور سب سے اعلیٰ علم ہے کہ اللہ کریم اپنی طرف سے کسی کو عطا کردے، علم لدنّی۔ مدرسے جانا چاہیے سکول کالج ہونے چاہئیں تعلیم ہونی چاہیے اس کی اپنی اہمیت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ لا الہ الا اللہ کو مٹا کر وہاں پر اب پ لکھ دیں اب کلمہ طیبہ کی اتنی اہمیت ہمارے نصاب تعلیم میں نہیں ہے۔ انگریز نے سو ڈیڑھ سو سال برصغیر پر حکومت کی تو اس نے بھی ایک حد تک اسلام اور اسلامی شعائر کو تعلیم کا حصہ رکھا جب سے ہم آزاد ہوئے ہیں تو ہم مادر پدر آزاد ہو گئے ہیں۔ پاکستانی حکومتوں نے دین کا اتنا سا حصہ بھی نصاب سے نکال دیا ہے۔ اب بچہ اگر چار دفعہ ایم اے بھی کرلے اور پی ایچ ڈی بھی کرلے تو اسے دین کی الف ب کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔ پورے نصاب میں اتنا بھی نہیں ہے حالانکہ دنیا کی جتنی کافر قومیں ہیں وہ سب سے پہلے بچے کو اپنی شناخت سکھاتی ہیں اپنا نظریہ دیتی ہیں، اپنی قومی شناخت دیتی ہیں، یہ تعلیم کی بنیاد ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں بچے کو یہ سب نہیں بتایا جاتا۔ انگریز کی غلامی پر ابھی تک مجبور کیا جارہا ہے اور آج بھی انگریزی زبان محض ترقی یافتہ کہلوانے کے لیے انگریز کے لہجے میں بولی جاتی ہے۔

فرمایا! انسان تو ایک ہی امت تھے، ایک ہی جماعت تھے۔ دنیا کی رنگینیاں بعض کو بھا گئیں انہوں نے عظمت الٰہی کو چھوڑ کر دنیا کی طلب کا رخ کرلیا اور اختلاف پیدا ہو گیا تو دو قومیں بن گئیں اللہ والے اور دنیا والے۔ اب ہمیشہ یہی دو قومیں رہیں گی اب ان کے آگے جز و بنتے رہیں لیکن بنیادی طور پر ہر کافر کافر ہے۔ ہر کُتا، کتا ہوتا ہے وہ چھوٹے قد کا ہو یا بڑے قد کا، سفید ہو یا سیاہ وہ کاٹنے والا ہو یا رکھوالی والا یا شکار والا ہو آگے ان کی قسمیں ہیں بنیادی طور پر ہر کُتا کُتا ہوتا ہے اسی طرح ہر کافر کافر ہوتا ہے۔

ہر مومن مومن ہوتا ہے۔ نور، نور ہے تھوڑی مقدار میں ہے یا زیادہ ہے۔ منتشر و متفرق ہے یا یکجا ہے لیکن نور، نور ہے، ظلمت، ظلمت ہے روشنی، روشنی ہے، تاریکی، تاریکی ہے۔ تو فرمایا دنیا تو آزمائش کے لیے تھی ظاہر ہے کہ ایک طرف جمال باری ہو، رضائے باری ہو لقاء باری ہو تو مقابلے میں کوئی چیز تو بہت خوبصورت پسند آنے والی بڑی لذیذ ہی ہونی چاہیے مقابلہ تو تب ہوگا۔ تو یہ جو دنیا کو کہا جاتا ہے کہ دنیا کوئی چیز نہیں یہ غلط ہے اللہ نے دنیا بڑی خوبصورت بنائی ہے۔ اللہ نے اپنے مقابلے پر رکھی ہے اس کی لذتیں اور اس میں شیرینیاں اور اس کی خواہش یہ اتنی

پرکشش ہیں کہ بندے کو جذب کر لیتی ہے۔ وہ اللہ کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور یہی آزمائش ہے اور یہی امتحان ہے اور اسی کے لیے بندے کو فرصت دی گئی، مہلت دی گئی اس کریم نے کائنات میں اتنے رنگ بکھیرے ہیں کسی ایک پرندے کو دیکھ لیں اور اس کے ایک ایک پر کی ترتیب کو دیکھیں اس میں رنگ بھرے ہوئے دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے اس کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ کسی ایک پھول ایک پتے کو دیکھ کر اس کی جزئیات پر نظر کریں کتنی باریکی سے ایک پتے کے اندر بے شمار رگیں جوڑ جوڑ کر ان میں رنگ بھرے، سیال مادہ اس کی غذا اس میں اس کے کھانے والوں کی غذا اس میں بیماریوں کی شفا کیا کیا کہاں کہاں پرو دیا ہے وہ کاریگر کیسا ہے، وہ قادر مطلق کون ہے اور وہ کیسا صناع عالم ہے، اس نے کیا کیا بنایا ہے۔ یہ ساری چیزیں اس کی توحید کی گواہی کے لیے کافی ہیں۔ یہ موسموں کا آنا اور جانا، یہ سورج کا طلوع وغروب، یہ موسموں کا تغیر وتبدل، دن رات کی تبدیلیاں، یہ ہست و بود، یہ لوگوں کا آنا جانا۔ کہاں ایک شہنشاہ پورے برصغیر پر حکومت کر رہا ہے اور کہاں اس کی قبر آج لوگوں کی سیر گاہ بنی ہوئی ہے۔ یہ ساری تبدیلیاں اس کی عظمت کو بتانے کے لیے کافی تھیں اس کے باوجود اس نے کرم فرمایا کہ انبیاءؑ مبعوث فرمائے یہ اس کا مزید احسان ہے۔ کائنات میں اسے پہچاننے کے لیے دلائل کی کمی نہیں ہے کوئی طلوع سحر کو دیکھے، پھر دوپہر کے آفتاب کو دیکھے اور پھر اسے شفق میں ڈوبتے ہوئے دیکھے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اسے کون چلا رہا ہے۔ کون اس میں گرمی تیزی اور روشنی پیدا کرتا ہے، کون کم کر دیتا ہے، کون بڑھا دیتا ہے، کوئی ایسی ہستی ہے کہ بغیر چلائے بغیر کیے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ اس کی اتنی نشانیاں کائنات میں بکھری پڑی ہیں کہ اس کی عظمت کو جاننے کے لیے کافی ہیں لیکن وہ اتنا کریم ہے کہ پھر اس نے انبیاءؑ مبعوث کیے اور انبیاءؑ کو علوم کے خزانے دیئے، لوگوں کے ہر سوال کا جواب دیا، مذہب کی حقانیت کے دلائل دیے، کتابیں نازل فرمائیں اپنا کلام عطا فرمایا۔ تا آنکہ یہ دعوت کمال کو پہنچی تو محمد رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک کی ساری انسانیت کے لیے مبعوث فرما دیا۔ قرآن کو نازل فرمایا جس کا ایک ایک حرف معجزہ ہے۔ کس قرینے، کس سلیقے، کس انتخاب سے اس کے حروف سے الفاظ بنے اور الفاظ سے جملے کس خوبصورتی سے بنے ہیں یہ وہ سمجھ سکتا ہے جو عربی میں بہت فاضل ہے اور جو عربی عبارات پڑھ اور لکھ سکتا ہو اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے ادیبوں کی عربی پڑھی ہو اور پھر جب اس کی نظر قرآن کی ایک سطر پر پڑتی ہے تو وہ ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ یہ جملہ کسی انسان کا نہیں ہے۔ کوئی انسان اتنا خوبصورت جملہ کہہ نہیں سکتا۔ پھر جملے کے معنی ومفاہیم انسانیت کے ہر سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ یہ اس کا مزید کرم ہے کہ اس نے انبیاءؑ مبعوث فرمائے یہ اسی کا احسان ہے کہ اس نے ایسا نبیؐ مبعوث فرمایا جس کی نبوت قیامت تک اسی طرح فیض برسا رہی ہے جس طرح جب وہ روئے زمین پر جلوہ افروز تھے تو فیض برساتی تھی۔ ان کی نبوت کے فیضان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ آج بھی حضور ﷺ نبی ہیں ہم آج

بھی وہی کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں کہ لا الہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور لوگ قیامت تک یہی پڑھتے جائیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس میں ماضی کا صیغہ نہیں آیا کہ رسول تھے کوئی نہیں پڑھتا نہ پڑھا جائے گا نہ یہ حق ہے کہ کہ نبی ﷺ اللہ کے رسول تھے۔ پھر اس کا کتنا بڑا اکرم ہے اپنی کتاب قرآن کریم نازل فرمائی جس کا ایک ایک جملہ جامع ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ سارے قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں موجود ہے سورۂ فاتحہ کا سارا حاصل بسم اللہ الرحمن الرحیم میں موجود ہے اور اس بسم اللہ کا خلاصہ اس کی پہلی ب میں موجود ہے کہ یہ بائے تلبس ہے جوڑنے والی ب ہے اور سارے دین کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اللہ کے ساتھ جڑ جائے تو یہ ایک آیت کافی تھی مخلوق کی ہدایت کے لیے لیکن اللہ نے تیس پارے نازل فرما دیے۔ ذرا خیال کرو اللہ کریم اپنا ذاتی کلام ارشاد فرما رہے ہیں اور وہ نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا پھر وہ اللہ کا کلام محمد رسول اللہ ﷺ کے لب ہائے مبارک اور آپ کی زبان مبارک پر جاری ہوا اور پھر وہ مجھ تک اور آپ تک پہنچا ہم تو سارا دن مشک وگلاب سے زبان دھوتے رہیں پھر بھی ہم اس قابل نہیں ہوتے کہ اس کو پڑھیں اور اللہ ہمیں یہ سعادت بخشتا ہے کہ ہم وہی الفاظ دہرائیں جو اللہ نے ارشاد فرمائے وہی الفاظ دہرائیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے لب ہائے مبارک سے جاری ہوئے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے تو پھر تو قرآن کا ایک ایک لفظ کتنا قیمتی ہے اور پھر صرف یہی عظمت نہیں۔ اس کی عظمت یہ ہے کہ یہ زندگی نہیں موت اور مابعد الموت کے ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔ بچوں کی بات ہے تو بچوں کی بات بتاتا ہے۔ میاں بیوی کی بات ہے تو ان کے تعلقات پر بات کرتا ہے۔ کاروبار کی بات ہے تو اس کے اصول اور قاعدے بتاتا ہے۔ سیاست کی بات ہے تو حکومت کے سارے انداز بتاتا ہے۔ دفتری، کاروباری، زمینداری غرض زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں کسی کا کوئی ایسا سوال نہیں جس کا جواب قرآن حکیم نہ دیتا ہو اور وہ جواب حق ہے اور وہ جواب عند اللہ بھی مقبول ہے۔ اس سے بڑا کرم اور کیا ہو۔ لیکن جو قابیل کی طرح بدنصیب ہیں ان کے سر سے بات گزر جاتی ہے۔ انہیں اس میں دنیا نظر آتی ہے۔ لیکن جو لذت اس شرفِ ہمکلامی میں ہے وہ اس سے محروم ہیں۔

لذتِ ہم کلامی:

موسیٰؑ سے اللہ کریم نے سوال فرمایا! وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى (طٰہٰ:17) اے موسیٰؑ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟ اب ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ ہمکلام ہو اللہ نے سوال ارشاد فرمایا تو جواب مختصر اور موضوع کے مطابق دینا چاہیے تھا اور نبیؑ سے زیادہ مؤدب کون ہوگا جو بارگاہ الوہیت کا ادب جانے گا لیکن کمال ہے وہ کہتے ہیں قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝۱۸ یہ میری لاٹھی ہے

میں اس سے اپنی بکریاں چراتا ہوں۔ ان کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔ اس سے چوکیداری کرتا ہوں۔ اس سے میں سہارا لینے کا کام لیتا ہوں۔ اس کے ساتھ ڈول باندھ کر کنوئیں سے پانی نکال لیتا ہوں وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخۡرَىٰ انہوں نے پتہ نہیں کتنے کام گن لیے۔ یہاں مفسرین بڑے خوبصورت نکتے پر بحث کرتے ہیں کہ حق تو یہ تھا کہ وہ کہتے هِيَ عَصَايَ یہ میرا عصا ہے بات ختم ہوگئی۔ سوال کا جواب ہو گیا۔ انہوں نے بات لمبی کیوں کی۔ یہ تو ادب کے خلاف ہے۔ فرمایا ایسا نہیں۔

شاعر کہتا ہے:

بیک لفظے تواں گفتن تمنائے جہان را

ایک لفظ میں دنیا کی ساری باتیں ہو جاتی ہیں۔ آپ ہاں کہہ دیں تو بھی ساری بات ہوگئی اور آپ نہ کہہ دیں تو بھی ساری بات ہوگئی۔ کوئی آپ کے سامنے دس گھنٹے تقریر کرتا رہے آپ نہ کہہ دیں بات ختم ہوگئی۔ کوئی دو منٹ بات کرے آپ ہاں کہہ دیں بات ختم ہوگئی۔

بیک لفظے تواں گفتن تمنائے جہان را
من از بہر حضوری طول دادم داستان را

دنیا کی ساری بات ایک لفظ میں کی جاسکتی ہے میں نے تو اس لیے قصہ لمبا کر دیا کہ وہ جو لذت ہمکلامی تھی وہ مجھے چپ نہیں ہونے دیتی تھی بات اس لیے لمبی ہوگئی کہ بات کس ہستی سے ہو رہی تھی!

اللہ میں نے تو ہمکلامی کی لذت سے لطف اندوز ہونے کے لیے بات کو لمبا کر دیا۔ یہ تو انبیاءؑ کی شان ہے۔ اللہ کریم کا احسانِ عظیم ہے کہ اپنے ذاتی الفاظ قلب اطہر رسول ﷺ پر نازل ہوئے پھر وہ لب ہائے مبارک سے اور زبان شیریں گفتار سے اور زبان حق بیان سے محمد رسول اللہ ﷺ کے لب ہائے مبارک سے ادا ہوئے۔ اور پھر فرمایا میں قیامت تک ان کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ کوئی ان سے یہ الفاظ چھین نہیں سکے گا۔ کوئی تبدیلی نہیں کر سکے گا، کوئی انہیں مٹا نہیں سکے گا، کوئی اس میں ردّ بدل نہیں سکے گا اور پھر یہ کلام ہم تک پہنچے اور اس کے بعد بھی اگر ہم اسے نہ پڑھیں، نہ سمجھیں اور گمراہ ہوں تو پھر یہ زیادتی کس کی ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آخرت کے عذاب بڑے سخت ہیں بندے کے گناہ اتنے بڑے تو نہیں ہیں جتنے بڑے عذاب ہیں لیکن تھوڑا سا غور فرمائیں اللہ کا ذاتی کلام ہو، محمد رسول اللہ ﷺ کے لب ہائے مبارک سے ادا ہو، اللہ جس کی حفاظت کا قیامت تک ذمہ لیتا ہے۔ وہ قرآن ہم تک پہنچے ہم پڑھنا بھی گوارا نہ کریں کوئی ہمیں اس کا حکم بتائے ہم سننا بھی گوارا نہ کریں، ہم عمل اس کے خلاف کریں کیا یہ

چھوٹا سا جرم ہے؟ وہ تو بڑا کریم ہے اس کی پہچان کے لیے اس کی ساری کائنات اس کی عظمت پر دلالت کر رہی ہے ذرہ ذرہ اس کی عظمت کا گواہ ہے ہر تنکا جو زمین سے اُگتا ہے وہ اس کی توحید پر گواہ ہوتا ہے۔

ہر گیاہ کہ از زمیں روئید وحدہٗ لاشریک لا گوئید

ہر تنکے کے ہاتھ میں پھول ہے۔ ہر پھول کا رنگ جدا ہے، خوشبو جدا ہے، ذائقہ جدا ہے، ہر تاثیر الگ ہے، زمین ایک ہے، پانی ایک ہے، مٹی ایک ہے لیکن ہر تنکا ایک الگ پھول لے کے نکلتا ہے اللہ کی عظمت پہ کتنی دلیلیں ہیں لیکن لوگ لذات دنیا کے طالب ہو گئے ہیں۔ حالانکہ کھانا زندہ رہنے کی ضرورت ہے۔ زندگی کھانوں پر قربان نہیں کی جا سکتی۔ تم محض لذتِ کام و دہن کے لیے حلال و حرام بھول گئے۔ تو یہ لذت تو حلق سے اوپر ہوتی ہے۔ حلق سے جو چیز نیچے اتر جائے اس میں کوئی ذائقہ نہیں ہوتا۔ یہ ذائقہ تو صرف زبان میں اور منہ میں ہے کہ آپ میٹھا پی رہے ہیں کڑوا پی رہے ہیں، حلق سے نیچے جو اتر جائے میٹھا کڑوا سب ایک سا ہے۔ غذا زندگی کی ضرورت ہے اور کتنا خوشحال ہے وہ جسے بلا تکلف جائز حلال طریقے سے صبح شام کا روکھا سوکھا نصیب ہے آپ ایک لقمہ کھاتے ہیں اس میں کتنی طرح کے مصالحے سبزیاں، دالیں، گوشت، آٹا کیا کیا ہوتا ہے۔ کتنی نعمتیں آپ ایک لقمے میں کھا گئے لیکن کیا اس کے بعد زبان سے الحمد للہ نکلا؟ کیا اس کے بعد سر بسجود ہوئے۔ کیا لقمے کی لذت اس لقمہ دینے والے کی پہچان کا سبب بنی؟ اگر نہیں تو پھر آپ سے وہ اچھا ہے جس نے روکھی روٹی کھالی اس کا حساب کم ہوگا آپ نے پچاس لذتیں ایک لقمے میں کھائیں آپ کا حساب اس کے مطابق ہوگا۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ لوگ ایک ہی تھے۔ ایک ہی جماعت تھی ایک ہی دین تھا آج بھی ایک ہی دین ہے۔ لذات دنیا نے ان میں اختلاف پیدا کر دیا اور فرمایا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اگر تیرے اللہ کریم کی طرف سے پروردگار کی طرف سے پہلے یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ انسانوں کو مہلت دی جائے گی، انہیں بھلے برے کی تمیز دی جائے گی، انہیں بھلائی کی طرف بلایا جائے گا۔ نہیں آئیں گے، برائی کریں گے تو برائی کی مہلت دی جائے گی اور جب موت آئے گی تو پھر ہر کوئی حق اور باطل دیکھ لے گا اور جب حشر ہوگا تو سب اکٹھا سچ اور جھوٹ پہچان لیں گے۔ اگر یہ لوگوں کے پیدا ہونے سے پہلے نہ ہو چکا ہوتا لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ تو دنیا میں جب کوئی گناہ کرتا اسی وقت اس کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ اسی وقت اس پر عذاب وارد ہوتا۔ اللہ قادر ہے اس کی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ کتنی جرأت ہے ایک بندے کی ایک نطفے سے پیدا ہوا اور پھر اسے اپنی حیثیت بھول جائے وہ اکڑتا پھرے پھر وہ اللہ کے سامنے بغاوت کرے۔ اللہ کے نبی ﷺ سے بغاوت کرے اللہ کے دین سے بغاوت کرے۔ اللہ کی اطاعت نہ کرے تو فرمایا پھر اس کی کتنی جرأت ہے فرمایا ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی اسی وقت مسل دیئے جاتے لیکن ہمارا اپنا قانون ہے ہم نے انہیں مہلت دی۔ پھر وہ اتنا کریم ہے کہ جو

ساری عمر بھٹکے رہے اور جب گناہ کرنے کے قابل نہیں رہے تو پھر بھی اگر اس کے دروازے پر آجائیں تو وہ پھر بھی قبول کر لیتا ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ اب آئے ہو جب تم کسی قابل نہیں رہے۔ وہ پھر کہتا ہے آگئے ہو بیٹھ جاؤ پچھلے گناہ معاف ہیں بیٹھو میرا ذکر کرو میرا نام لو، مجھے یاد کرو، میرے پاس بیٹھو۔ تو فرمایا لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ میں نے یہ کر دیا تو میرا کسی نے کیا بگاڑ لیا میں نے ڈاکے کیے میرا کسی نے کیا بگاڑ لیا میں نے رشوت کھائی میرا کسی نے کیا بگاڑ لیا۔ میں نے سالوں لوگوں کو ریوڑ کی طرح چرایا لوگوں کی عزتیں لوٹیں مال لوٹا اور لوگوں پر حکومت کی میرا کسی نے کیا بگاڑ لیا؟ فرمایا گھبراؤ نہیں یہ سب کچھ اللہ کریم خود جانتا ہے، دیکھ رہا ہے اور اس کے فرشتے لکھ بھی رہے ہیں۔ ذرے ذرے کا حساب ہوگا۔ کتنے گناہ ہیں جو تم بھول چکے ہو وہ تمہیں یاد دلائے گا۔ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فرمایا لوگوں کا اپنا کردار یہ ہے کہ آیات الٰہی سے تو کائنات بھری پڑی ہے۔ ہر ذرہ اس کی توحید پر گواہ ہے پھر نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو اللہ کریم نے ان کی نبوت پر گواہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں آپ ﷺ کی زندگی کی قسم آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ آپ ﷺ کی نبوت پر گواہ ہے کوئی ایسا دوسرا فرد روئے زمین پر تلاش کر کے بتاؤ بچپن، لڑکپن، جوانی سے کہولت چالیس سال تک جس کے کسی فعل کسی جملے کسی لفظ پر کسی کو انگشت نمائی کی جرأت نہ ہوئی۔ اس سے بڑا معجزہ کیا ہوگا! قرآن جیسی کوئی کتاب لا کر دکھاؤ جو پورے روئے زمین کی ساری انسانیت کی قیامت تک کے سوالوں کا جواب دیتی ہے۔ اس سے بڑا معجزہ کیا ہوگا! آپ ﷺ کے بے شمار معجزات ہیں جو گنے نہیں جا سکتے فرمایا، پھر یہ کہتے ہیں وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اگر یہ اللہ کے سچے نبیؐ ہیں تو ہم جو کہتے ہیں یہ معجزہ دکھاؤ تو وہ معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل کیوں نہیں ہوتا۔ فرمایا یہ سارے معجزات دیکھ کر کیا تم نے مان لیا؟ کیا تمہاری یہ حیثیت ہے کہ پروردگار عالم کے سامنے فرمائش کر سکو؟ اپنی ہستی تو دیکھو، تم ہو کیا؟ یہ تو اس کا کرم ہے کہ اس نے اتنے معجزات کائنات میں بکھیر دیئے قرآن سے بڑا معجزہ کیا ہے، نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ سے بڑا معجزہ کیا ہے، آپ کی ذاتِ مبارکہ سے بڑا معجزہ کیا ہے پھر آپ کے معجزات اتنے ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے کوئی گن نہیں سکتا۔ زمین تو زمین آسمان پر بھی چاند دو ٹکڑے ہوا پتھروں کو کلمہ پڑھتے تم لوگوں نے دیکھا۔ درختوں کو صلوٰۃ وسلام پڑھتے دیکھا جانوروں کو صلوٰۃ وسلام کہتے اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے ہوئے دیکھا۔ تم نے کائنات کے ذرّے ذرّے کو دیکھا کتنے معجزات دیکھے پھر مزید معجزات کا مطالبہ کرتے ہو تم ہو کون، تمہاری حیثیت کیا ہے!

علم غیب خاصہء خداوندی:

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ ان سے فرما دیجیے کہ کب کیا ہوگا یہ غیب ہے، کب کون سا معجزہ ظاہر ہوگا، کب قیامت ظاہر ہوگی، کب کیا کچھ ہوگا، یہ انسان کی رسائی سے باہر ہے۔ غیب صرف

اللہ کے پاس ہے وہ جانتا ہے کب کیا ہوگا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علوم کے خزانے دیے جاتے ہیں لیکن وہ غیب نہیں رہتا وہ اطلاع عن الغیب ہوتا ہے۔ جب کسی نے بتا دیا تو غیب تو نہ رہا۔ یہاں سارے لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں لیکن کسی ایک کو کوئی بندہ بتا دے کہ یہ چیز واقع ہوئی ہے تو دوسروں کے لیے غیب ہے اس کے لیے غیب تو نہ رہی اسے تو اطلاع عن الغیب ہوئی۔ انبیاءؑ کو اور انبیاءؑ کے طفیل ان کے متبعین کو من جانب اللہ جو چیزیں بتا دی جاتی ہیں وہ اطلاع عن الغیب ہوتی ہیں کہ ان کو غیب پر اطلاع دے دی گئی۔ علم غیب صرف اس کا حق ہے۔ بے شمار مثالیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں، فرماتا ہے وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (الانعام:75) ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے سامنے زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہت کھول کر رکھ دی دکھادی را کہتے ہیں ظاہری آنکھ سے دیکھنا ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو رویت کہتے ہیں كَذٰلِكَ نُرِيْٓ ہم نے دکھا دی ابراہیم کو مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کی ساری بادشاہت کھول کے رکھ دی کہ لو دیکھ لو ایک لمحہ یہ تھا اور ایک لمحہ یہ تھا کہ فرمایا بیٹے کو قربان کرو اور انہیں نہیں پتہ کہ اسماعیلؑ بچ جائیں گے۔ بیٹے کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ لی، اپنی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ لی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شفقتِ پدری جوش میں آ جائے۔ ان کو لٹایا، چھری چلائی، خون کا فوارہ نکلا۔ گردن کٹ گئی تو سمجھا کہ بیٹا ذبح ہو گیا۔ آنکھوں سے پٹی اتاری تو دیکھا دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے اسماعیلؑ کھڑے مسکرا رہے ہیں پریشان ہو گئے کہ یہ کیا ہوا میں نے تو اسماعیلؑ کی قربانی کی تھی اللہ نے فرمایا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ (الصفت:105) تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ یہ میری مرضی میں نے اسماعیلؑ کو بچا لیا۔ ایک دنبہ جنت سے بھیج کر آپؑ سے ذبح کرا دیا یہ وہی ابراہیمؑ ہیں جن کو ارشاد ہو رہا ہے نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ جو چیز چاہے بتا دے یہ اس کا کرم ہے۔ جو نہ بتائے وہ بھی اس کا کرم ہے فرشتے، لوطؑ کی قوم کی تباہی کا سامان کرنے انسانی روپ میں آئے۔ اب اللہ کا نبیؑ ہو اور فرشتے کو نہ پہچانے اور پہچانتے تو ان کی ضیافت کے لیے بچھڑا ذبح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپؑ نے تو مہمانوں کو بٹھایا بچھڑا ذبح کیا، پورا بچھڑا تلوایا، لے کے آئے ان کے سامنے رکھا۔ دیکھا کہ یہ کھاتے نہیں ہیں تو عرب میں یہ اصول تھا کہ لوگوں کو جس کا نقصان کرنا ہوتا یا جس سے دشمنی ہوتی تو اس کا کھاتے نہیں تھے تو جب انہوں نے ہاتھ نہیں بڑھایا تو وہ ڈرے کہ یہ کوئی دشمن ہیں یہ لڑنا چاہتے ہیں یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں ہم اللہ کے فرشتے ہیں ہمیں کھانے سے کیا غرض۔ یہ وہی ابراہیمؑ ہیں جن کے سامنے زمین و آسمان کی بادشاہت کھول کے رکھ دی۔ انہیں یہ نہیں بتایا کہ یہ فرشتے ہیں۔ فرشتوں نے بتایا تو پتہ چلا اور پھر انہوں نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ کہنے لگے آپؑ کو بیٹے کی خوشخبری دینی تھی اور لوطؑ کی قوم کو تباہ کرنا تھا۔ تو پھر آپؑ ان سے جھگڑنے لگ گئے کہ وہاں تو لوطؑ ہیں ان کے سچے پیروکار بھی ہیں تم نے کیا افسوس ناک خبر سنا دی میں اللہ کریم سے دعا کروں گا۔ اللہ پاک فرماتے ہیں اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبہ:114) ابراہیم بڑے نرم دل اور بڑے بردبار تھے۔ وہ میرے ساتھ جھگڑ رہے تھے کہ اللہ انہیں بچا لے میں نے کہا ان کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ عرض کرنے لگے

بارالٰہ فیصلہ ہو چکا تو امنا و صدقنا تیری کائنات ہے تیری مخلوق ہے اور تیرے فیصلے ہیں۔ جہاں تک علم غیب کی بات ہے تو علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ کائنات میں اس نے جتنے علوم تقسیم کیے یہ سارے علم غیب سے ہیں۔ یہ جو ظاہری علوم ہیں ایک زمانے میں یہ بھی غیب تھے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے اب ب پ بھی غیب ہی ہوتا ہے۔ سکھایا جاتا ہے تو سیکھتا ہے۔ سائنس سارا غیب ہی ہوتا ہے جب سکھایا جاتا ہے تو پھر غیب نہیں رہتا۔ اسی طرح روحانیت اور اس کے علوم بھی غیب ہی ہیں۔ جب اللہ نے سکھا دیے انبیاء کو سکھائے انبیاء سے ان کے متبعین کو ملے تو وہ اطلاع عن الغیب، غیب کی اطلاع ہوگی لیکن علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ! تم معجزات کے طالب ہو یہ اس کے اپنے علم میں ہے کہ کب کیا معجزہ ظاہر ہوگا۔ وہ جانتا ہے کس کو فائدہ ہوگا کس کو نہیں ہوگا فَانْتَظِرُوْا انتظار کرو دیکھو غیب سے کیا ہوتا ہے اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ 20 میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ مجھے اللہ کریم نے کوئی فوج اور لشکر نہیں دیے۔ کوئی خزانے اور دولت نہیں دی۔ مجھ اکیلے کو حکم دیا کہ کھڑا ہو جا اور روئے زمین کے سارے کفر کو چیلنج کر دے۔ میں نے اس کا حکم مانا۔ اس بوڑھے آسمان نے دیکھا کہ روئے زمین پر ایک ہستی محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کا نام لے رہی ہے اور اللہ کے نام کی طرف دعوت دے رہی ہے۔ اب یہ کس کو علم ہے کہ یہ ساری کائنات اس ایک ہستی کو مسل دے گی یا ایک ہستی ساری کائنات پر چھا جائے گی یہ تو اس کے علم میں ہے میں تو نہیں جانتا۔ میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں مجھے نہیں پتہ کل کیا ہوگا۔ مجھے حکم ہے میں دے رہا ہوں۔ میں بھی منتظر ہوں کل کیا ہوتا ہے تم بھی انتظار کرو۔

اسی سے مفسرین اخذ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ شیخ سے کرامات کا مطالبہ درست نہیں ہے کہ فلاں کرامت دکھایے۔ سب سے بڑی کسی کی یہ کرامت یہ ہے کہ خود بھی محمد رسول ﷺ اللہ کا متبع ہو اور جو اس کے ساتھ لگے اسے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا متبع بنا دے۔ اگر کسی شخص کے ساتھ جڑنے سے آپ سے گناہ چھٹنے لگیں اور نیکیاں اختیار ہونے لگیں تو اس سے بڑی کرامت دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اور ہر کرامت دین کی عظمت کے لیے ہوتی ہے دنیا بٹورنے کے لیے نہیں ہوتی دنیا بٹورنے کے لیے شعبدے ہوتے ہیں۔ لوگوں سے پیسے لینے کے لیے لوگوں سے مختلف قسم کے فائدے حاصل کرنے کے لیے شعبدے دکھائے جاتے ہیں دھوکا بازی ہوتی ہے کرامت عظمت الٰہی کے لیے ہوتی ہے وہ کام کرامت ہے جو عظمت الٰہی پر شاہد ہو لہٰذا شیخ سے برکات نبوت کے حصول کی توقع رکھنی چاہیے عجائبات اور شعبدوں کی نہیں۔ تو فرمایا فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا غیب تو اللہ کے پاس ہے۔ انتظار کرو اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ میں بھی تو تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

سورۃ یونس رکوع 3 آیات 21 تا 30

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ
اٰيَاتِنَا ۚ قُلِ اللّٰهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾
هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتّٰٓى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ
بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ
كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا أَنَّهُمْ أُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ
أَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّآ أَنْجٰىهُمْ إِذَا هُمْ
يَبْغُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ ۙ
مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ
بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۖ حَتّٰٓى إِذَآ أَخَذَتِ
الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ أَتٰىهَآ
أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۚ كَذٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۖ وَيَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٥﴾ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا
يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ

ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ
الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ
نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ
فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ
تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّاۤ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد آرام (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو فوراً ہی
ہماری آیات کے بارے حیلے کرنے لگتے ہیں فرما دیجئے کہ اللہ سب سے جلد تدبیر
کرنے والے ہیں۔ جو حیلے تم کرتے ہو بے شک ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)
اسے لکھتے جاتے ہیں ﴿21﴾ وہی (اللہ) جو تم کو خشکی اور سمندر میں چلنے پھرنے کی
توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ تم کشتیوں (بحری جہازوں) میں سوار ہوتے ہو اور وہ
(کشتیاں) پاکیزہ ہوا کے جھونکوں سے ان کو لے کر چلتی ہیں اور وہ اس سے خوش
ہوتے ہیں کہ (ناگہاں) مخالف تیز ہوا چل پڑتی ہے اور ان پر ہر طرف سے
موجیں (اٹھ اٹھ) کر آنے لگتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ان (لہروں) میں گھر
گئے ہیں اس وقت خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر آپ ہم کو
اس سے نجات بخشیں تو ہم ضرور (آپ کے) شکر گزار ہوں گے ﴿22﴾ پھر جب
وہ ان کو بچا لیتے ہیں تو فوراً ہی زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو
بے شک تمہاری سرکشی تمہارے لیے ہی وبال جان ہے۔ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ
اٹھالو پھر تمہیں پلٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے اس وقت ہم تم کو بتائیں گے جو کچھ تم
کیا کرتے تھے ﴿23﴾ بے شک دنیا کی زندگی کی مثال (بارش کے) پانی کی سی

ہے کہ ہم نے اس کو آسمان (بلندی) سے برسایا پھر اس کے ساتھ مل کر زمین کی نباتات نکلی جس کو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین خوب خوشنما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے سوچا کہ اب ہم اس پر پوری طرح قابو رکھتے ہیں ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس کو ایسا صاف کر ڈالا گویا کل یہاں کچھ بھی نہ تھا اسی طرح ہم آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں ﴿24﴾ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا کردیتے ہیں ﴿25﴾ جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے نیکی (جنت) ہے اور زیادہ (دیدار باری) بھی اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت۔ وہ جنت کے رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿26﴾ اور جن لوگوں نے بُرے کام کیے تو بُرائی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا اوران کے چہروں پر ذلت چھا جائے گی ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا گویا کہ ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے اوڑھا دیے گئے۔ یہ لوگ دوزخ (میں رہنے) والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۷﴾ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر شرک کرنے والوں سے فرمائیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان (عابد و معبود) میں پھوٹ ڈال دیں گے تو ان کے شرکاء کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ﴿28﴾ سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر نہ تھی ﴿29﴾ اس جگہ ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے (اعمال) کی آزمائش کرے گا اور وہ اپنے سچے مالک اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو انہوں نے جھوٹ تراش رکھے تھے وہ سب ان سے جاتے رہیں گے ﴿30﴾

تفسیر ومعارف

اللہ کریم نے تمام مخلوقات کو تخلیق فرمایا اور انسان کو خاص فضیلت بخشی کہ اسے اشرف المخلوقات کا درجہ عطا فرمایا۔ انسان کو بہترین اور اعلیٰ صفات عطا کیں جن میں سب سے بڑی نعمت جو انسان کو عطا فرمائی وہ معرفت باری حاصل کرنے کی استعداد اور شعور ہے۔ پھر اس کے سامنے لذتوں بھرا ایک خوب صورت جہاں سجا دیا جس میں بے پناہ حسن ہے، رنگ و روپ ہے اور ان گنت لذتیں ہیں۔ اب یہ انسان پر ہے کہ وہ اپنی مادی عقل وخرد کی تقلید کرتے ہوئے دنیا پر فدا ہو جاتا ہے یا اپنی وہ استعداد جو معرفتِ باری کے حصول کے لیے ہے اس کو نکھار کر کے عظمتِ باری پر فریفتہ ہوتا ہے۔

خالق اور مخلوق میں تو کوئی مقابلہ ہو نہیں سکتا۔ خالق، خالق ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر شئے ہر وقت جانتا ہے اور مخلوق اپنے وجود میں ہر حال خالق کی محتاج ہے۔ اپنی ابتدا کے لیے اس کی محتاج ہے کہ وہ عدم سے وجود میں لائے تو یہ آئے۔ اپنی بقاء میں محتاج ہے کہ خالق قائم رکھے تو رہے۔ ظاہری وجود کو ہی دیکھ لیجیے، انسان کے اعضاء و جوارح زندگی بھر کتنا کام کرتے ہیں لیکن جب ساتھ چھوڑ جائیں تو بندہ کیا کر سکتا ہے۔ آنکھ کام کرنا چھوڑ دے، دانت گر جائیں، ہاتھ پاؤں شل ہو جائیں قویٰ کمزور ہو جائیں تو بندہ کیا کر سکتا ہے۔ بندے کے اشرف المخلوقات ہونے کا سبب اللہ کی عظمت کو ماننا اور اللہ کی کائنات میں اس کا بندہ بن کر جینا ہے لیکن انسانوں کی اکثریت ایسی ہے جو بہت جلد دنیا پر فدا ہو جاتی ہے اور زندگی حصول زر اور حرص و ہوا کی نذر کر دیتی ہے۔ یہ سب کچھ تو فانی ہے، وقتی اور لمحاتی تماشہ ہے جو جلد ختم ہونے والا ہے، سب کچھ فنا ہو جانے والا ہے لیکن انسان کی کمزوری ہے کہ اس استعداد کو کام میں نہیں لاتا جس کی حیات نورِ نبوت سے ہے۔

مادی عقل کو مزید کسی راہبر کی ضرورت نہیں نہ دنیا اتنی قیمتی ہے کہ اس کے لیے کوئی نور آسمان سے اتارا جائے تو ہی کاروبارِ حیات جاری رکھنے کا شعور آئے۔ مادی عقل کا خاصہ ہے کہ وہ دنیا کی لذتوں سے فوراً آشنا ہو جاتی ہے جیسے لذتِ کام و دہن کے لیے انسان مختلف آمیزوں سے انواع و اقسام کی غذائیں تیار کر لیتا ہے لیکن جو استعداد معرفتِ الٰہی کی ہے وہ روح کی استعداد ہے۔ روح کی حیات ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کی محتاج ہے۔ جب تک ایمان نصیب نہ ہو روح کو حیات نصیب نہیں ہوتی۔ جس طرح مردہ اپنے نفع ونقصان کے احساس سے عاری ہوتا ہے اسی طرح روح ایمان کے بغیر بے حس و بے کار ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ روح کے اندر کوئی روح ہے جو مر جاتی ہے جیسا کہ

ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص نے رائے ظاہر کی کہ روح کے اندر بھی کوئی روح ہے۔ میں نے کہا آپ نے بات کو نہیں سمجھا۔ بات یہ ہے کہ اگر ایمان نہ ہو تو روح بھی مردہ جیسی ہو جاتی ہے جو اپنے نفع و نقصان کو نہیں سمجھ سکتی اور نہ کچھ کر سکتی ہے۔ ایسے شخص کی تمام صلاحیتیں محض مادی لذات کے لیے وقف ہو جاتی ہیں اور وہ زندگی بھر ان کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔

جب اللہ آسانیاں دے تو اسے اپنا کمال نہ سمجھے:

اللہ کریم فرماتے ہیں دنیا میں آ کر انسان کو مہلت دی جاتی ہے، پسند و ناپسند کا اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی مقررہ زندگی جی لے اور جو چاہے کر لے لیکن انسان کا ایسا عجیب مزاج ہے کہ وہ مالک حقیقی کے حقیقی مالک ہونے پر یقین نہیں کرتا اور اللہ کریم جب تنگی کے بعد کشادگی عطا فرما دیتا ہے، مختلف مصیبتوں اور پریشانیوں میں پھنسے ہوئے کو نجات دے دیتا ہے تو انسان اللہ کریم کے احسانات فراموش کر دیتا ہے۔ فرمایا، وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ جب ہم مصیبتوں میں گھرے اور تکلیفوں میں مبتلا شخص کو اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو وہی بندہ جو پہلے گڑگڑا رہا تھا اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ وہ ایک دم اکڑ جاتا ہے۔ اسے یہ خیال ہی نہیں رہتا کہ اس کی حیثیت کیا ہے، وہ بھول جاتا ہے کہ اس کی حیثیت تو یہ ہے کہ اگر اس کے ایک دانت میں درد شروع ہو جائے تو وہ اسے دنیا کی ساری لذتوں سے بے گانہ کر دیتا ہے۔ فرمایا جب بندے پر آسانیاں آ جاتی ہیں، جب وہ راحتوں کا مزہ چکھتا ہے، جب دولت و اقتدار مل جاتا ہے تو پھر یہ ہی نہیں کہ صرف اللہ کے احسانات کو بھلا دیتا ہے بلکہ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ ہمارے احکام کو رد کرنے کے حیلے بہانے اور تدبیریں کر کے انہیں رد کر دیتا ہے۔ تاویلیں گھڑتا ہے کہ "یہ بھی کوئی حکم ہے"، "ایسے تو نہیں ہو سکتا" اور یوں احکامِ الٰہی کا انکار کر دیتا ہے۔ جیسے بعض لوگوں نے عبادات تک کی تاویلیں گھڑ لیں اور کہا کہ پانچ وقت کی صلوٰۃ تو اب ممکن نہیں۔ حضور ﷺ کا زمانہ تو فراغت کا زمانہ تھا۔ کام کاج کچھ نہیں تھا تو حضور ﷺ نے لوگوں کو مصروف رکھنے کے لیے پانچ وقت کا وضو اور صلوٰۃ فرض قرار دی تھی۔ اب تو زمانہ بدل چکا ہے۔ اب صبح اٹھ کر شیو کرنا، کپڑے بدلنا، تیار ہونا، دفتر جانا، دفتری کام کرنا یہی صلوٰۃ ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں جب میں انہیں فراخی دیتا ہوں تو یہ میرے احکام کے مقابلے میں تاویلیں گھڑنے لگتے ہیں کہ کس طرح احکام الٰہی کو ٹالا جائے۔ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا فرمایا، اے میرے حبیب! ﷺ آپ انہیں بتا دیجیے اللہ سب سے بڑا صاحب تدبیر ہے۔ تم تو اپنی ذات میں محتاج ہو، خود کو سنبھال نہیں سکتے۔ تم وہی ہو جو کل مصیبت میں مبتلا تھے آج اس نے تمہیں فراخی عطا فرما دی۔ اگر وہ دوبارہ مبتلائے مصیبت کر دے تو کیا کر لو گے؟ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے ذرے کو تخلیق فرمایا، پھر ہر ذرے کی تدبیر فرمائی۔ ایک انسانی وجود میں کھربوں ذرات

(Cell) بنائے جو سب اپنا فریضہ بجالاتے ہیں۔ انہی کے ملنے سے خون بنتا ہے، ہڈیاں، کھال، جلد بنتی ہے۔ آنکھ، کان، ناک اور وجودِ انسانی نمو پاتا ہے۔ دماغ جیسی پیچیدہ اور نازک شئے بنتی ہے اور ان سب پر صرف اسی کو مکمل کنٹرول حاصل ہے۔

زمین کو لاتعداد اور مختلف نعمتوں کے خزانوں سے بھر رکھا ہے۔ جب چاہتا ہے اس کے خزانے وا کر دیتا ہے۔ انسان کماحقہ نہیں جانتا کہ زمین کے اندر کیا کچھ ہے۔ ہم نے اس علاقے میں پون صدی گزار دی اسی پر بستے رہے۔ یہاں تب کھیتی باڑی ہوتی تھی زیادہ علاقہ غیر مضروعہ تھا۔ لوگ غربت میں گزارہ کرتے رہے یا فوجی ملازمت کر لیتے تھے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے اسی زمین نے کوئلے کی کانیں اُگل دیں۔ ہم نے بھی اس کاروبار سے کروڑوں کمائے لیکن ہمارے آباء واجداد کو تو پتہ نہیں تھا کہ یہاں کوئلہ ہے۔ اسی زمین پر ہم بستے رہے لیکن تب ہمیں پتہ نہیں تھا کہ اس مٹی کی نیچے کی تہہ اتنی قیمتی ہے۔ آج اس مٹی کے بھرے ایک ٹرک کی قیمت پچاس ہزار روپے ہے۔ پتہ نہیں اللہ نے زمین میں کیا خزانے رکھے ہوئے ہیں، وہ کس کس کو عطا فرماتا ہے اور کب کب عطا فرماتا ہے۔ جب ہمیں زمین کے تمام خزانوں کا حتمی علم نہیں تو اس کی کائنات کا کیا علم ہوگا؟ اس کی کائنات میں کتنے سیارے، ستارے ہیں، کتنی مخلوقات کہاں کہاں ہیں، زیرِ آسماں کیا کچھ ہے اور بالائے آسماں کیا ہے؟ فرمایا جس کی تدبیر سے یہ نظامِ کائنات چل رہا ہے اس کی معرفت سے ناآشنا ہونے والا خود اپنی ذات سے ناآشنا رہتا ہے۔ نہ اپنا مقصدِ حیات جان سکتا ہے نہ آخرت کی زندگی سے آگاہی پاتا ہے نہ اپنے اشرف المخلوقات ہونے کے مقام کو پا سکتا ہے۔

فرمایا، اے انسان! خالق کائنات کے سامنے تیری حیثیت کیا ہے کہ تو اس کے احکام میں تاویلیں کرنے، اعتراض کرنے لگ جائے تو یہ نہیں سوچتا کہ تو خود محتاج ہے تو کس حیثیت سے خالق کے احکام کو روکنے اور انبیاء کی تعلیمات کی غلط تاویلیں کرے گا۔ بے شک ان سب غلط کاموں کے کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ کسی طریقے سے دنیا کما لو، شہرت حاصل کر لو لیکن یاد رکھو اِنَّ رُسُلَنَا يَكۡتُبُوۡنَ مَا تَمۡكُرُوۡنَ 21 ہمارے فرستادہ فرشتے تمہارے ساتھ ہیں۔ جتنی ناروا تدبیریں تم کرتے ہو وہ انہیں حرف بحرف لکھ رہے ہیں۔ تم آخرت کو بھول گئے لیکن وہ تمہاری ہر بات کو ضبطِ تحریر میں لانا نہیں بھولے۔ تم دنیا میں اس قدر کھو گئے ہو، مادی لذتوں نے تمہیں استارِ جھالیا ہے کہ تم یومِ حساب تک کو فراموش کر بیٹھے ہو لیکن وہ فرشتے جن کی ذمہ داری ہے کہ تمہارے اعمال لکھتے رہیں وہ تمہارے ایک ایک عمل کو، گفتگو کے ایک ایک لفظ کو لکھ رہے ہیں تمہیں واپس اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور ایک ایک لفظ کی جوابدہی کرنا ہے لہٰذا جب اللہ آسانیاں دے تو انسان اسے اپنا کمال نہ سمجھے۔ اسے اللہ کا احسان سمجھے اور مزید شکر کرے۔ اگر کوئی تکلیف آئے تو سمجھے کہ اس سے کوئی غلطی ہوگئی ہے جس کی یہ سزا ہے۔ فرمایا ایسی صورت میں توبہ کرو، اللہ سے

رجوع کرو۔ تم کیسے عجیب لوگ ہو جب وہ تمہیں آرام دیتا ہے، اقتدار دیتا ہے، دولت دے دیتا ہے تو تم اس کو بھول جاتے ہو۔ صرف بھولتے ہی نہیں بلکہ اس کے احکام کے خلاف تدبیریں کرنے لگ جاتے ہو تا کہ ان احکام کا راستہ روکو۔ تم اپنی حیثیت ہی بھول جاتے ہو۔ پھر ایک مثال ارشاد فرمائی کہ اللہ کو بھول جانے والے لوگ یعنی کفار و مشرکین بھی جب کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں، ان پر بھی ایک ایسا وقت آتا ہے کہ جب دنیا کی کسی طاقت سے انہیں امید نہیں رہتی کہ کوئی مدد کو آئے گا تو پھر وہ بھی اس وقت اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ خواہ وہ اسمِ ذاتِ الٰہی سے واقف ہوں یا نہ ہوں انسان کے ضمیر میں یہ بات موجود رہتی ہے کہ ایک طاقت ایسی ہے جو مجھے غائبانہ دیکھتی ہے، میرے ساتھ ہے، مجھے جانتی ہے، میری مشکلات سے واقف ہے، میری مشکلات دور کر سکتی ہے اور وہ صرف اللہ ہے۔ مثال دیتے ہوئے فرمایا هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ ۚ حتیٰ کہ تم کسی بحری جہاز میں ہوتے ہو وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ اور پرلطف ہوا کے پاکیزہ جھونکے اسے اڑائے لیے جا رہے ہوتے ہیں وَّفَرِحُوْا بِهَا اور تم کتنے خوش ہوتے ہو۔ سمندر کی لہروں کو دیکھتے ہو، دور دور تک آبی جانور نظر آتے ہیں۔ تم سیر کر رہے ہوتے ہو۔ کبھی عرشے پر کھڑے ہوتے ہو، کبھی آرام گاہ میں لطف اٹھاتے ہو کہ اچانک جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ ہوا بدل جاتی ہے۔ مخالف چلنے لگتی ہے تیز و تند ہو جاتی ہے وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ اور سمندر میں پہاڑوں جیسی موجیں اٹھنے لگتی ہیں اور چاروں طرف سے اٹھ اٹھ کر تمہارے جہاز کو تنکے کی طرح اڑانے لگ جاتی ہیں۔ تمہارے ہر طرف موت کی تاریکی چھا جاتی ہے۔ چند لمحے پہلے زندگی کی وہ بہاریں جنہیں تم بہت ذوق سے دیکھ رہے تھے، ان سے لطف اندوز ہو رہے تھے وہ سب ختم ہو جاتی ہیں۔ بڑی بڑی لہریں تمہیں نگلنے کو دوڑتی ہیں، جہاز تنکے کی طرح ڈگمگاتا ہے اور موت کی تاریکی پھیل جاتی ہے وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ اور تمہارا دل کہتا ہے کہ اب موت آ گئی، ہم گھیر لیے گئے اب ہمارے بچنے کی کوئی امید نہیں دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ اس وقت تم اللہ واحد لاشریک کو کتنے خلوص سے پکارتے ہو گنا ہگار تو گنا ہگار ایسے وقت تو کافر بھی پکار اٹھتا ہے کہ وہ آج مجھے بچا لے جو اس کائنات کا اکیلا مالک ہے۔

آج کے ہوائی سفر میں بھی ایسے کئی مشاہدات سامنے آتے رہتے ہیں۔ جب ہوا اوپر نیچے ہوتی ہے تو کبھی جہاز جھٹکے کھاتا کئی کئی سو فٹ نیچے چلا جاتا ہے اور کبھی اوپر۔ جہاز میں بیٹھے مسافروں نے آکسیجن ماسک لگا رکھا ہوتا ہے اور جس نے زندگی میں کبھی کلمہ نہیں پڑھا ہوتا اسے بھی کلمہ یاد آ جاتا ہے جس نے کبھی زندگی میں قبلہ کی طرف چہرہ نہ کیا ہو اسے بھی دعائیں یاد آ جاتی ہیں۔

فرمایا، کافر بھی اس وقت دنیوی طاقتوں کو بھلا کر اسی غیبی طاقت کو پکارتا ہے جو عالم الغیب ہے، حاظر و ناظر

ہے، ہر چیز پر قادر ہے۔ فرمایا پھر تم کتنے خلوص سے کتنی راست بازی سے خالص اللہ کو پکارتے ہو اور اس وقت کہہ اٹھتے ہو لَئِنۡ اَنۡجَیۡتَنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۲۲﴾ آج تو ہمیں اس مصیبت سے بچا لے۔ اب تو نے بچا لیا تو باقی زندگی بس تیرا شکر ادا کرنے میں بسر کریں گے۔ فَلَمَّاۤ اَنۡجٰهُمۡ اِذَا هُمۡ يَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ‌ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡيُكُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ‌ۙ مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ فَنُـنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ پھر جب میں انہیں اس مصیبت سے نجات دیتا ہوں تو یہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اللہ کا احسان تو بھولتے ہی ہیں، اپنے وعدے بھی بھول جاتے ہیں کہ ہم نے کیا کہا تھا اور کیا دعائیں کی تھیں۔ پھر یہ زمین میں ناحق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کے ساتھ بھی زیادتی کرتے ہیں اور دنیا میں بھی ناروا کام کرنے لگ جاتے ہیں کسی کا مال لے لیتے ہیں، کسی کی عزت لوٹ لیتے ہیں اور کسی کی جان لے لیتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو! اِنَّمَا بَغۡيُكُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ‌ۙ فرمایا، جو یہ تم بغاوت کرتے ہو، ظلم کرتے ہو یہ سب اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ جتنی تم اللہ کی نافرمانی کرتے ہو، جتنے کام تم خلاف شریعت کرتے ہو ان سے اللہ کریم کا کچھ نہیں بگڑتا۔ انسانی اعمال اس کی ذات کو متاثر نہیں کرتے بلکہ انسانوں کے اعمال کا اثر خود انہی پر لوٹ کر آتا ہے۔ جو زیادتی تم کر رہے ہو در اصل یہ تم اپنے آپ کے ساتھ کر رہے ہو۔ حق تو یہ ہے کہ جب اللہ مصائب سے خلاصی عطا فرمائے تو اس کا شکر ادا کیا جائے۔ جب اللہ نعمتیں عطا فرمائے تو ان نعمتوں کو اپنا کمال نہ سمجھا جائے بلکہ منعم حقیقی کی عطا سمجھا جائے۔

اصول تصوف بھی یہی ہے کہ اللہ کریم کسی کا قلب روشن کر دے، دل روشن کر دے۔ کسی کو مراقبات و منازل عطا کر دیں تو اسے اس پر اکڑنا نہیں چاہیے کہ میں بہت پارسا ہو گیا ہوں۔ میرے بڑے منازل ہو گئے ہیں۔ اسے تو اللہ کا شکر کرنا چاہیے کہ میں تو کچھ بھی نہیں اللہ مجھ پر کتنے احسان فرما رہا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ بندے کے اپنی بڑائی میں مبتلا ہونے پر، کسی ایک غلط جملے، کسی ایک غلط قدم پر سب کچھ چھن بھی جاتا ہے۔ یہ بہت نازک معاملہ ہے۔

تو جب اللہ کریم آسانیاں عطا فرمائے تو اس کا شکر کرنا چاہیے۔ زندگی کی ہر تنگی ترشی میں، مشکلات کے آنے پر صرف اسی کو پکارنا چاہیے۔ فرمایا، تنگی میں تو سب ہی پکار لیتے ہیں لیکن جب آسانیاں آتی ہیں تو پھر برائی میں مبتلا ہو جاتے ہیں مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فرمایا، یہ وقتی لمحاتی بات ہے۔ جب تک دنیا کی زندگی ہے تب تک یہ متاع دنیا ہے ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ دنیا کی زندگی ختم ہو گی تو تمہیں میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہو گا فَنُـنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ پھر ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

سوال تو یہ تھا کہ جب حاضر ہوں گے تو پوچھا جائے گا کہ کیا کرتے رہے ہو۔ فرمایا، ہمیں پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ تم جو کچھ کرتے ہو ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ تم بہت سی باتیں بھول چکے ہو گے۔ دنیا کے عیش و عشرت میں تمہیں، بہت سی باتیں بھول جائیں گی۔ موت کی سختی اور نزع کی سختی تمہیں بہت سی اور باتیں بھلا دے گی لیکن جب میری بارگاہ میں آؤ گے تو میں تمہیں ایک ایک بات یاد دلاؤں گا۔ نبی ﷺ کے ارشاد عالی کا مفہوم ہے کہ اللہ کریم یاد تو کرائیں گے لیکن اس کی رحمت بہت وسیع ہے اس کی بخشش کی امید ہے۔ وہ ساری باتیں یاد کرا دے کہہ دے کہ تو نے تو یہ بھی کیا، یہ بھی کیا لیکن جا میں نے تمہیں معاف کیا۔ وہ کریم ہے۔ اس کے کرم سے صرف وہی لوگ نجات پائیں گے جنہیں وہ کہہ دے گا کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ جس سے پوچھ لیا کہ یہ کیوں کیا تھا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کا بچنا مشکل ہے۔ اسے سزا بھگتنا ہو گا چونکہ بندے کے پاس رب کی نافرمانی کے لیے کوئی دلیل، کوئی جواز نہ ہو گا کہ جس کی بنا پر اس نے من مانی کی۔ اگر کسی پر یہ سوال ہو گیا کہ تم نے یہ کیوں کیا تھا تو وہ سزا بھگتے گا، وہ نہیں بچے گا۔ یہ اس کا کرم ہے کہ یاد دلا کر بھی معاف کر دے، یا نہ یاد دلائے ویسے ہی معاف کر دے تو وہ کریم ہے اس کی کرم کی کوئی انتہا نہیں لیکن جنہیں یہ خیال ہے کہ باتیں چھپ جائیں گی فرمایا چھپیں گی نہیں سامنے ہوں گی۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم بلندیوں سے بارش برساتے ہیں پھر اس سے مل کر زمین سے طرح طرح کی نباتات نکلتی ہیں۔ سبزے اُگتے ہیں، پھول کھلتے ہیں، پھلدار درخت لگتے ہیں ان پر پھل آ جاتا ہے، فصلیں اگتی ہیں ان پر غلہ لگتا ہے۔ کس کس چیز کو تم دیکھو گے۔ ایک انار کے پھل کو کھول کر دیکھو کتنے سینکڑوں دانے کس ترتیب سے اس میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک انار کو تم کھول کر اسے دوبارہ ویسا نہیں جھوڑ سکتے جیسا قدرت نے اس میں دانوں کا خزانہ اس خوبصورتی اور اس حسن سے جوڑ رکھا ہے۔ ہر پھل کا ذائقہ اور لذت جدا ہے ہر پھل کی تاثیر الگ ہے۔ ہر پھل میں مختلف بیماریوں کا علاج موجود ہے ایک کھجور کو دیکھ لیں غذا بھی ہے دوا بھی۔ ان سب کے لیے کیا وہ الگ الگ رنگ کی دھوپ پھیلاتا ہے، الگ الگ پانی برساتا ہے، الگ الگ زمینیں ہیں؟ کچھ بھی نہیں ہے، وہی زمین ہے، وہی بادل ہے، وہی پانی ہے، ہر فصل کی لذت جدا ہے، تاثیر جدا ہے رنگ جدا ہے دانے جدا ہیں۔ جس طرح سے گندم کے سٹے میں دانے قدرت سمو دیتی ہے ویسا سسٹم بندہ ہاتھ سے نہیں بنا

سکتا گندم کے سٹے میں الگ ترتیب ہے۔ باجرے کے سٹے میں الگ طرح سے دانے ہیں مکئی کے بھٹے میں الگ طرح سے ہیں اور جوار کے بھٹے میں الگ طرح سے ہیں۔ ہر ایک کی عجیب عجیب ترتیب ہے فرمایا ایک ہی پانی برساتا ہے ایک ہی زمین ہے فرمایا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ بلندیوں سے پانی کو برساتا ہوں فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ اور زمین کے ساتھ مخلوط کر کی یعنی مٹی پانی کو ملا کر طرح طرح کی نباتات اگاتا ہوں مِمَّا یَاۡكُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ اس میں انسانوں کا کھانا بھی ہوتا ہے جانوروں کا کھاجا بھی ہوتا ہے۔ چرند پرند انسان درندے حیوان ہر چیز اس سے مستفید ہوتی ہے حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا حتیٰ کہ زمین سج جاتی ہے پھولوں کی چادریں آراستہ ہو جاتی ہیں زمین پر غلے کے کھیت لہرا رہے ہوتے ہیں درخت پھلوں سے جھوم رہے ہوتے ہیں وَازَّیَّنَتۡ اور زمین خوبصورت لگ رہی ہوتی ہے، سج جاتی ہے وَازَّیَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡهَاۤ اور لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اب تو یہ سب کچھ ہمارا ہے یہ غلہ یہ کھیت یہ سبزہ یہ پھل یہ سب کچھ میرا ہے اَتٰىهَاۤ اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَهَارًا پھر اس پر ہمارا حکم آ جاتا ہے کبھی رات کو کبھی دن کو فَجَعَلۡنٰهَا حَصِیۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ ہم اس کو ایسا تباہ کر دیتے ہیں جیسے کل تو وہ تھی ہی نہیں کل شام تو وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ لہراتی ہوئی سرسبز فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں درخت گر جاتے ہیں پھل گر جاتے ہیں جل جاتے ہیں تباہ و برباد ہو جاتے ہیں پھر تم کیا کر سکتے ہو؟ کیا یہ تم روزمرہ زندگی میں دیکھتے نہیں ہو۔ کھڑی کھڑی فصلوں پر پکی ہوئی فصلوں پر اولے برس جاتے ہیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ہوا کا طوفان آ جاتا ہے اجاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ درختوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ پھل تو پھل درخت ہی نہیں رہتے تو پھر تمہارا کیا اختیار ہے۔ بنائیں تو ہم، تباہ کر دیں تو ہم تو پھر تم تو احسان مانو کہ تمہارے لیے اتنی نعمتیں پیدا کر دیں اگر ہم چاہیں تو اسے تباہ بھی کر دیں۔ فَجَعَلۡنٰهَا حَصِیۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ ہم اس کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جیسے کل شام وہ تھا ہی نہیں۔

دنیا کی لذتوں پر فدا ہو کر اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی نافرمانی گھاٹے کا سودا ہے:

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ 24 اللہ اس طرح واضح دلائل ارشاد فرماتا ہے ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں جو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جو جانوروں کی طرح زندگی نہیں گزارتے انسانوں کی طرح سوچتے ہیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے سامنے تو واضح دلائل ہیں کہ دنیا کی حیثیت تو ایسی ہے جیسے کوئی کھیت لہلہا رہا ہو اور اس پر بجلی کوند جائے اس پر اولے پڑ جائیں اسے ہوا کا طوفان تباہ کر دے تو ان دنیوی لذتوں میں اللہ کو بھول

جانا کون سی عقلمندی، کون سی دانش ہے کہ تمہیں عہدہ مل جائے گا، دولت مل جائے، عقل واقتدار مل جائے، تم عظمت الٰہی ہی کو فراموش کر دو یہ ساری وقتی چیزیں ہیں عہدے والوں سے عہدے لینے پر بھی قادر ہے۔ حکمرانوں سے حکومتیں چھیننے پر بھی قادر ہے صحت مندوں سے صحت لے لینے پر بھی قادر ہے اور اللہ کریم یہ دلائل بڑی وضاحت سے ارشاد فرماتے لیکن یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو تفکر کرتے ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی عظمت پر گواہ ہے اور جو انسان تفکر یا تدبر کرے اس کے لیے توحید باری کو پانا مشکل نہیں اور اس لیے اللہ کی اطاعت کو وہ ضروری سمجھتا ہے اللہ اتنا کریم ہے کہ بندے سے بے نیاز ہونے کے باوجود وہ اسے اپنی طرف بلاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بندے کی بھلائی اسی میں ہے وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وہ ہمیشہ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے۔ ہر قوم میں انبیاء بھیجے جنہوں نے سلامتی کے گھر کی طرف اللہ کی رحمت کی طرف بلایا۔ اللہ نے اپنی کتابیں نازل فرمائیں صحیفے نازل فرمائے۔ پھر آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر ساری انسانیت کے لیے آپ کو داعی الی اللہ بنا دیا اور سلامتی کے گھر کی طرف بلانے والا بنا دیا پھر تیس سپارے اپنا کلام اتارا پھر قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا اور اپنی ایک مخلوق ایسی پیدا کر دی جو ہمیشہ اللہ کی طرف، اللہ کی کتاب کی طرف، اللہ کے رسول ﷺ کے اتباع کی طرف بلاتی رہتی ہے۔ اس نے ایسا انتظام فرما دیا ہے کہ روئے زمین پر کسی لمحے اذان بند ہی نہیں ہوتی۔ ایک سرے سے شروع ہوتی ہیں اور دنیا کے دوسرے سرے تک کسی نہ کسی جگہ، ہر وقت، کسی نہ کسی اذان کا وقت ہوتا ہے اللہ کی طرف دعوت جو ہے وہ سنائی دے رہی ہوتی ہے۔ کائنات میں گونج رہی ہوتی ہے فضاؤں میں گونج رہی ہوتی ہے۔ اللہ نے علماء حق کو توفیق دی ہے وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف بلاتے ہیں اہل حق کو پیدا فرما دیا اور ان کی حفاظت فرماتا ہے تو یہ ساری رحمت الٰہی ہے یہ سارا اہتمام اس کا کیا ہوا ہے۔ وہ ہمیشہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ 25 اور جسے چاہے اسے سیدھے راستے کی توفیق عطا کر دے۔ چاہے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کریم نے شرط لگا دی ہدایت دینا میرا کام ہے جیسا کہ فرمایا وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ (الشوریٰ: 13) جس کے دل میں یہ آرزو جاگے گی کہ یا اللہ مجھے ہدایت دے دے میں اسے ہدایت دے دیتا ہوں کسی کو پیچھے سے زبردستی پکڑ کر نہیں دیتا۔ اتنی نعمتیں استعمال کرنے کے بعد اگر انسان کو یہ خیال آ جائے کہ جو منعم حقیقی ہے اس کا بھی شکر ادا کر لے تو فرمایا اس کے لیے بھی ہدایت کے سامان پیدا کر دیتا ہوں اور وہ ایسا کریم ہے کہ کوئی ساری عمر اس کی نافرمانی میں ضائع کر چکا ہے جب بھی اسے خیال آ جائے تو وہ یہ نہیں فرماتا کہ عمر گنوا کر آ گئے ہو، وہ کہتا ہے آ جاؤ میں ساری عمر کے گناہ معاف کر دوں گا اور تم پر رحم کر دوں گا اب بھی آ جاؤ۔

یادرکھیں سلامتی اللہ کی اطاعت میں ہے دنیا کی لذات وقتی لحاتی میں گزر جاتی ہیں۔ بڑے بڑے حکام جب ریٹائر ہوکر آتے ہیں تو گھر والے انہیں گھروں سے بھی نکال دیتے ہیں جن کے پاس بیسیوں نوکر ہوتے تھے پھر اولاد بھی ان کی بات نہیں سنتی ہم نے ایسے لوگوں کو آنکھوں سے دیکھا ہے تو دنیا کی لذتوں پر فریفتہ ہوکر اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی نافرمانی بہت گھاٹے کا سودا ہے۔ اللہ کریم ہمیں نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے گناہ معاف فرمائے۔آمین ثم آمین

اسلام سلامتی کی دعوت ہے:

اللہ کریم سلامتی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ کی دعوت دنیا کی سلامتی اور آخرت کی سلامتی کی ضامن ہے۔ نظامِ کائنات کی نشانیوں پر تفکر سلامتی کے راستے پر لے جاتا ہے۔ اللہ کریم کے احسانات شمار کیے ہی نہیں جاسکتے، اس کی نعمتیں گنی نہیں جاسکتیں۔ کائنات کا ذرہ، ذرہ اس کی قدرت کاملہ پر گواہ ہے۔ سورج کا طلوع و غروب، چاند کا بڑھنا گھٹنا، بارشوں کا برسنا، کھیتیوں کا سرسبز ہوجانا سب ایک لگے بندھے اندازے کے تحت چل رہا ہے۔ کون ہے جو اتنے بڑے بڑے ستاروں، سیاروں کو اپنے اپنے مدار پر مضبوطی سے جمائے ہوئے ہے ان کے اوقات، رفتار اور فاصلے معین ہیں۔ ہر ذرہ قدرتِ باری کا امین ہے، ہر قطرۂ بارش اپنی مقررہ جگہ پہنچ کر ذرے ذرے کو سیراب کرتا ہے۔ زمین کے ہر گُل کی اپنی الگ خوشبو ہے۔ ہر پھل کا اپنا ذائقہ اور تاثیر ہے مٹی کے ذرات سے قدرت کہیں سونا بناتی ہے کہیں لوہا اور کہیں ہیرا۔ انہی ذرات کو مختلف نسبت سے جوڑنا ہے تو فصلیں اگتی ہیں، کہیں پھل، کہیں سبزیاں اور کہیں جڑی بوٹیاں جن سے کہیں غذا تیار ہوتی ہے اور کہیں دوا۔ یہ سب کچھ کون کر رہا ہے، کتنے درست اندازے پر یہ کائنات چلا رہا ہے کہ اس میں کہیں کوئی کجی نہیں ہے۔ کیا یہ عظمتِ باری کو جاننے کے لیے کافی نہیں تھا۔ کائنات پر تحقیق ہو تو انسان کی زندگی ختم ہوجائے تحقیقات ختم نہیں ہوں گی۔

اللہ کریم کوئی نبیؑ مبعوث نہ فرماتا، کوئی کتاب نازل نہ کرتا، کبھی انسانوں سے بات نہ کرتا تو بھی وہ شعور جو اللہ نے انسان میں فطری طور پر ودیعت کیا ہے وہ اس کی رہنمائی کے لیے کافی تھا کہ کوئی ہستی ہے جو اس سارے نظام کو چلا رہی ہے۔ کوئی ہستی ہے جو میری بھی خالق ہے مجھ سے پہلوں کی بھی خالق ہے اور میرے بعد آنے والوں کی بھی خالق ہے۔ وہی میرا رازق و مالک ہے مجھے اسی سے رابطہ کرنا چاہیے۔

اس کے باوجود وہ اتنا کریم ہے کہ اس نے انبیاءؑ مبعوث فرمائے۔ شریعت عطا فرمائی لیکن اس میں بھی عالمِ

انسانیت کے لیے ہر طرح سے رعایت رکھی۔ مالک الملک نے جس قوم کو جتنا شعورِ حیات دیا اسی طرح کے اعمال کا اسے مکلف بنایا۔ کسی پر اس کے شعور سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا۔ آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انسانیت کی ابتداء ہوئی تو کاروبارِ حیات کو عبادت بنا دیا۔ کھیتی باڑی سکھائی تو زراعت کو ہی ان کی عبادت قرار دے دیا۔ انسانی شعور اتنا ہی تھا کہ وہ اپنی روزی پیدا کرتا، لباس بناتا اور حدود کے اندر رہ کر زندگی گزارتا۔ اپنا حق حاصل کرنا، دوسرے کا حق اسے دینا ہی اس وقت کی شریعت تھی۔ حضرت آدمؑ کی شریعت اتنی ہی تھی اور انسانی شعور بھی اتنا ہی تھا۔ جوں جوں انسانی شعور ترقی کرتا گیا آنے والے ہر نبیؑ کے احکام میں اسی کے مطابق تبدیلی آتی گئی۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ نئی نسلیں آتی گئیں شعور میں ترقی کے دروازے کھلتے گئے، نئی نئی ایجادات ہوتی گئیں۔ پھر شریعت میں تفصیل آتی گئی۔ عبادات کا شعبہ بنا، معاملات ایک شعبہ بن گیا، زندگی اور موت کے راستوں کی وضاحت ہوتی گئی۔ اللہ نے ہر قوم، ہر قریے میں نبیؑ بھیجا اور ہر قوم کی استعداد کے مطابق ان کی شریعت میں حلال و حرام رکھا۔

جب انسانیت بلوغت کو پہنچی، شعورِ انسانی بالغ ہوا تو اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا کہ پوری انسانیت کیلیے نبی اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بنا دیا، آج سے چودہ سو سال پہلے کون سوچ سکتا تھا کہ یہ دنیا ایک Global village بن جائے گی اور سب کا ایک مرکز ہونا ممکن بلکہ ناگزیر ہوجائے گا۔ یہ صرف وہی جانتا ہے جس نے ایک نبیؑ ایک مرکز، ایک قرآن، ایک شریعت عطا فرمادی اور شریعت میں یہ کمال رکھ دیا کہ یہ تمام زمانوں کے ہر سوال کا مکمل اور حتمی جواب رکھتی ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے جو سوال پیدا ہوا اس کا جواب اللہ کے نبی ﷺ پر نازل کی گئی کتاب القرآن میں موجود ہے اور حدیثِ رسول اور سنتِ مطہرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہے اور جو سوال قیامت تک کی انسانیت کو درپیش ہوں گے ان کا جواب بھی قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اور یہی دستورِ حیات دنیا کا آسان ترین طرزِ حیات ہے۔ تکلفات سے پاک، الجھنوں سے پاک، ہر طرح کے جھگڑے اور فساد سے پاک بہترین طرزِ حیات ہے۔

فرمایا، اپنی عظمت و قدرت کی اتنی نشانیاں دکھانے کے باوجود پھر تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ فرماتا ہے کہ تم دنیا کی نعمتیں استعمال کرو لیکن ان میں اتنا دل نہ لگالو کہ آخرت کو بھلا دو۔ تمہارا گھر تو آخرت میں ہے۔ یہ دنیا تمہارے امتحان کی جگہ ہے۔ یہ آزمائش کے چند دن میں جو گزر جائیں گے۔ آخرت میں دو گھر ہیں۔ نافرمانوں کے لیے جو گھر ہے وہ سخت تکلیف دہ ہے۔ یہ نافرمانی کے نتائج بھگتنے کا

گھر ہے اور اطاعت شعاروں کے لیے جو گھر ہے وہ سلامتی کا گھر ہے اس کا نام ہی دارالسلام ہے۔ وہاں ہر طرح کی سلامتی ہے۔ اس سلامتی والے گھر میں قیام کے لیے اسی دار دنیا، اسی دار امتحان سے کامیاب ہو کر پہنچا جاسکتا ہے۔ اللہ کریم نے سلامتی کے گھر کی طرف لے جانے کے جہاں کائنات کی نشانیاں انسان کے سامنے رکھ دیں وہاں اس گھر کی طرف دعوت دینے کے لیے نبی مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں اور پھر اپنا آخری نبی ﷺ مبعوث فرمایا۔ جو کتاب حضور اکرم ﷺ پر نازل فرمائی اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لے لیا کہ یہ کتاب الٰہی قیامت تک محفوظ رہے گی۔

حفاظتِ قرآن سے مراد:

حفاظتِ قرآن کا مطلب یہ نہیں کہ صرف قرآن کے الفاظ محفوظ رہیں گے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن رہے گا، قرآن کو ماننے والے رہیں گے، قرآن کو سمجھنے والے رہیں گے، قرآن کو سمجھانے والے رہیں گے اور قرآن پر عمل کرنے والے بھی ہمیشہ رہیں گے۔ کم ہوں یا زیادہ لیکن یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ختم نہ ہوگا۔ اللہ نے بے شمار مخلوق کو اس کی دعوت و ترویج پر لگا رکھا ہے۔ موذن صلوٰۃ کی طرف بلا رہا ہے، وعظ کرنے والا دین کی طرف بلا رہا ہے، کچھ لوگ زمین پر پھیل کر دعوتِ دین دے رہے ہیں۔ اللہ نے ایسا نظام بنا دیا ہے کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ انسان کے کان یہ آواز نہ پڑ رہی ہو کہ ''آؤ اللہ کی طرف''۔ سورج کی گردش کے ساتھ ساتھ دنیا کے تمام حصوں میں اذانیں یکے بعد دیگرے بلند ہوتی رہتی ہیں۔ ایک جگہ وقت ختم ہوتو دوسری جگہ شروع ہو جاتا ہے یوں چوبیس گھنٹوں میں کوئی لمحہ خالی نہیں جاتا کہ روئے زمین پر اذان بلند نہ ہو رہی ہو۔ صلوٰۃ نہ ادا ہو رہی ہو۔ گردش لیل و نہار کا نقشہ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ دعوتِ الٰہی ہر لمحے جاری ہے۔ اسے تو ہماری ضرورت نہیں تھی، ہم محتاج تھے۔ ضرورت ہماری تھی لیکن وہ ہمارا پروردگار ہے۔ وارحم الراحمین ہے۔ اس نے اپنا نبی ﷺ بھیجا جو رحمۃ للعالمین ہے۔ یہ تمام رحمتیں جمع ہو کر ہماری محرومیوں کا ازالہ کرنے کے لیے ہر وقت سلامتی کی طرف بلا رہی ہیں۔ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ 25 اور جس کو چاہتے ہیں راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا کر دیتے ہیں۔ دعوتِ ہدایت اپنی جگہ قائم ہے لیکن کن کو نصیب ہوتی ہے؟ فرمایا یہ میرا فیصلہ ہے۔ اس فیصلے کا مدار اس نے انابت پر رکھا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری ہے وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ○ (الشوریٰ:13) کائنات کے مظاہرِ فطرت دیکھ کر یا نبی کریم ﷺ کی دعوت قرآن کے بعد جس کے دل کے نہاں خانے میں یہ آرزو پیدا ہو جائے کہ مجھے اللہ کی طرف جانا چاہیے، اس کو میں

ہدایت دے دیتا ہوں اور یہ سب کچھ سن کر کوئی سر جھٹک دے کہ مجھے ضرورت نہیں تو یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ اس کا انجام یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے مجھے بھی تمہاری ضرورت نہیں اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

مقامِ غور:

بندہ عظمتِ الٰہی کو سامنے رکھے، صداقتِ پیغمبر ﷺ کو پیش نظر رکھے اور سوچے کہ ہم میں سے جو بھی سلامتی کی اس دعوت پر توجہ نہیں دیتا کیا وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے ہدایت نصیب ہو! اس دعوت کو اہمیت نہ دے کہ وہ کتنے بڑے جرم کا مرتکب ہو رہا ہے تو کتنی بڑی سزا کا مستحق ہے!

ہدایت تو تمہاری انابت پر ہے۔ اگر تم ہدایت کے طالب نہیں تو اللہ کو ویسے بھی تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ ضرورت تو یہ تمہاری ہے اور یہ بھی یاد رکھو یہ وہ نعمت ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ کہ جو اسے قبول کر لیتا ہے اس کا کام حسین ہو جاتا ہے۔ اَلْحُسْنٰى سے مراد ہے کہ اس کے کام خوب صورت ہو جاتے ہیں، وہ پاکیزہ اور خوب صورت گفتگو کرتا ہے، اس کی سوچ میں حسن ہوتا ہے اور وہ معاملات بہت خوبصورتی سے انجام دیتا ہے۔ جتنی خوبصورتی سے وہ یہ سب کچھ کرتا ہے میں اس سے کہیں زیادہ میں اسے اس کا اجر و انعام دوں گا کہ بندہ تو اپنی حیثیت کے مطابق ہی نیکی کرتا ہے لیکن اللہ کریم اسے اپنی شان کے مطابق انعام عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابن مبارکؒ ایک ولی اللہ تھے اور بڑے رئیس آدمی تھے۔ (ولی اللہ کے لیے کنگال ہونا ضروری نہیں جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے) ایک خاتون ان کی خدمت میں ایک چھوٹا سا کٹورہ لے آئی اور کہنے لگی میرا بیٹا بیمار ہے اسے حکیم نے شہد استعمال کرنے کو کہا ہے۔ میں غریب ہوں، شہد خرید نہیں سکتی۔ انہوں نے توشہ خانے کے انچارج کو بلایا اور ہدایت کی کہ اسے ایک مشکیزہ شہد دے دو اور ایک شخص ساتھ بھیجو جو اس کے گھر تک مشکیزہ چھوڑ آئے۔ وہ دعائیں دیتی رخصت ہو گئی تو پاس بیٹھے لوگوں نے عرض کی کہ وہ خاتون تو ایک کٹورہ ساتھ لائی تھی اسے اتنا ہی شہد چاہیے تھا آپ نے مشکیزہ اٹھوا دیا! فرمانے لگے اس کی ضرورت اپنی جگہ لیکن مجھے اللہ سے حیا آئی کہ اس نے مجھے مشکیزے عطا کر رکھے ہیں لہٰذا اس نے اپنی ضرورت کے مطابق سوال کیا اور میں نے اسے اپنی حیثیت کے مطابق شہد دے دیا۔

اگر اللہ کے پیارے بندوں کا یہ عالم ہے تو جب سب سے بڑا عطا کرنے والا دے گا تو کتنا دے گا۔ فرمایا نیکی کرنے سے مت گھبراؤ، نیکی ضائع نہیں جائے گی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا جو بھلائی کریں گے انہیں نیکی کا بدلہ نیکی ہی ملے گا و زیادۃ اور اتنا بڑھ کر ملے گا کہ بندہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

نیکی کا صلہ:۔

وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۔ صرف یہی نہیں کہ نیکی سے انہیں دنیا میں امن نصیب ہوگا، عزت وسکون ملے گا بلکہ آخرت کی سرخروئی بھی نصیب ہوگی۔ دنیا کے حالات کی تنگی ترشی ان کے قلبی سکون کو درہم برہم نہیں کرسکتی۔

قرآنِ حکیم میں اس کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے لیے جب نمرود نے آگ جلائی تو اس کا رقبہ میلوں پر پھیلا ہوا تھا۔ اس قدر آگ بھڑکائی گئی لیکن اللہ کریم نے آگ کو حکم دے دیا قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا کہ میں نے تجھے جلا ڈالنے کی جو فطری خصوصیت دی ہے تو آج اس عادت کو بدل دے وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ ○ (الانبیاء:69) ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی کی ہو جا۔ جلتی رہی، شعلے بھڑکتے رہیں لیکن وہ شعلے ابراہیمؑ کے لیے بادِ بہاری بن جا۔

اس آیت میں بھی یہی فرمایا جا رہا ہے کہ نیکوں کے لیے عرصہ محشر میں بھی کوئی دکھ نہیں ہوگا حالانکہ عرصہ محشر بہت طویل دن ہوگا، پچاس ہزار سال کا ایک دن ہوگا جیسا کہ ارشاد باری ہے وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ (الحج:47) یہی پچاس ہزار سال کا دن دوسروں کے لیے مشکلات سے پُر ہوگا اور نیکوں کا صلہ یہ ہے کہ انہیں ایک لمحہ کے طور پر محسوس ہوگا کہ ابھی برزخ میں داخل ہوئے تھے، قبر سے ابھی اٹھے، ابھی تمام مرحلے طے ہو گئے اور اللہ نے جنت بھیج دیا۔ فرمایا حشر کی حشر سامانیوں سے نہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے نہ انہیں رسوا ہونا پڑے گا۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ یہ لوگ تو جنت کے رہنے والے ہیں، معزز اور شرفاء ہیں۔ انہیں اسی عزت واحترام کے ساتھ جنت بھیج دیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں۔ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اور پھر جنت میں مہینہ، پہر یا سال نہیں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِیْنَ كَسَبُوا السَّیِّاٰتِ فرمایا، جو لوگ میری دعوت کو قبول نہیں کریں گے، میرے پیغمبر ﷺ کا اتباع نہیں کریں گے۔ من مانی کر کے نافرمانی کے راستے پر چلیں گے تو انہوں نے برائیاں کمائیں۔

فرمایا، نیکوں کی نیکی کا اجر تو انہیں لاکھوں گنا بڑھا کر دیا لیکن یہ برائی کریں گے، میری اطاعت نہیں کریں گے ان کو میں اتنی ہی سزا دوں گا جتنی انہوں نے برائی کی ہے۔ یاد رہے میدانِ حشر کا وقت دنیا کے حساب سے کئی گنا زیادہ ہے جیسے وہاں کا ہزار سال کا ایک دن ہے تو وہاں کا ایک گھنٹہ کتنے وقت کا ہوگا؟ پھر جس نے نافرمانی کی اور اس سے توبہ نہ کی تو اس کا مطلب ہے وہ تو مسلسل گناہ کرتا رہا۔ یعنی اگر قیامت تک زندہ رہتے تو قیامت تک نافرمانی پر قائم

رہتے۔ پھر وہ تو بہت لمبا عرصہ بن گیا۔ یوں میدانِ حشر میں میزان بدل جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا جو یہاں برائی کرتا ہے اس کی برائی کی سزا تو اتنی ہی دوں گا جتنی اس نے برائی کی لیکن دنیا کے عرصہ کے مقابلے میں آخرت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ اس حساب سے جہنمیوں پر حقبات گزر جائیں گے۔ سوصدی کو حقبہ کہتے ہیں۔ انہیں جہنم کے عذابوں میں ہزاروں صدیاں گزر جائیں گی وَتَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ اور ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ اللہ کی نافرمانی کر کے انہوں نے اللہ سے تو اپنا تعلق بگاڑ لیا اب کوئی ایسی ہستی نہیں ہوگی جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے كَاَنَّمَاۤ اُغۡشِيَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّيۡلِ مُظۡلِمًا ؕ ان کے چہرے ایسے ہو جائیں گے جیسے کسی نے سیاہ ترین رات کے ٹکڑے کاٹ کر ان کے چہروں پر مل دیئے ہوں اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ یہ لوگ دوزخ کے رہنے والے ہوں گے هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ 27 اور انہیں دوزخ میں ہمیشہ رہنا پڑے گا۔ اس لیے کہ انسان کا وجود عالم خلق سے ہے۔ آگ، مٹی، ہوا اور پانی سے ہے لیکن اس کی روح عالم امر سے ہے۔ عالم خلق پر فنا ہوگی۔ عالم امر کے لیے فنا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ روح کا تعلق جن ذرات سے ایک مرتبہ قائم ہو گیا وہ تعلق ہمیشہ رہے گا۔ لہٰذا انسان کی موت اس ابدی زندگی کی ابتداء ہے۔

شاعر نے کہا تھا:

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوامِ زندگی

دنیا کی زندگی آزمائشی دور تھا۔ اس آزمائش سے جو کامیاب ہو کر نکلا اس کی زندگی تو وہاں سے شروع ہوگی اور جو ناکام ہوا اس کی زندگی بھی وہاں سے شروع ہوگی۔ جب آنکھ بند ہوگی تو حقیقی آنکھ کھل جائے گی۔ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کی ابتداء ہو جائے گی۔

انسان کے سامنے یہ حقائق بڑے واضح اور روشن ہیں اسے وقتی اور لمحاتی لذتوں کے لیے دنیا کے پیچھے بھاگنا زیب نہیں دیتا۔ اللہ کریم نے تمام دنیوی لذتوں کو انسانوں کے لیے ہی بنایا ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ۚ (البقرہ: 29) زمین پر جو کچھ ہے سب تمہارے لیے ہے لیکن اس کے استعمال کا وہ طریقہ اختیار کرنا لازم ہے جو میں نے بتایا، میرے نبی ﷺ نے سکھایا۔ اس طریقے اور سلیقے سے شادی کرو، گھر بناؤ، حلال وسائل سے دولت کماؤ، اچھے گھر اور اچھی سواریاں رکھو۔ مال پر زکوٰۃ دو اور پاکیزہ اور پُرلطف زندگی گزارو۔ زندگی

کے معمولات اس طرز پر گزار دو تو یہ نیکی ہے، یہ ساری عبادت ہے اور جہاں جہاں سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا راستہ چھوڑتے جاؤ گے وہ نافرمانی بنتی جائے گی۔

قرآن حکیم کے آئینے میں ہر شخص اپنا کردار دیکھ سکتا ہے کہ اس نے دن بھر کتنی اللہ کی اطاعت کی اور کتنی نافرمانی کی۔ وَيَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا جس دن ہم ان سب کو زندہ کریں گے۔ قیامت کے دن اوّل و آخر ساری مخلوق کو ہم ایک میدان میں جمع کریں گے۔ ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا پھر شرک کرنے والوں سے فرمائیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اس جگہ ٹھہر جاؤ۔ فَزَيَّلۡنَا بَيۡنَهُمۡ ہم ان کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے شرکاء کہیں گے تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ اِيَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ 28 تم نے اسے خوامخواہ ہمارے ذمے ڈال دیا۔ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے کہ اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ۝۲۹ ہمیں تو یہ علم ہی نہیں تھا کہ تم ہماری عبادت کر رہے ہو۔

شرک کی صورتیں:

بتوں کو پوجنا شرک ہے۔ عموماً پتھر کی مورتی کو بُت کہا جاتا ہے لیکن یہ وہ بت ہیں جو محسوس ہوتے ہیں۔ سب سے خطرناک بُت وہ ہیں جو غیر مادی اور غیر محسوس ہیں جو نظر نہیں آتے۔ جیسا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کسی دوسرے کو خوش کرنے کے لیے کی جائے تو یہ اس کی عبادت ہو جاتی ہے۔ جیسے اللہ کریم کو چھوڑ کر دوسروں سے امیدیں وابستہ کر لینا۔ ان کی خوشنودی کے لیے فرائض چھوڑ دینا، حلال حرام کی پروا نہ کرنا، رات دن انہیں خوش رکھنے میں اس لیے کوشاں رہنا کہ یہ ناراض ہو گئے تو میرا نقصان ہو جائے گا اور خوش رہے تو میں کچھ حاصل کر لوں گا۔ لہٰذا کسی نفع کی امید پر یا نقصان کے اندیشے پر کسی کی اطاعت کرنا اس کی عبادت ہے۔ یہ نظر نہ آنے والا بت ہے۔ اسی طرح ہم اور بھی بہت سی چیزوں سے توقعات وابستہ کر لیتے ہیں۔ قبروں سے، زندہ انسانوں سے، پیروں سے، عملیات کرنے والوں سے۔ ہمیں یہ یقین ہوتا ہے کہ مجھے ان سے کچھ حاصل ہوگا تو یہ سارے بت بن جاتے ہیں اور یہ بت پرستی ہے حتیٰ کہ اگر آدمی اللہ کے احکام کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، جائز ناجائز ہر خواہش کے پیچھے بھاگتا ہے اللہ کی اطاعت کے مقابلے اپنی خواہشات پر عمل کرتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰٮهُ (الجاثیہ:23) آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا محبوب بنا لیا ہے۔ یہ خواہشات بھی بت بن جاتی ہیں جن کی پرستش ایسے ہوتی ہے کہ اللہ کے احکام کو چھوڑ کر ان کی اطاعت کی جاتی ہے۔

اگر خواہش کی تکمیل اللہ کے حکم کے مطابق کی جائے تو پھر اطاعت الٰہی شمار ہوگی لیکن کسی بھی خواہش کی تکمیل خلاف شریعت کی جائے تو یہ اس خواہش کی عبادت ہوگی۔ اس وقت خواہش ہی ایک بت بن جاتی ہے۔

فرمایا، ایک دن آ رہا ہے جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے جو لوگ شرک کرتے اور غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرتے رہے ان کے سامنے حقائق کھل جائیں گے۔ بتوں سے امیدیں وابستہ رکھنے والوں کو سمجھ آ جائے گی کہ ان سے دوستی کا کوئی فائدہ نہ ہوا تو ان کی جو آپس کی محبت تھی وہ ختم ہو جائے گی۔ اللہ کو چھوڑ کر جن سے بھی امیدیں رکھی تھیں وہ نظر آنے والے بت تھے یا نہ نظر آنے والے بت تھے، پتھر کے بت تھے یا خواہشات کے بت وہ سب مشرکوں سے کہیں گے ہمیں تو تمہاری عبادت کا پتہ ہی نہ تھا۔ پتھر کہیں گے ہمیں کیا پتہ کون ہماری عبادت کرتا یا کون نہیں کرتا۔ ہم میں تو اللہ نے ایسا کوئی شعور ہی نہیں رکھا تھا۔ ہم نے کب کسی کو اپنی عبادت کی دعوت دی یا ہم نے کب کہا کہ ہمیں سجدے کرو۔ خواہشات اور آرزوؤں کے بُت یا صاحب اقتدار و اختیار جن سے نفع کی امید پر اور نقصان سے بچنے کے لیے ان کی ناجائز فرمانبرداری کرتے رہے وہ بھی کہیں گے اللہ گواہ ہے ہمیں تو علم ہی نہیں کہ تم ہماری پوجا کرتے رہے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اس جگہ اس وقت ہر ایک کو سمجھ آ جائے گی کہ اس نے کیا، کیا۔ یہ دنیا تو دار عمل ہے۔ ہر عمل کا ایک اثر ہے۔ نیکی کر و اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی قرب الٰہی کی طرف لے جاتی ہے۔ برائی کا اثر یہ ہے کہ وہ مزید برائی کی طرف، اللہ سے دوری کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے لیکن ان کی حقیقت یہاں ہمارے سامنے نہیں آتی۔ لوگوں کو گناہ بڑے مرغوب لگتے ہیں۔ انسانی خواہشات کی تکمیل جائز و ناجائز ذریعے سے کر کے بڑا خوش ہوتا ہے لیکن آخرت میں یہ حقائق سامنے آ جائیں گے۔ وہاں ہر کوئی اپنے بھیجے ہوئے اعمال کو جان لے گا کہ اس نے کیا، کیا اور اس کا کیا نتیجہ سامنے آیا۔ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اور وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

دنیا میں تو کسی کو اپنی ذات پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو اپنی دولت پر، اپنے خاندان پر، اپنے تعلقات پر، کسی کو معبودان باطلہ پر لیکن آخرت میں ان سب کی حقیقت کھل جائے گی۔ جو سچا اور حقیقی مالک ہے ساری بات اس کے سامنے آ جائے گی۔ سب لوگ اس کے روبرو حاضر کھڑے ہوں گے۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ اور شرک کرنے والے خود بھی سمجھ لیں گے کہ جن کی وہ پوجا کرتے رہے وہ آئی گئی ہو گئیں۔

وہاں انہیں سمجھ آ جائے گی کہ اللہ کے سوا اطاعت کا مستحق تو کوئی نہیں ہے اور جس کی بھی اطاعت کرنی ہے وہ اللہ کے حبیب ﷺ کے حوالے سے کرنی ہے تو ہم دنیا میں کیا جھک مارتے رہے۔

سورۃ یونس رکوع 4 آیات 31 تا 40

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ
الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ
فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۖۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ
يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى
تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ
لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ
فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا
يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا
الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ
تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یُّؤۡمِنُ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ
اَعۡلَمُ بِالۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۴۰﴾

فرمائیے تم کو آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے یا کون مالک ہے (تمہارے)
سننے اور دیکھنے کا اور کون ہے جو جاندار چیز کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو
جان دار شے سے نکالتا ہے اور کون ہے جو (سب) کاموں کی تدبیر (انتظام) کرتا
ہے؟ پس وہ کہیں گے کہ اللہ۔ سو فرمائیے کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں ﴿۳۱﴾ پس
یہی اللہ تو تمہارا برحق پروردگار ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے تو کہاں پھرے
جاتے ہو ﴿32﴾ اسی طرح آپ کے پروردگار کا ارشاد ان نافرمانوں کے حق میں
سچا ثابت ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے ﴿33﴾ فرمائیے کیا تمہارے شریکوں میں
کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو ابتداء پیدا کرے پھر دوبارہ اسے (قیامت کو) پیدا
کردے۔ فرما دیجیے اللہ ہی پہلی بار پیدا فرماتے ہیں پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا
فرمائیں گے پھر تم کہاں (حق سے) پھرے جاتے ہو ﴿34﴾ فرمائیے کیا
تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرے۔ فرما دیجیے اللہ
حق کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں تو بھلا جو حق کا راستہ دکھاتا ہے وہ زیادہ حق دار
ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو بغیر بتائے راستے کا پتہ ہی نہ چلے پس تم کو
کیا ہو گیا تم کیسے فیصلے کرتے ہو ﴿35﴾ اور ان میں اکثر لوگ صرف (اپنے)
خیالات کی پیروی کرتے ہیں بے شک بے اصل خیالات حق سے کچھ بھی بے نیاز
نہیں کر سکتے جو کچھ یہ کر رہے ہیں بے شک اللہ کو سب خبر ہے ﴿36﴾ اور یہ قرآن
اللہ کے سوا کسی کا بنایا ہوا نہیں ولیکن اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتا ہے
اور (تم پر) لکھی گئی چیزوں کی تفصیل ہے (اور) اس میں (ذرہ برابر) شبہ نہیں کہ
(یہ) پروردگارِ عالمین کی طرف سے ہے ﴿37﴾ کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ
(پیغمبر ﷺ) نے اس کو (اپنی طرف سے) بنا لیا ہے فرما دیجیے کہ تم بھی اس طرح

ایک ہی سورت بنالاؤ اور اللہ کے سوا جن کو بھی بلا سکتے ہو بلالو اگر تم سچے ہو تو ﴿38﴾ بلکہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پا سکے اس کا انکار کر دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی نہیں۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح (امورِ حقہ کو) جھٹلایا تھا سو دیکھ تو ظالموں کا کیسا انجام ہوا ﴿39﴾ اور ان میں کچھ ایسے ہیں کہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا پروردگار فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿40﴾

تفسیر ومعارف

حقیقی پروردگار، اللہ:

اگر شرک کرنے والے یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا سب کچھ تو پیر صاحب سنوارتے تھے، فلاں بزرگ حاجت روا تھے، صاحب اقتدار روزی رساں تھے، ہمارا سب کچھ تو دیوتا یا بت کرتے تھے تو فرمایا، ذرا ان سے پوچھیے قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کون ہے جو تمہارے لیے آسمانوں سے بارشیں برساتا ہے اور زمین سے روزی نکالتا ہے۔ یہ کون ہے جو ایک ایک پھول، پتی میں اثر پیدا کرتا ہے۔ کون ہے جو ایک ہی مٹی سے طرح طرح کی رنگا رنگ تخلیقات نکالتا ہے، تمہارے فائدے کے لیے سمندروں میں، خشکی میں، فضاؤں میں ہر جگہ اللہ کی مخلوق بسی ہوئی ہے جن سے تم طرح طرح کی خدمت لیتے ہو۔ اگر اس کی قدرت کاملہ کو دیکھنا چاہو تو اپنے اندر دیکھ لو، اپنے وجود پر غور کرلو۔ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ تمہارے وجود میں کتنی خصوصیات رکھ دی گئیں سننے اور دیکھنے کی قوت پر غور کرو۔ کون دیتا ہے یہ قوتیں، کس نے تمہیں حواسِ خمسہ دیئے اور جب یہی قوتیں کمزور پڑ جائیں یا وہ انہیں کام کرنے سے روک دے، بیمار پڑ جاؤ تو کوئی ہے جو ان کا ایسا ہی متبادل تمہیں لا کر دے سکے۔ باہر کی دنیا تو بہت وسیع ہے تم اپنے اندر کی دنیا پر غور کرلو تمہارے اندر ایک عظیم کارخانہء قدرت چل رہا ہے۔ اپنے رب کی قدرت کا مظاہرہ دیکھو کہ روئے زمین پر ہر لحہ جو کچھ پیدا ہو رہا ہے اسے کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ ایک لمحے میں کتنا سبزہ پیدا ہوتا ہے، کتنا خشک ہوتا ہے، کتنے نئے پتے پیدا ہوتے ہیں، کتنے پتے جھڑتے ہیں، کتنے پھل توڑے جاتے ہیں اور کتنے نئے پیدا ہو جاتے ہیں، کتنے پھول سوکھ جاتے ہیں اور کتنے نئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوئی ان کا شمار بھی نہیں کر سکتا۔

کائنات کی نمو کو کوئی شمار نہیں کر سکتا تو کم از کم اپنے وجود پر ہی غور کر لو۔ کتنے چھوٹے چھوٹے ذرات سے وجود بنتا ہے، انہی سیلوں کے کمزور پیدا ہونے سے بڑھاپا آتا ہے، دیکھنے اور سننے کی قوت کمزور ہونے لگتی ہے جہاں یہ Cell مکمل نہیں بنتے وہاں جسم کو نقصان پہنچنا شروع ہو جاتا ہے لیکن کیا ہمیں پتہ ہے کہ اتنا باریک نظام کون بنا رہا ہے اللہ کے سوا کوئی ہے جو اسے بنا سکتا ہے۔ اگر سمجھنا چاہو تو یہ تم روزانہ دیکھتے ہو **وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ** ایک بے جان قطرے سے انسان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس قطرے کو کس نے انسان کا روپ دے دیا۔ جب وہ بھر پور انسان بن جاتا ہے تو پھر کون اسے میت بنا دیتا ہے۔ ایک لمحے میں ایک نامور آدمی کو، ایک بادشاہ کو میت بنا دیتا ہے۔ موت آتے ہی کوئی نہیں کہتا بادشاہ کو اٹھاؤ، کہتے ہیں میت کو اٹھاؤ۔ میت کو دفن کرو کس نے زندہ سے لمحے میں میت بنا دیا۔

اللہ کے سوا جن سے بھی تم امیدیں لگاتے ہو وہ تو خود اللہ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کے حکم سے مرتے ہیں وہ کسی کو کیا پیدا کریں گے اور کیا ماریں گے۔ وہ خود اللہ کے نظام میں مجبور و بے بس ہیں۔ اللہ کریم کے علاوہ کائنات کا ہر ذرّہ حیات و موت کی کشمکش کے درمیان مجبور و بے بس ہے تو پھر ایسا کون ہے جس کی ذات تک موت کا اثر نہیں ہے جس کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں، جس میں زمانے کا تغیر کوئی تبدیلی نہیں لاتا۔ وہ کون ہے جو اتنے وسیع، اتنے باریک، اتنے پیچیدہ نظام کو پوری Accuracy پوری درستگی کے ساتھ چلا رہا ہے۔ **فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ** کوئی کتنا بھی دین سے دور ہو اس سوال کا جواب وہ یہی دے گا کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ **فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ** 31 تو پھر ان سے کہیے کہ اگر یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے تو پھر تم اللہ سے تعلق کیوں پیدا نہیں کرتے، تم اللہ سے کیوں نہیں جڑتے؟ کیا تمہیں اللہ کی عظمت سے خوف نہیں آتا کہ ایک لمحے میں اپنی عطا کردہ نعمتوں میں سے جسے چاہے واپس لے لے۔ آنکھ کی بصارت لے لے یا چلنے پھرنے کی قوت سلب کر لے تو اس قادر مطلق کی نافرمانی کرتے ہوئے کیا تمہیں کوئی خوف نہیں آتا کہ تم کس ہستی کی نافرمانی کر رہے ہو۔ کیا تمہیں یہ بھی احساس نہیں ہے کہ اللہ کے تم پر کتنے احسانات ہیں؟ اللہ کریم نے بندوں پر اتنے احسانات کیے ہیں کہ بندہ گن نہیں سکتا۔ اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ ہم جانتے ہی نہیں تو شکر کیا ادا کریں گے۔

ہر بندے کے پاس شکر ادا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کرے۔ اس کی اپنی حیثیت کے مطابق اس کا شکر شمار ہوتا رہے گا۔ جب اللہ کریم تمہاری ذات سے لے کر پوری کائنات میں سب کچھ بنا بھی رہا ہے اور اسے چلا بھی رہا ہے تو تمہیں اللہ سے حیا نہیں آتی کہ تم اسی پروردگار کی نافرمانی کرتے ہو جو

تمہیں اتنی نعمتیں دے رہا ہے۔ فرمایا، فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ یہی اللہ ہے جو تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے وجود میں اور دنیا میں عجائبات رکھ دیئے ہیں۔ وہی ساری کائنات کا خالق و مالک ہے جو اسے چلا بھی رہا ہے۔ تمہارا حقیقی پروردگار اللہ ہی ہے جو تمہارا خالق ہے، مالک ہے اور تمہیں ہر نعمت عطا کر رہا ہے۔ اگر اس کا در چھوڑ دو گے، اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ باطل ہوگا۔ وہ حق نہیں ہوسکتا حق کو چھوڑ کر کہیں بھی جاؤ وہ گمراہی ہے فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ حق کے علاوہ سب ناحق ہے، گمراہی ہے تم اپنی عمریں کہاں ضائع کر رہے ہو، فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ 32 اللہ نے جو مہلتِ عمل دی ہے اسے کس فضول کام میں برباد کر رہے ہو۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ 33 فرمایا، اللہ کی نافرمانی یا گناہ کرتے رہنا اور کبھی توبہ نہ کرنا ایسا بھیانک جرم ہے کہ یہ شعور کو الٹ دیتا ہے۔ بندے کو برائیاں پسند آنے لگتی ہیں اور نیکی سے اس کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ فرمایا اے انسان! تیرے پروردگار کا یہ ارشاد بھی سچا ہو گیا، سامنے آ گیا، سچ ثابت ہو گیا کہ الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ جو برائی کا راستہ اپنا لیتے ہیں وہ ایمان نہیں لاتے۔

برائی سے ایمان متزلزل:

برائی سے کبھی نیکی یا اچھائی نہیں پائی جا سکتی۔ اللہ پر یقین متزلزل ہو جاتا ہے اور یہ معمولی بات نہیں مسلمانوں کی اکثریت آج کل یہی کہتی نظر آتی ہے کہ وہ یہ دنیا تو سامنے ہے اس کا لطف اٹھانے دو، مریں گے تو کیا ہوگا، دیکھا جائے گا۔ یہ کیا سوچ ہے، یہ کیا بات ہے؟ یہ ایمان کی نفی ہے۔ یہ ضروریاتِ دین سے انکار ہے۔ سورہ البقرہ کے شروع میں اللہ کریم نے ایمانیات اور ضروریاتِ دین ارشاد فرما دیئے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ تمام ایمانیات اس جملے میں آ گئیں کہ وہ لوگ ایمان والے ہیں جو اس سب پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاء پر اللہ نے نازل کیا۔ اس میں ایمانیات کے سارے شعبے آ گئے۔ تقدیر پر ایمان، اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان، فرشتوں پر، کتابوں پر، حساب کتاب، جنت دوزخ پر ایمان، آخرت کے برحق ہونے پر ایمان۔ اور پھر آخرت پر ایمان کی مزید تاکید یوں فرمائی وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ (البقرہ:4) کہ مومنین کو آخرت پر بڑا پکا، ٹھوس یقین ہوتا ہے کہ اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے اور جواب دینا ہے۔ جس یقینِ آخرت کی اتنی تاکید کی گئی وہی شعبہ آج اتنا کمزور ہے کہ ایسے کفریہ جملے زبان پر آ جاتے ہیں لوگ برائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں جب مریں گے تو دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔ اللہ کریم کی اس نافرمانی کا اثر یہ ہے کہ ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

استغفار، ہر لمحہ کی ضرورت:

اللہ کریم اس سے پناہ دے۔ استغفر الله ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔ اللہ کریم سے ہر وقت اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے رہنا چاہئے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جرم کر کے استغفار کرنے کی ضرورت ہے لیکن ہمیں تو اپنی عبادات کے بعد بھی استغفار کرنا چاہیے۔ ہمارے تو سجدے بھی خطا شمار ہو سکتے ہیں۔ دل کی کس گہرائی اور خلوص سے ہم وضو کرتے ہیں، صلوٰۃ ادا کرتے ہیں وہ ہمارے سامنے ہے ہمارے تو سجدے بھی اس قابل نہیں کہ اس کی بارگاہ کے لائق ہوں۔ ہمارا تو یہ بھی جرم بن جاتا ہے۔ کسی بھی بارگاہ میں کوئی حاضر ہو اور متوجہ نہ ہو، دوسروں کی طرف متوجہ ہو تو کیا یہ جرم نہیں بن جاتا۔ ہماری بے خلوص اور غافل قلب سے کی گئی عبادات بھی جرم میں شمار ہوتی ہے۔ ہمیں ہر وقت استغفار کرتے رہنے کی ضرورت ہے چہ جائے کہ ہم اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی نافرمانی کو اپنا شعار بنالیں۔ دیکھا جا سکتا ہے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں لیکن سجدہ نہیں کرتے۔ مسلمانی کا دعویٰ رکھتے ہوئے سود کھائے جا رہے ہیں، قتل کرتے ہیں، بے گناہ لوگوں کو بے دریغ مارتے ہیں اور دیدہ دلیری سے تباہی پھیلا رہے ہیں۔ ایسے جھوٹ، ناانصاف اور ظالم لوگوں کا انجام یہ ہے کہ ان کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

جس کا ایمان ختم ہو جائے اس کا کوئی عمل نیکی شمار نہیں ہوتا۔ چونکہ نیکی کا مدار ایمان پر ہے، ایمان ہی چلا گیا تو پھر کوئی بھلا کام بھی کرے تو وہ برائی ہی شمار ہوتا ہے۔ نیکی تو یہ ہے کہ اللہ پر ایمان، اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان ہو، آخرت پر یقین رکھتے اللہ کے حکم کو بجالاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر اللہ کی رضا کے حصول کے لیے بھلائی کرے اور جب اللہ کے ساتھ ایمان ختم ہو گیا تو پھر نیکی کہاں!

قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ فرما دیجیے کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرے، جو عدم سے وجود عطا کرے۔ اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کی تم عبادت کرتے ہو، ان سے امیدیں وابستہ کرتے ہو ان میں کوئی ایسا دکھاؤ جو مخلوق کی بنیاد رکھے، انہیں پیدا کرنے کے بعد موت کی اتھاہ گہرائیوں میں لے جائے پھر انہیں دوبارہ حیات عطا کرے۔ کوئی ہے ایسا! قُلِ اللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ فرما دیجیے کہ یہ صرف اللہ ہے جو عدم سے خلق کو وجود دیتا ہے۔ عدم سے پیدا کر کے حیات دیتا ہے۔ پھر موت دے دیتا ہے۔ موت کے بعد پھر دوبارہ زندگی دے گا۔ وجود، ہڈیاں گل سڑ جائیں گی، گوشت ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل جائے گا کچھ نہیں بچے گا پھر وہ اسی وجود کو حیات کر دے گا فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ 34 تو تم کیوں غیر اللہ کے دروازے پر ٹھوکریں کھا رہے ہو؟ تم اپنی امیدیں لے کر کبھی اس دروازے پر کبھی اس دروازے پر دھکے کھاتے پھرتے ہو۔

سیدھے، سیدھے اللہ کی بارگاہ میں کیوں نہیں آئے۔ تمہارا خالق و مالک تمہارا پروردگار تمہیں بلا رہا ہے، تمہارے پاس محمد رسول ﷺ جیسا وسیلہ موجود ہے۔ آپ ﷺ کی سنتِ مطہرہ راہِ حق کو واضح کر رہی ہے تو پھر حق یہ ہے کہ اتباعِ رسالت کو اپنا شعار بناؤ اور اللہ کی اطاعت کے دائرے کے اندر آ جاؤ۔ اس کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں۔

صرف اللہ ایک ذاتِ حق ہے جو حق کی رہنما ہے:

ارشادِ باری ہے قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ انہیں فرمائیے، جن کو تم اللہ کا شریک مانتے ہو ان میں کوئی ہے جو حق کی طرف راستہ دکھائے، حق کا راستہ دکھائے۔

زندگی اللہ کریم کی عطا ہے۔ جس جاندار کی جس طرح کی ضرورتیں ہیں ان کو ان کی تکمیل کے طریقے اور ذرائع اختیار کرنا سکھا دیے ہیں۔ یہ بڑی قابلِ غور بات ہے کہ جانوروں، درندوں، پرندوں کو اپنی زندگی گزارنے کا اسلوب اللہ کریم ان میں ودیعت کر دیتے ہیں انہیں کوئی نہیں سکھاتا کہ خوراک کہاں سے ملے گی، گھر کیسے بنانا ہے، کہاں رہنا ہے، کسی پرندے کے بچے کو کوئی استاد اڑنا سکھانے نہیں جاتا۔ سمندری مخلوق کے بچے پیدا ہوتے ہیں تو تیرنا شروع کر دیتے ہیں۔ انہیں کوئی استاد تیرنا نہیں سکھاتا۔ انہیں یہ سب کون سکھاتا ہے؟ فرما دیجیے جن دیوی دیوتاؤں یا جن انسانوں، جنوں کو، تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو ان میں سے کوئی ایسا ہے جو اس طرح کی رہنمائی کر سکے!

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اسے ایسا شعور دیا گیا ہے کہ یہ اللہ کے قرب کو پانے کے لیے محنت کرتا ہے۔ تو اللہ کے علاوہ کون ہے جو یہ رہنمائی کر سکے۔ جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو ان میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف رہنمائی کر سکے۔ کسی بھی کام کو کرنے کا صحیح ترین طریقہ حق کہلاتا ہے۔ ان معنوں میں صحیح ترین طریقہ حق کہلاتا ہے۔ صحیح ترین اعمال حق ہیں۔ ہر جاندار کو اپنی ضرورتوں کی تکمیل کا جو طریقہ اللہ نے سکھایا ہے وہ ان کی فطرت میں ڈال دیا ہے ان کے لیے وہی حق ہے۔

تو فرضی معبود جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے ہو وہ بھلا ان کی رہنمائی کیسے کر سکتے ہیں قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ان سے فرما دیجیے اللہ صرف ایک ذاتِ حق ہے جو حق کی طرف رہنمائی فرماتی ہے۔ صرف اللہ اکیلا ایسی ذات ہے جو ہر جاندار کی ہر وقت، ہر جگہ رہنمائی فرما رہا ہے۔ یہی حقیقت ہے، یہی سچ ہے۔ جب یہ سچ اور حق ہے تو پھر سوچو ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ کہ جو ہستی رہنمائی فرماتی ہے وہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے یا اس کی اطاعت کرو گے جو خود رہنمائی کا مستحق و محتاج ہو، خود اپنی راہ سے بے خبر ہو۔ اگر ہدایت الٰہی نہ ہو تو کوئی جاندار ایسا نہیں جو اپنے لیے خود راہ پیدا کر سکے۔ خود جان سکے یا سمجھ سکے۔

یہ ممکن ہی نہیں۔ ساری مخلوق جس ذات کی محتاج ہے اس کا حق بنتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ 35 تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کس طرح کے الٹے سیدھے فیصلے کرتے ہو اور ان غلط فیصلوں پر اپنی عمریں ضائع کر دیتے ہو۔

گمراہی کا سبب اور اس کا انجام:

گمراہی کا سبب ایمان نہ لانا اور اوھام کے پیچھے زندگی گزار دینا ہے۔ فرمایا وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ گمراہ لوگوں کی اکثریت توہم پرستی میں گرفتار ہوتی ہے۔ اللہ کی اطاعت نہیں کرتے محض گمان کر لیتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے، اس طرح کرنا چاہیے اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ حالانکہ گمان اور ظن بندے کو حق سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ جو راستہ محض اپنی سوچوں سے متعین کر لیا جائے وہ درست نہیں ہوتا۔ راستہ وہی درست ہوتا ہے جو حق ہو۔ حق پر رہنا انسانی ضرورت ہے اور حق کے بغیر بات نہیں بنتی۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ 36 یہ بھی یاد رکھیں لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ کریم کو ان سب کی خبر ہے جو کوئی اپنی مرضی پر چلے گا اس کا عقیدہ صحیح نہیں رہے گا، عمل صحیح نہیں رہے گا جس کی وجہ سے وہ دنیا میں دکھ اٹھائے گا، پریشان رہے گا۔ صرف یہی نقصان نہیں ہوگا بلکہ سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ سب کو جب واپس بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا ہوگا اور اپنی زندگی کا حساب دینا ہوگا تو سب کچھ سامنے آ جائے گا کہ اللہ کریم تو ہر بندے کے ہر حال سے ذاتی طور پر باخبر ہیں۔ تو وہاں جب پیشی ہوئی تو وہ بہت بڑی مصیبت ہوگی کہ ابدالآباد کی زندگی اوہام کے پیچھے گزاری ہوئی زندگی پر غالب آ جائے گی اور ان لوگوں کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔

قرآن پر ایمان کی بنیاد اعتماد علی الرسول ﷺ:

یہ لوگ آپ ﷺ سے کہتے ہیں کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ قرآن ہے۔ نہ کسی نے وحی سنی نہ فرشتہ دیکھا نہ اللہ کی بات سنی۔ آپ کہتے ہیں یہ قرآن ہے۔ ہمیں کیا معلوم کہ آپ نے اسے کیسے اور کس کی مدد سے بنا ڈالا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰي مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی کا بنایا ہوا نہیں۔ کوئی اپنے پاس سے باتیں جوڑ کے نہیں بنا سکتا اور اس کی دلیل یہ ہے وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ جس میں گزشتہ امتوں کے احوال ہو بہو بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء کرام کے واقعات بالکل صحیح بیان ہوئے ہیں جبکہ مرور زمانہ سے پچھلی تمام کتب کے احکام تبدیل ہو گئے۔ کتابیں تلف ہو گئیں، حق فراموش ہو گیا، حقائق قصے کہانیوں میں بدل گئے۔ تو کون ایسی ہستی ہے جس نے پھر ان سب حقائق کو دنیا کے سامنے بیان کر دیا۔ یہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ جتنا زمانہ اس سے پہلے گزر چکا ہے ان سب زمانوں کے عقائد و

نظریات کی بھی تصدیق کرتی ہے، قوموں کے حالات وواقعات کی بھی تصدیق فرمائی ہے۔ وَتَفۡصِيۡلَ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ اور یہ ایک ایسی مفصل کتاب ہے جس میں رائی برابر شبے کی گنجائش نہیں۔ اس کا حرف، حرف اور لفظ لفظ حق ہے۔ اس میں جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں وہ بھی حقیقی ہیں۔ تاریخ کی گہرائیوں سے نکال کر نتھار کر سامنے رکھ دیے۔ قوموں کو اپنے کردار کے جو نتائج بھگتنے پڑے گزشتہ زمانوں کی گرد جھاڑ کر صاف ستھرا کر کے لوگوں کے سامنے وہ تمام حقیقتیں رکھ دیں۔ ذاتِ باری، صفاتِ باری کے بارے حقائق ارشاد فرمائے۔ انسانی زندگی، موت وحیات اور دوبارہ جی اٹھنے کے بارے حقیقتیں بیان فرمائیں۔ پھر انسان کی تخلیق، اس کی پیدائش، اس کے وجود کے بارے وہ حقائق بیان فرمائے جن سے چند کے سوا ابھی تک سائنس آشنا نہیں ہو سکی۔ وہ حقیقتیں بھی ایسی ہیں کہ ان میں رائی برابر شبہ نہیں۔ جو کچھ فرمایا وہ سراسر حق ہے اور یہ کام پروردگار عالم ہی کر سکتا ہے، مخلوق کے بس کا نہیں۔ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ 37 اللہ رب العالمین ہے، سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ یہ اس کی ربوبیت کا تقاضا کہ اپنی مخلوق کی رہنمائی بھی فرمائے۔ چنانچہ اس نے تمام مخلوقات کی ان کی ضرورت کے مطابق رہنمائی فرما دی۔ انسان بھی پیدائشی طور پر کھانا پینا، سونا جاگنا، جیسی ضرورتوں کو پورا کرنا سیکھ جاتا ہے لیکن سب سے مشکل کام جس کا انسان کو شرف بخشا وہ معرفتِ الٰہی کا حصول ہے۔ معرفت الٰہی از خود حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ مظاہرِ فطرت کو دیکھ کر فطرتِ سلیمہ رکھنے والا یہ تو جان سکتا ہے کہ کوئی ایک واحد لاشریک ہستی ہے، جو یہ نظام کائنات چلا رہی ہے لیکن وہ کون ہے، اس کی صفات کیا ہیں یہ بغیر انبیاءؑ کے کوئی نہیں بتا سکتا۔

حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے جس نے بھی مظاہرِ قدرت کو دیکھ کر توحیدِ باری کو مان لیا وہ مسلمان شمار ہوگا۔ اس کی نجات ہوگی اور وہ جنت جائے گا۔ عہد فترت میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں۔ عہد فترت اس زمانے کو کہتے ہیں جس میں انبیاءؑ کی تعلیمات بھی نابود ہو گئیں جیسے حضرت عیسیٰؑ کے وصال کے بعد عیسائیوں نے سارا دین بدل دیا۔ پانچ صدیاں یوں ہی بیت گئیں۔ چھٹی صدی میں حضور ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہ ساڑھے پانچ سو سال عہد فترت تھا۔ کوئی حق بتانے والا نہیں تھا لیکن پھر بھی ایسے لوگ تھے جو بادلوں، بارشوں کے برسنے، سورج کے طلوع وغروب، موسموں کے آنے جانے، حیات وموت کے واقعات کو دیکھ کر سمجھتے تھے کہ اس نظام کو چلانے والا واحد ولاشریک ہے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ اللہ کریم جب چاہتے اپنے نبیؑ اور رسولؑ مبعوث فرما دیتے۔ نبیؑ حق کی طرف رہنمائی کر دیتے اور معرفتِ الٰہی کا دروازہ کھول دیتے۔ معرفت کا مدار صرف حقائق کے جاننے پر نہیں پوری عملی زندگی پر ہے کہ اگر اللہ کو پہچانتا ہے، اللہ کو مانتا ہے تو پھر اپنی زندگی کے کسی شعبے میں اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور اگر بتقاضائے بشریت

نافرمانی کر بیٹھے تو فوراً رجوع الی اللہ کرے۔ توبہ کرے۔ آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے اور اپنی اصلاح کر لے لہٰذا خود جوڑ کے قرآن بنانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ جو کتاب اتنے عظیم حقائق بیان کرے اور پھر بھی انہیں اعتماد نہ آئے کہ قرآن حکیم اللہ کی کتاب ہے اور تم کہتے ہو کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود گھڑ کے کتاب بنالی ہے تو ان سے فرما دیجئے قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ 38 کہ پھر تم اس جیسی ایک سورت بنالاؤ۔ یہ تو پوری کتاب ہے جو دنیا و آخرت کے ہر مسئلے کو محیط ہے۔ لیکن تم کوئی ایک ٹکڑا ایسا بنا کے لے آؤ جس کا علمی و ادبی معیار اس جیسا ہو، جس میں دنیا و آخرت کے حقائق ہوں اور ایسے ہوں جیسے قرآن کا خاصہ ہے۔ اس قرآن کے مقابلے میں تم لے آؤ۔ اپنے ساتھ اللہ کے علاوہ جسے چاہو ملاؤ۔ ساری مخلوق اکٹھی ہو کر کوشش کرے تو بھی قرآن جیسا ایک جملہ نہ کہہ سکے گی۔ قرآن حکیم کا انداز، الفاظ کا چناؤ، جملوں کی ترتیب، ان الفاظ میں حقائق کی دریافت، ذات وصفات باری کی معرفت، کائنات کے سربستہ رازوں کے حقائق، حیوانات و جمادات کی حقیقتیں، زمین و آسمان کے حقائق اور انکشافات اور جس طرح یہ تمام حقائق قرآن کی آیات میں سموئے گئے ہیں اسی طرح کا کوئی ایک ٹکڑا ہی بنا کر لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

قرآن کی یہ دعوت آج بھی موجود ہے اور آج تک بڑے سے بڑا کافر و مشرک محقق کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکا۔ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ بات یہ ہے کہ جس چیز کے علم کا یہ احاطہ نہیں کر سکے اس کا انکار کر دیا۔ ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔ ان جاہلوں کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ جو بات ان کے علم میں نہیں سما سکی اس کا انہوں نے انکار کر دیا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم کفار کی بات کر رہا ہے اور اس دور کی نوجوان تعلیم یافتہ نسل جسے ایمان کا بھی دعویٰ ہے کہتی ہے کہ مولویوں سے سنا ہے، کتابوں میں پڑھا ہے کہ قبر میں سوال پوچھے جائیں گے، آخرت، جنت دوزخ ہوگی لیکن ہمیں کیا پتہ کہ ایسا ہوگا کہ نہیں۔ ہم نے کوئی دیکھا ہے؟

بھلا یہ کون سی تعلیم ہے جس نے اللہ سے اور آخرت سے لوگوں کو بدظن کر دیا ہے۔ ایسا تعلیم یافتہ ہونے سے تو ان پڑھ ہونا بہتر ہے۔ کم از کم ان پڑھوں کے ایمان پختہ تھے انہیں شک نہیں تھا۔

اکبر الہ آبادی نے کہا تھا:

انگریزی تعلیم نے رکھا نہ کہیں کا
مذہب کا نہ ملت کا، دنیا کا نہ دیں کا

قرآن پر ایمان کی بنیاد:

قرآن پر ایمان کی بنیاد اعتماد علی الرسول ﷺ ہے۔ سادہ سا جواب ہے کہ تمہیں اپنے دیکھنے پر یقین ہے یا محمد رسول ﷺ کے کہنے پر یقین ہے۔ ہمارے دیکھنے کی قوت محدود ہے۔ ہماری بصارت کی ایک حد ہے ہمیں دیکھنے میں غلطی بھی لگ جاتی ہے۔ دور سے دیکھتے ہیں تو کوئی جانور کھڑا محسوس ہوتا ہے، پاس جائیں تو جھاڑی ہوتی ہے۔

قرآن پر ایمان نبی کریم ﷺ پر اعتماد کرنے سے ملتا ہے۔ ماننے کے لیے بس یہی کافی ہے کہ حضور ﷺ نے بتایا ہے۔ اگر محمد رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسا ہوگا تو پھر جسے شک ہے کیا اس کا حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان ہے؟

آج مسلمانوں کی نئی نسل دین کے بارے میں جس تشکیک کا شکار ہے اس کی بنیاد برصغیر میں انگریز کا بنایا ہوا غلامانہ نظامِ تعلیم ہے۔ اسے جان بوجھ کر ایسا بنایا گیا جس میں حقائق اسلامیہ پر اعتراض پیدا ہوں اور کافرانہ و مشرکانہ مغربی تہذیب کو مسلمان اچھا سمجھیں اور ان جیسا بننا ترقی کی علامت ہو۔ یہ کون سی مسلمانی ہے کہ ان حقائق میں بھی شک ہو جو حضور ﷺ نے فرما دیے، قرآن میں موجود ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ قرآن میں شک ہو گیا، تعلیماتِ نبوت بھی مشکوک ہوگئیں تو پھر ایسے شخص کے بارے اللہ ہی فیصلہ کرے کہ یہ مسلمان ہے کہ نہیں۔ یہ تو وہ قبر میں جا کر دیکھے گا جب ماننے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ آخرت کے حقائق جب کھل جائیں گے تو انہیں دیکھ کر تو ہر کوئی مانے گا۔ فرعون جیسا متکبر شخص بھی، جب سمندر میں غوطے کھانے لگا، فرشتے اور عذاب آخرت اس پر منکشف ہو گیا تو کہنے لگا میں موسیٰ کے رب پر ایمان لاتا ہوں تو اللہ پاک نے فرمایا، جب ماننے کا وقت تھا تو کافر رہے، اب مانتے ہو جب برزخ کو دیکھ لیا ہے۔ اب تو مانے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اب ایمان بالغیب نہیں رہا۔ اب ماننے کی ضرورت نہیں رہی۔ ایمان لانا اور ماننا تو وہ تھا کہ میری کتاب کو سن کر مانتے۔ میرے نبی ﷺ کے پیغام کو سن کر مانتے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ موت کا غرغرہ شروع ہو جائے تو پھر توبہ قبول نہیں ہوتی۔ کوئی کافر اس وقت کلمہ پڑھنا چاہے تو وہ قبول نہیں کیونکہ حقائق سامنے آ گئے ایمان بالغیب نہ رہا۔ لیکن مومن کے لیے یہ رعایت ہے کہ وہ پہلے سے ایمان بالغیب لا چکا ہے اس لیے اپنی بداعمالیوں پر عین نزع میں بھی توبہ کر لے تو اللہ اس وقت بھی اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ جو زندگی کی مہلت میں توبہ نہیں کرتے انہیں پھر اس حالت میں بھی توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

فرمایا! ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ بداعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے ان کے دلوں میں سمجھنے کی استعداد

نہیں رہی۔ ان کا علم انہیں حقیقت سے آشنا نہیں کر رہا۔ ان کے دلوں پر جہالت چھا رہی ہے اور جو چیز ان کی سمجھ میں نہیں آتی یہ اس کا انکار کر دیتے ہیں کیونکہ آیات قرآنی اور ارشاداتِ نبوی کے حقائق ان پر نہیں کھلتے۔ ان کے گناہوں نے ان کے دل کی آنکھیں بند کر دیں، ان کو شعور نہ رہا۔ ان کے دلوں میں سمجھنے کی قوت نہیں رہی اس وجہ سے جو بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، آیات کی حقیقتیں ان پر نہیں کھلتیں اس لیے یہ ان کا انکار کر دیتے ہیں۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور یہ کوئی آج کی بات نہیں، اس سے پہلے بھی لوگوں نے انکار کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ کریم نے قرآن حکیم میں ان لوگوں کے تذکرے ارشاد فرمائے ہیں۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾ جن لوگوں نے ظلم کی یہ راہ اپنائی تاریخ دیکھ لیجیے ان کا کیا حشر ہوا۔ یہ تباہی تو ان پر دنیا میں آئی کہ طرح طرح کے عذاب سے دوچار ہوئے اور برزخ اور آخرت میں کیا ہوگا؟ وہ واقعات بھی اللہ کریم نے قرآن حکیم میں ارشاد فرما دیے۔ فرعون کی حالتِ برزخ کے بارے ارشاد ہوتا ہے النار یعرضون علیها غدوا و عشیا (المومن:46) صبح و شام ان پر دوزخ کی آگ بھیجی جاتی ہے۔ قیامت میں ان کا جو حال ہوگا اس کے بارے فرمایا، يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ○ (ہود:98) فرعون اپنی قوم کی قیادت کر کے ان کو دوزخ میں لے جائے گا۔ یہ ان کا اخروی انجام ہے اور ظاہری انجام تو دنیا میں پیش آیا وہ لوگوں کے سامنے ہے۔ قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ کہیں پانی کی جگہ آگ برسی، کہیں آسمان سے پتھر برسائے گئے، زمین کے تختے الٹ دیے گئے، طوفانوں میں غرقاب ہو گئے، ہوا جو زندگی کا سبب تھی ان کے لیے موت کا سبب بن گئی انہیں پٹخ پٹخ کر مار دیا۔ ان سے پہلوں نے انکار کیا تو دیکھ لیجیے ان ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ ہاں! کچھ لوگ خوش نصیب ہیں جو ایمان لے آتے ہیں جو بات کو سمجھ لیتے ہیں۔ بعض ایسے بدبخت ہیں جو ایمان نہیں لاتے لیکن اس میں کسی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کریم قادر ہے اور وہ ذاتی طور پر ہر فسادی کو جانتا ہے۔

فساد کی صورتیں:

سب سے بڑا فساد عقیدے کا فساد ہے۔ غلط نظریات اپنائے جائیں تو ایمان جاتا رہتا ہے جب عقیدے میں فساد آتا ہے تو یقیناً اور لازماً عمل میں فساد آتا ہے۔ آدمی برائی پر فخر کرنے لگتا ہے۔ اسے یہ خوف نہیں ہوتا کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ ظلم کر رہا ہے اور وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ اسے آخر کار اللہ کے سامنے جانا ہے۔

برائی پر فخر کرنا شعور کا فساد ہے۔ جنہیں برائی اچھی لگنے لگے وہ اس پر فخر کرتے ہیں اعمال میں فساد آئے تو

ایمان میں بگاڑ آتا ہے۔ اگر بندہ مسلسل گناہ کرتا رہے تو ایمان کمزور ہونے لگتا ہے اور پھر اس کا ایک مزاج بن جاتا ہے بھلائی کو ناپسند کرتا ہے برائی کو پسند کرتا ہے۔ آخر کار اعمال کا بگاڑ بندے کو ایمان سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ آپس میں لازم وملزوم ہیں۔

ایمان کا اثر:

نورِ ایمان دل کو شعور بخشتا ہے۔ بھلائی اور برائی میں تمیز کرنے کے لیے دل کا ایک مزاج بن جاتا ہے۔ اسے نیکی لذیذ لگتی ہے، وہ نیکی میں لطف پاتا ہے۔ برائی اسے کڑوی لگتی ہے۔ برائی کا تلخ لگنا ایمان کا اثر ہے۔ جس طرح ایمان مضبوط ہو تو پورے اعمال کو متاثر کرتا ہے۔ اعمال سدھر جاتے ہیں، اس طرح یہ آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کا کردار اس کے ایمان کے مطابق ہو۔ ایمان مضبوط ہو تو گناہ سے روک دیتا ہے اسے پتہ ہوتا ہے کہ اللہ کریم دیکھ رہے ہیں۔

جو گناہ کرتے ہیں وہ چھپ کر کرتے ہیں۔ لیکن کس سے؟ لوگوں سے تو شاید چھپ جائیں اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ فرمایا: وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ۝۴۰ اللہ کریم ذاتی طور پر ہر فسادی کو جانتے ہیں۔ وہ فسادِ عقیدے کا ہو یا کردار کا اللہ کریم ہر ایک کے کردار سے واقف ہیں۔

یہاں اسم الٰہی اللہ استعمال نہیں فرمایا ربّ فرمایا ہے۔ اپنی صفت ربوبیت کے حوالے سے باور کرایا ہے کہ جس نے پیدا فرمایا، زندگی کے تانے بانے جوڑے، چھوٹے چھوٹے سیل جوڑ کر ان میں حیات پیدا کر کے انسان بنا دیا۔ جو اس باریکی سے تمہارے وجود سے واقف ہے وہ بھلا تمہارے وجود کے کردار اور اعمال سے کب الگ رہ سکتا ہے۔ وہ تمہیں جانتا ہے۔

سب نے اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ وہاں ساری بات سامنے آ جائے گی۔ اللہ کریم ہمیں ایمان کامل دے۔ اس پر عمل کی توفیق دے، گناہوں سے پاک فرمائے، ہماری توبہ قبول فرمائے اور نیکی کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین

سورۃ یونس رکوع 5 آیات 41 تا 53

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا
بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ
الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي
الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ
النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً
مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا
كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ
فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ
فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ
مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا
نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ
سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا
مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ
كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ
هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ

وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو فرما دیجیے کہ میرے واسطے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے تمہارا اس سے تعلق نہیں جو میں کرتا ہوں اور جو تم کرتے ہو میں اس سے بے تعلق ہوں ﴿41﴾ اور ان میں کچھ ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے اور اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں ﴿42﴾ اور بعض ان میں وہ ہیں کہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھائیں گے اور اگرچہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں ﴿43﴾ یقیناً اللہ لوگوں پر کچھ بھی زیادتی نہیں کرتے ولیکن لوگ اپنے آپ پر زیادتی کرتے ہیں ﴿44﴾ اور جس دن وہ (اللہ) ان کو جمع کرے گا تو وہ (یہ سمجھیں گے) گویا (دنیا و برزخ میں) دن میں سے گھڑی بھر رہے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ یقیناً جن لوگوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا، سخت خسارے میں پڑ گئے اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے ﴿45﴾ اور اگر ہم آپ کو دکھائیں کچھ اس (عذاب) میں سے کہ جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا (اس سے قبل) ہم آپ کی مدتِ حیاتِ دنیا پوری کر دیں سو ان کو ہمارے پاس ہی پلٹنا ہے پھر جو کچھ یہ کرتے تھے اللہ اس (سب) پر گواہ ہیں ﴿46﴾ اور ہر اُمت کے لیے پیغمبر ہوا ہے پس جب ان کا پیغمبر آتا ہے تو ان کا انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ زیادتی نہیں کی جاتی ﴿47﴾ اور وہ کہتے ہیں اگر آپ سچے ہو تو یہ وعدہ (عذاب یا آخرت کا) کب (پورا) ہوگا؟ ﴿48﴾ آپ فرما دیجیے کہ میں اپنے لیے بھی نقصان اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ جو اللہ چاہیں۔ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو ایک پل بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ (ایک پل) جلدی کر سکتے ہیں ﴿49﴾ فرما دیجیے بھلا دیکھو تو اگر تم کو اس کا عذاب رات کو یا دن کو آ جائے تو گناہگار اس سے (پہلے) کس بات کی جلدی کریں

گے؟﴿50﴾ کیا پھر جب وہ واقع ہو جائے گا تب اس پر ایمان لاؤ گے؟ (فرمایا جائے گا) اب (مانتے ہو) اور بے شک اسی کے لیے تو تم جلدی مچاتے تھے﴿51﴾ پھر ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو کہ جو کچھ تم کرتے تھے اسی کا بدلہ پاؤ گے﴿52﴾ اور آپ سے خبر پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے؟ فرما دیجئے کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم بے شک یہ سچ ہے اور تم اسے (جان بچا کر) عاجز نہ کر سکو گے﴿54﴾

تفسیر و معارف

بہت واضح دلائل بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا کہ اے میرے حبیب ﷺ! اگر یہ لوگ آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی بات نہیں مانتے، انکار کرتے ہیں تو فَقُلْ آپ ان سے فرما دیجیے لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ میں زندگی ایک راہ پر گزار رہا ہوں جو ایک قاعدے اور طریقے کے مطابق ہے۔ میرے اعمال، میری زندگی کے معاملات اور میرا کردار میرے لیے ہے جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ میرے سامنے آئے گا وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اور تمہارا عمل تمہارے لیے ہے۔

اللہ کریم کے ہاں ہر عمل کا ایک بدلہ ہے:

اللہ کریم کے ہاں ہر عمل کا ایک اجر ہے لہٰذا فرمایا، جو میں کرتا ہوں وہ میرے لیے ہے اس کا بدلہ مجھے ملے گا اور جو تم کرتے ہو اس کا بدلہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔

یہاں وہ لوگ مخاطب ہیں جو حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں جو حضور ﷺ کی باتوں پر یقین نہیں کرتے اور اپنی راہ عمل اپنی مرضی سے بناتے ہیں۔ ظاہر ہے جب وہ حضور ﷺ کو نبی نہیں مانتے تو پیروی کیوں کریں گے۔ ان کا اپنا طرز حیات ہے، لین دین کا اپنا طریقہ ہے، کاروبار اپنی مرضی سے کرتے ہیں تو وہ جو چاہے کریں، سود کھائیں، جوا کھیلیں، شراب پییں، رشوت لیں، دھوکا دیں اس سب کا بدلہ انہیں خود بھگتنا پڑے گا۔

یہاں ایک تیسرے فریق کے کردار کو اجاگر کیا گیا ہے گو واضح طور پر شامل نہیں کیا گیا لیکن بین السطور وہ بھی آ جاتا ہے۔ ان ہی انکار کرنے والوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بظاہر ماننے والوں میں سے تھے لیکن کردار کے اعتبار سے ان کی مشابہت کفار اور نہ ماننے والوں سے تھی۔ تو سوچنا پڑے گا کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے۔

مومن کون؟

مسلم کون ہے، مسلمان کسے کہتے ہیں، مومن کون ہے؟ اس آیہء کریمہ میں ہے کہ مومن وہ ہے جو ایمان لانے کے ساتھ عملی زندگی میں حضور ﷺ کا اتباع کرے۔ اگر عمل میں اتباع نہیں کرتا اور زبانی کہتا رہتا ہے کہ میں مومن ہوں تو اس کے کہنے کا اعتبار نہیں۔

یہ تو اللہ ہی جانے جو کردار سے بھی واقف ہے، دلوں کے حال بھی جانتا ہے۔ ہم کسی پر فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ لیکن ہر شخص کو خود سوچنا چاہیے کہ جب میں نے حضور ﷺ کو نبی اور رسول ﷺ تسلیم کر لیا ہے تو اپنے کردار میں ان کا اتباع کیوں نہ کروں۔ جو شخص نبیؐ نہیں مانتا ظاہر ہے اس پر کردار اپنانے کی پابندی نہیں آئے گی لیکن جو مانتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسولؐ ہیں، اللہ کے سچے نبیؐ ہیں اس کے پاس تو اختیار نہیں رہ جاتا کہ پھر وہ اپنی مرضی کا کردار اپنائے۔ اس پر تو اتباع رسول اللہ ﷺ کرنا لازم ہے۔ اس آیت کی روشنی میں اپنا کردار دیکھنا چاہیے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہر شخص کے ہر عمل کا بدلہ اسے ضرور ملے گا۔ فرمایا، اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ اگر تم سمجھتے ہو کہ (معاذ اللہ) میں غلط کہہ رہا ہوں یا سچا نبی نہیں ہوں یا جو طرزِ حیات میں بتاتا ہوں وہ صحیح نہیں ہے تو سن لو میرے عمل کا بوجھ تم پر نہیں ہے۔ جو میں کرتا ہوں تم اس سے بری ہو، تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ 41 اور جو تم کرتے ہو میں بھی اس سے بری ہوں۔

دین کا پہنچانا فرض ہے منوانا شرط نہیں:

یہاں ایک چیز واضح ہو گئی کہ دین کا پہنچانا فرض ہے۔ دلائل سے ثابت کرنا فرض ہے، حق کو حق ثابت کرنا فرض ہے لیکن دین منوانا شرط نہیں ہے۔ اللہ کریم نے ماننے کا اختیار ہر فرد کو دیا ہے۔ اگر وہ مانتا ہے تو اللہ اس کا ایمان قبول فرمائے اسے توفیق عمل بھی دے۔ نہیں مانتا تو اس سے باز پرس کرنا صرف اللہ کریم کا کام ہے۔ کوئی انسان کسی سے سختی کرنے کا مجاز نہیں جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے کہ لوگ کہتے ہیں جو ہمارے خیال سے مطابقت نہیں رکھتا اسے گولی سے اڑا دو، قتل کر دو۔ یہ جائز نہیں۔ شریعت کسی پر ٹھونسی نہیں جا سکتی۔ اگر زبردستی منوانا ہوتا تو قادرِ مطلق خود منوا سکتا تھا۔ شرط لگا دیتا کہ جو میرے نبی ﷺ کا اتباع نہیں کرتا اس کی بصارت ختم ہو جائے گی یا سانس رک جائے گی تو کون دم مار سکتا تھا لیکن اللہ نے حکماً نہیں منوایا۔ انسانوں کو شعور دیا، استعداد دی، عقل دی اور پھر انبیاء مبعوث فرمائے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا، اپنی کتاب قرآن حکیم نازل فرمایا اور انسان کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہے تو دامنِ رسالت ﷺ کو تھام کر میری خوشنودی، میری رضا حاصل کر لے اور میری جنت میں آ جائے۔ نہیں چاہتا تو پھر جو چاہے کر لے اللہ کی کائنات

میں کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا وہ خود تباہ ہوگا اور آخرت میں جہنم واصل ہوگا۔

جب اللہ نے ماننے نہ ماننے کا اختیار خود بندے کو دے دیا تو ہم کسی سے زبردستی کیسے منوا سکتے ہیں! نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں۔ اللہ کے حکم سے فرما رہے ہیں کہ جو تم کرتے ہو میں اس سے بری ہوں اور جو میں کرتا ہوں تم اس سے بری ہو تو حضور ﷺ کسی پر زبردستی نہیں فرما رہے۔ دعوت الی اللہ تو دے رہے ہیں کوئی نہیں مانتا تو اس پر مسلط نہیں فرما رہے۔ ہاں اسے آخرت کے انجام سے باخبر ضرور فرما رہے ہیں کہ تیرا حساب اللہ کریم خود لے لیں گے لہٰذا ہمیں اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے کہ فقہی اختلافات پر یا عقائد کے اختلافات پر قتل وغارت کرنا شرعاً اس کا کوئی جواز نہیں۔

سب سے بڑی محرومی:

وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ 41 ذرا غور کریں یہ آیت کیا بیان کر رہی ہے۔ ہر مسلمان اس کے نتائج پر غور کرے۔ جسے حضور ﷺ فرما دیں گے کہ میں تم سے بری ہوں، میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ تم نے زندگی اپنی پسند کے مطابق گزاری ہے میرے حکم کے مطابق نہیں گزاری تو میں سمجھتا ہوں (اللہ معاف کرے) اس سے بڑی محرومی اور کوئی نہ ہوگی۔ ہم کافروں پر یا دوسروں پر آیات چسپاں کرتے رہتے ہیں لیکن اپنی خبر نہیں لیتے۔ ہمیں اپنا جائزہ خود لینا چاہیے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کس نظریئے کے تحت کر رہا ہوں اور کس چیز کے حصول کے لیے کر رہا ہوں۔

اس آیت کے مخاطب تو کفار ہیں لیکن مسلمان ہو کر جتنے کام ہم خلاف سنت کرتے ہیں ان کے بارے یہ جواب آ گیا کہ جو آپ ﷺ کا اتباع نہیں کرتا اپنی عملی زندگی اپنی مرضی سے طے کرتا ہے وہ بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ ہر مسلمان کا بڑا سہارا نبی کریم ﷺ کی شفاعت ہے۔ لیکن یاد رہے حصولِ شفاعت کے لیے اتباع واطاعت ضروری ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر فرد کا معیارِ اتباع ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص کا خلوص زیادہ ہے، خشوع و خضوع زیادہ ہے دوسرے کا کم ہے لیکن دونوں ہی اتباع تو کر رہے ہیں۔ انہیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ میں تم سے بری ہوں۔ لیکن جو کردار کا باغی ہے جو سرے سے اتباع رسالت نہیں کرتا اس کے لیے یہاں تنبیہ ہے کہ تم نے تو اپنی پسند سے زندگی کی راہ عمل متعین کی تھی۔ جاؤ اب بھگتو میں تم سے بری ہوں۔

دل کا اندھا بہرا پن:

فرمایا، یہ ایسے عجیب لوگ ہیں وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ‌ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ 42 ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو آپ ﷺ کی مجلس میں آتے ہیں اور بڑے غور سے آپ ﷺ کے ارشادات سنتے ہیں۔ سن لیتے ہیں، عمل نہیں کرتے گویا سننا نہ سننا برابر ہے۔ تو فرمایا، کیا آپ کے اختیار

میں ہے کہ آپ بہروں کو سنوائیں حالانکہ ان میں عقل نہیں۔کوئی بہرا بھی ہو اور پاگل بھی تو اسے کوئی کیا سمجھائے گا۔

منکرین کی شنوائی تو درست تھی وہ بہرے نہیں تھے تو انہیں بہرے کہنے سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ ان میں حق سننے سمجھنے کی صلاحیت باقی نہ رہی تھی۔حق بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔محفل میں بیٹھ کر غور سے سنتے اور باہر آ کر اس کا انکار کر دیتے تھے۔کہتے تھے لو بھلا یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے، مردے بھی کبھی زندہ ہو سکتے ہیں، لوگ مر گئے، مٹی کھا گئی ہڈیاں خاک ہو گئیں تو کیسے جی اٹھیں گے، قیامت کیسے قائم ہو گی؟

اللہ کریم فرماتے ہیں ان کی عقل ماری گئی لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ نے انہیں ایسا کر دیا۔

ہمارے ہاں یہ رواج ہو چکا ہے کہ برائی خود کرتے ہیں پھر اس کا برا نتیجہ آئے تو کہتے ہیں "بس اللہ کو یہی منظور تھا"۔ یہ سوچ یکسر غلط ہے۔اللہ تو برائی کا حکم نہیں دیتے۔اللہ نے تو برائی سے منع فرمایا ہے۔برائی کرنے والا برائی کا ذمہ دار خود ہے۔برائی کرنے والے کی عقل اس لیے ماری جاتی ہے کہ ہر گناہ دل پر اثر چھوڑتا ہے۔حق سننے، سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ماؤف ہونا شروع ہو جاتی ہے۔اگر یہ روش نہ بدلی جائے تو کرتے کرتے ایک وقت آتا ہے کہ برائیاں اچھی لگنے لگتی ہیں اور نیکیوں پر لوگ شرمندہ ہونے لگتے ہیں۔حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ برائی پر فخر کریں گے اور نیکی پر شرمندگی محسوس کریں گے۔میں سمجھتا ہوں ہم آج ایسے ہی زمانے میں جی رہے ہیں۔

فرمایا، اے میرے حبیب! ﷺ! میں نے یہ آپ کے اختیار میں نہیں دیا کہ آپ ایسے لوگوں کو سنا سکیں جنہوں نے گناہ پر گناہ کر کے عقل کو ماؤف اور دل کو بہرہ کر لیا ہے۔اگر حضور ﷺ اس بات سے مبرا ہیں کہ کسی سے زبردستی منوائیں تو کسی اور کی کیا حیثیت ہے حضور ﷺ کے پیغام پہنچا دینے کے بعد معاملہ بندے اور رب العالمین کے مابین ہے۔

اسی طرح فرمایا: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ 43
ان کی آنکھیں بھی اندھی ہو جاتی ہیں۔آپ ﷺ کو دیکھ نہیں پاتے۔منکرین کی ظاہری آنکھیں ٹھیک تھیں وہ اندھے نہ تھے لیکن قرآن حکیم نے انہیں اس لیے اندھا فرمایا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو بحیثیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ دیکھا۔آپ ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ آپ حضرت عبداللہ کے صاحبزادے ہیں جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ جو خاندانِ قریش کے ایک اہم رکن ہیں یہ بات سارے کافر، مشرک اور منافق بھی مانتے ہیں۔دوسری یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبیؐ اور رسول ﷺ ہیں اور تمام انبیاء کے بھی امام ہیں۔پہلی حیثیت انسانی معاشرے اہمیت کی ہے کہ یہ فلاں خاندان کا چشم و چراغ ہے، فلاں کا بیٹا اور فلاں کا پوتا ہے لیکن دوسری وہ ہے جس میں آپ ﷺ تنہا ہیں۔جو

صرف آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت ہے۔ اگر حضور ﷺ کو اس حیثیت سے نہ دیکھا تو کیا دیکھا۔ اصل مقام حضور ﷺ کی شانِ نبوت ہے۔

فرمایا، ان کے گناہوں اور بداعمالیوں نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے جس کا اثر ان کی نظروں پر بھی ہے۔ یہ آپ ﷺ پر نظر تو ڈالتے ہیں۔ آپ ﷺ کے وجود عالی کو دیکھتے ہیں۔ حضور ﷺ کو قریش کے ایک معزز فرد کی حیثیت سے دیکھتے ہیں لیکن آپ ﷺ کو نہیں دیکھتے۔ یہ ایک طرح کے اندھے ہیں۔ جس طرح کچھ لوگوں کی بصارت میں خرابی ہو تو وہ دن کو دیکھ لیتے ہیں انہیں رات کو دکھائی نہیں دیتا اسی طرح یہ خاندان قریش کے اعلیٰ صفات فرد کو دیکھتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ کو نہیں دیکھتے۔

فرمایا، یہ آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے کہ اندھوں کو راستہ دکھائیں۔ جس کی آنکھوں میں بینائی ہی نہیں اسے آپ ﷺ کے دکھانے سے راستہ نظر آئے گا اور زبردستی دکھانا اللہ کو منظور نہیں۔

ایک مغالطہ:

ان آیات کو پڑھنے، سننے سے بعض لوگوں کو مغالطہ لگ جاتا ہے کہ جب اللہ نے ہی کسی کے کان بہرے کر دیئے نظر بند کر دی تو ان بے چاروں کا کیا قصور۔

اللہ کریم فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا اللہ کریم انسانوں پر رائی برابر بھی زیادتی نہیں کرتے۔ اگر اللہ کسی کی نظر یا سماعت ہی چھین لے، توفیق عمل ہی نہ دے تو پھر یہ زیادتی ہو جائے گی کہ خود ہی اس کو اندھا، بہرا کر دیا اور پھر اسے میدان حشر میں حساب کے لیے کھڑا کر دیا کہ فلاں کام کیوں نہیں کیا اور فلاں راستے پر کیوں نہ چلے۔ لیکن اللہ کریم زیادتی نہیں کرتے۔ یہ لوگوں کا اپنا انتخاب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حقیقی سمع و بصر نور ایمان سے سلامت ہوتی ہے اور نور ایمان سلامت رہتا ہے اعمال و کردار سے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشادِ باری ہے۔ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (الانفال:2) ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔ ایمان میں زیادتی کیسے ہوتی ہے؟ ارشاد فرمایا اتباع رسالت سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔ نیک کردار سے ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح اتباع رسالت سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اسی طرح اتباع رسالت چھوڑ دینے سے یعنی اعمال میں حضور ﷺ کی پیروی چھوڑ دینے سے ایمان کمزور ہوتا جائے گا۔ اسی لیے گناہ کو **مفضی الی الکفر** کہتے ہیں کہ یہ کفر کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ مسلسل بداعمالی اور توبہ نہ کرنا اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ لوگوں کی زبانوں پر یہ جملے جاری ہو جاتے ہیں۔ ''سنتے ہیں قیامت ہوگی، موت کے بعد زندگی ہوگی، قبر میں سوال جواب ہوں گے لیکن

کس نے دیکھا''۔ ''کون جانے کیا ہوگا، جب ہوگا دیکھا جائے گا''۔ وغیرہ۔

بداعمالیوں اس انجام تک لے آتی ہیں تو فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا اللہ کریم رائی برابر کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ 44 لوگ اپنے ساتھ یہ ظلم خود کرتے ہیں۔ بعض لوگ بڑے آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم نمازیں پڑھیں گے تو اللہ کو کون سا فائدہ ہوگا اور نہیں پڑھیں گے تو کون سا نقصان ہوگا۔ حق یہ ہے کہ ہم اللہ کی مدد کرنے کے لیے صلوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ وہ ہمارا محتاج نہیں ہے۔ ہم اس لیے سجدہ کرتے ہیں کہ یہ ہماری ضرورت ہے۔ سارے انسان ولی اللہ ہو جائیں تو اس کی شان بڑھ نہیں جاتی اور خدانخواستہ ساری دنیا انکار کر دے تو اس کی شان میں کمی نہیں ہوتی۔ وہ بندوں کا محتاج نہیں ہم اس کے محتاج ہیں۔ ہم اپنے لیے نیکی کرتے ہیں، اس کی ذات کو سجدہ کرتے ہیں تو اپنے لیے کرتے ہیں کہ اللہ کریم ہم سے راضی ہو، ہمیں اتباع رسالت نصیب ہو۔ ہم معاملات میں شریعت کا لحاظ رکھتے ہیں تو اپنے لیے رکھتے ہیں۔

اللہ کریم کسی سے تھوڑی سی زیادتی بھی نہیں کرتے۔ مخلوق کا اور اللہ کا کیا مقابلہ۔ وہ خالق ہے ہم حقیر مخلوق ہیں۔ جس طرح ایک چیونٹی ہمیں کاٹ جائے تو ہم بندوق لے کر اسے مارنے نہیں چل پڑتے حالانکہ مخلوق ہونے میں ہم برابر ہیں۔ وہ چھوٹی مخلوق ہے ہم قد کاٹھ میں بڑے ہیں۔ وہ بے شعور ہے، اللہ نے ہمیں شعورِ معرفت دیا ہے۔ انسان بنایا، الحمدللہ ایمان دیا۔ ہماری حیثیت اللہ کی بارگاہ میں اس سے بھی کم تر ہے۔ ہماری حیثیت کیا ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ زیادتی کرے۔ ہم خود اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔ جہاں جہاں اتباع رسالت چھوڑتے ہیں وہیں اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

موت کے بعد:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ 45 فرمایا جس دن اللہ سب کو جمع کرے گا، حشر قائم ہوگا پھر ان کو سمجھ آئے گی کہ موت فناء کا نام نہیں، موت زندگی کا رخ بدلنے کا نام ہے۔ زندگی کا ایک رخ ختم ہو گیا، اگلا شروع ہو گیا، موت خاتمے کا نام نہیں، زندگی تمام نہیں ہوتی، زندگی کی صورت بدل جاتی ہے۔

پھر انہیں یہ احساس ہوگا کہ دنیا میں تو ہم پل بھر ہی رہے۔ کتنا طویل عرصہ برزخ میں رہے۔ اب قیامت قائم ہوئی ہے۔ اب کتنا وقت قیامت میں لگے گا۔ اور آگے ہمیشہ رہنا ہے تو اس کے مقابلے میں تو ہم دنیا میں سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ دن کا چھوٹا سا حصہ، چند ساعتیں، چند لمحے ہی رہے۔ موت کے بعد کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی

زندگی تو چند لمحے ہے یہاں یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ موت بندے کا حافظہ ختم نہیں کرتی ،شعور ختم نہیں کر دیتی ۔حشر قائم ہوگا تو کافروں کو بھی یاد ہوگا کہ ہم دنیا میں کتنی دیر رہے برزخ میں کتنا وقت رہے، آگے کیا ہے۔ پھر اس کا دنیا کی زندگی سے تقابل بھی کریں گے۔

صرف یہی نہیں بلکہ فرمایا یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ؕ دنیا میں جن لوگوں کے ساتھ رہتے تھے ان کو بھی پہچانتے ہوں گے تو شعور کا رہنا حیات کا تقاضا ہے۔اس کا مطلب ہے ایک قسم کی حیات تو کافر کو بھی نصیب ہوتی ہے۔ بندہ مر کر ختم نہیں ہو جاتا اس کی روح باقی رہتی ہے۔روح کے حواس بھی باقی رہتے ہیں۔دنیا میں جن کے ساتھ رہتے بستے رہے، معاملات کرتے رہے انہیں بھی پہچانتے ہوں گے اور خود دنیا میں جو کچھ کرتے رہے وہ بھی یاد ہوگا۔ یہ حال تو کافر کا ہے اور جنہیں اللہ نے کہا ہے انہیں مردہ نہ کہو وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ (البقرہ:154) قتل کا فعل تو جسم پر صادر ہوتا ہے، گولی لگ گئی ،سینہ چھلنی ہوگیا۔شہید ہونے والوں کا جنازہ بھی پڑھا جاتا ہے اور انہیں دفن بھی کیا جاتا ہے لیکن فرمایا انہیں مردہ نہ کہو یہ زندہ ہیں۔ گویا ان کا روح کے ساتھ تعلق اتنا مضبوط ہے کہ جسم بھی سلامت رہتا ہے۔حیات تو برزخی ہوتی ہے۔کھانے پینے اور وجود کی تمام ضرورتیں برزخ سے پوری ہوتی ہیں اور حیات قائم رہتی ہے۔

1974ء میں مسجد نبوی کی توسیع کے لیے کھدائی کے دوران صحابہ کرامؓ کے وجود نکلے۔ ایسے تروتازہ تھے جیسے سو رہے ہوں۔روح کا تعلق بدن سے اتنا مضبوط تھا کہ بدن تروتازہ رہے۔ برسوں بعد افغان جہاد پر افغان جہاد میں شہید ہونے والے ایک بتیس سالہ نوجوان کی تصویر Face Book پر ہے جس کی قبر کسی وجہ سے کھولنی پڑی اسے دیکھ کر ایسے لگتا ہے جیسے سو رہا ہو۔اس طرح اللہ کریم اپنی نشانیاں دکھاتے رہتے ہیں۔

شعور تو کافر کا بھی ضائع نہیں ہوتا مومن کا کیسے ضائع ہوگا۔فرمایا حشر کو انھیں گے تو سمجھ آ جائے گی کَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ؕ کہیں گے ہم دنیا میں تو بہت تھوڑا عرصہ رہے۔ کاش ہم نے نافرمانی نہ کی ہوتی۔تھوڑا سا تو عرصہ تھا اس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی۔لوگوں کو پہچان کر کہیں گے۔اس نے اتباع کیا یہ دیکھو کس درجے میں ہے جس نے نہیں کیا وہ کتنا رسوا ہے۔

حقیقت کا انکار حقیقت کو نہیں بدلتا:

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ جنہوں نے اللہ کی بارگاہ میں حاضری سے انکار کیا انہوں نے اپنا

بہت بڑا نقصان۔ حقیقت کا انکار، حقیقت کو تو نہیں بدلتا۔ یہ انکار کرنے والے پر پلٹتا ہے۔ جیسے سورج طلوع ہوا اور کوئی کہے میں نہیں مانتا تو اس کے نہ ماننے سے کیا سورج تاریک ہو جائے گا؟ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے، حق اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ انکار کرنے والے پر اس کا اثر الٹا ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا اللہ کی بارگاہ کی حاضری کا انکار کرنے والوں نے اپنا بہت بڑا نقصان کر دیا۔ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴿۴۵﴾ انکار کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انکار کرنے والے کو دنیوی زندگی میں ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ یعنی انکار کا نقصان حقائق کو نہیں انکار کرنے والے کو ہوتا ہے کہ اسے اس حقیقت سے آشنائی نہیں ہوتی اس پر یقین نصیب نہیں ہوتا اور اسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی اور ہدایت تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات ہیں۔ بعض بدنصیب تو سرے سے ان کا انکار کر دیتے ہیں اور بعض انکار تو نہیں کرتے لیکن ساری زندگی عمل بھی نہیں کرتے۔ زبانی کہتے رہتے ہیں کہ مان گئے۔ فرق تو دونوں میں ہوگا لیکن پھر بھی عمل نہ کرنے کا کتنا نقصان ہے کہ اتباع رسالت نہ کرنے سے بندہ مزید گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ 46 بعض اوقات انسانی جرائم اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ عذاب جن کے وعدے کیے گئے ہیں ان عذابوں کی کوئی صورت دنیا میں بھی پیدا ہو جاتی ہے جیسے قوموں کی قومیں تباہ ہو گئیں، غرق ہو گئیں، ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے۔ فرمایا، اگر ایسا ہوا کہ آپ ﷺ کے دنیا میں موجود ہونے میں یعنی موجودگی کے وقت کچھ عذاب آ جائیں، اللہ کی طرف سے تنبیہ آ جائے یا آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں۔ آپ ﷺ کی حیاتِ دنیوی پوری ہو جائے یا آپ برزخ میں جلوہ افروز ہوں تو ان پر کچھ عذاب آ جائیں لیکن یہ عذاب جو دنیا میں آتے ہیں یہ آخرت کے عذاب میں کمی نہیں کرتے۔ دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں خسارہ مقدر ہو جاتے ہیں۔ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ پھر اس کے بعد انہیں میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ 46 اور جو کچھ یہ کرتے تھے اللہ اس پر گواہ ہیں۔ انہیں یہ احساس ہونا چاہیے کہ ہم نے جو کچھ کیا اللہ کے روبرو کیا۔

عذابِ الٰہی تدبیروں سے نہیں اصلاحِ احوال سے ٹلتا ہے:

زندگی اللہ کے روبرو ہو کر گزاری جائے تو معاشرہ اعلیٰ اخلاقی اقدار سے متصف ہوتا ہے ماحول پاکیزہ اور معاملات کھرے ہوتے ہیں جب اللہ سے اوٹ میں چلے جائیں تو زندگی اتباع رسالت سے دور اور من پسند طریقوں پر گزرتی ہے جس کا لازمی نتیجہ فساد ہے ابتری ہے اور عذابوں سے دوچار ہونا ہے۔

آج دنیا میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو برائی کو برائی نہیں سمجھتے۔ اس پر شرمندہ نہیں ہوتے بلکہ لوگوں

کے سامنے علی الاعلان کرتے ہیں۔ کافروں کو تو رہنے دیں کہ وہ تو ایمان نہ لائے اور برائی کو برائی نہ سمجھا کہ نیکی کی تعیین تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے کی، اللہ کی کتاب نے کی اور انہوں نے اللہ کو مانا نہ اس کے رسول ﷺ کو مانا نہ اللہ کی کتاب پر ایمان لائے اس لیے وہ تو برائی کرتے ہیں اور سر عام کرتے ہیں اور بالکل نہیں شرماتے۔

حیرت تو اپنی قوم پر ہے جو برائی کرتی ہے اور علی الاعلان کرتی ہے۔ ٹی وی پر خبرنامہ دیکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ خبرنامے کے ساتھ ایسے اشتہارات ہوتے ہیں کہ کوئی غیرت مند باپ بیٹیوں کے ساتھ بیٹھ کر اور کوئی غیرت مند بھائی بہنوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ کیا قوم ہے جو لوگوں کے سامنے برائی کرتی ہے اور اس کا دعویٰ ایمان کا ہے۔ اللہ ہی جانے اور اس کی مخلوق کہ ان کا ایمان کیسا ہے اور اس میں کتنی طاقت ہے۔ اللہ کی پناہ ہے۔ شیطان کے ان ہتھکنڈوں پر عمل پیرا ہونے سے دنیا میں بھی عذاب آتا ہے جیسے امریکہ میں ایڈز جیسا مہلک مرض پھیلا۔ اس پر تحقیق ہوئی جواب تک جاری ہے۔ اس کا سبب معلوم کیا گیا، تو پتہ چلا کہ اس کی بنیاد لواطت ہے۔ اب اس کا علاج تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ لواطت پر پابندی لگائی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ اسے قانوناً جائز قرار دیا گیا۔ یعنی مرض کی وجہ دور نہیں کی گئی علاج کے پیچھے سرگرداں ہیں۔ کیسی عجیب منطق ہے کہ وجہ کو نہیں روکتے تو مرض کیسے رُکے گا۔

آج جب معاشرے میں لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ کوئی جائے امان نہیں لیکن لوگ اپنا کردار نہیں دیکھتے۔ جب میڈیا پر فحش پروگرام دکھائیں گے، بے حیائی عام کریں گے، تو اس کے نتیجے میں زنا عام ہوگا، قتل عام ہوگا۔ جہاں رشوت خوری عام ہوگی وہاں بھوک عام ہوگی قرآن کریم میں جا بجا برائیوں کے انجام کی خبر دی گئی ہے۔ سورہ للمطففین میں ارشاد ہے کہ جہاں زنا ہوگا وہاں قتل عام ہوگا۔ جہاں چوری، دھوکا دہی، ذخیرہ اندوزی اور کم تولنا ہوگا وہاں بھوک اور افلاس کی مصیبت نازل ہوگی۔

آج کے دور میں عذاب کی جتنی صورتیں ہیں یہ سب کسی تدبیر سے نہیں ٹلیں گی یہ توبہ سے ٹلیں گی اور کردار کی اصلاح سے ٹلیں گی۔ انصاف کریں گے تو امن ہوگا، روزی فراخ ہوگی، بارشیں ہوں گی۔ عدل کریں گے تو معاشرہ خوش حال ہوگا۔

ہم ظلم کرنے سے باز نہیں آئیں گے تو یہ مصیبتیں ختم نہیں ہوں گی جیسے زہر کھاتے رہیں تو بالآخر موت کو گلے لگانا ہوگا۔ زہر موت کا داعی ہے، کھائیں گے تو تڑپیں گے، بیمار ہوں گے اور مریں گے۔ اسی مصیبت کا علاج یہاں اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اگر آپ ایمان نہیں لائیں گے یا نافرمانی کرتے رہیں گے تو کچھ نہ کچھ عذاب ان پر دنیا میں بھی آئے گا جس کا اللہ نے وعدہ فرما دیا ہے۔ اس کے بعد انہیں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اور جو کچھ یہ کرتے

ہیں اللہ کریم اسے خود ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ وہ ذات جس نے فیصلہ کرنا ہے، سزا جزا دیتی ہے وہ تو خود دیکھ رہا ہے تو اس سے بچنے کی کیا گنجائش ہے اور بندہ کیا صفائی پیش کرے گا اللہ کریم اتنے کریم ہیں کہ دار دنیا میں بیٹھے لوگوں کو احساس دلا رہے کہ بندہ جو کچھ کرتا ہے اس پر اللہ خود گواہ ہے۔ دیکھ رہا ہے، جان رہا ہے تو یہ کتنی دیدہ دلیری ہے کہ رب کریم کے سامنے جرائم کرے۔

پہلے بزرگ نصیحت کرتے تھے کہ جو کام لوگوں کے سامنے کرنا پسند نہیں کرتے اسے تنہائی میں بھی نہ کرو کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اتنی حیا تو کرو کہ جو کام لوگوں کے سامنے نہ کیا جائے اسے اللہ کے سامنے کیسے کروں۔ اب دور بدل گیا ہے۔ آج لوگ برائی کو برائی سمجھ کر شرمندہ نہیں ہوتے فخر کرتے ہیں۔

اللہ کریم اس بے حیائی سے پناہ دے۔ اللہ سے دعا کریں ہماری قوم کو ہدایت دے۔ حضور ﷺ کی اطاعت نصیب فرمائے۔ خود ہمیں ہدایت پر قائم رکھے، ہماری توبہ قبول فرمائے اور ہمیں مصیبتوں سے نجات دے۔

یوں تو اس کی قدرت کی نشانیاں دنیا میں ہر سو اس کی عظمت کی گواہیاں دے رہی ہیں۔ اس کے باوجود یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے ہر اُمت، ہر قوم میں انبیاءؑ مبعوث فرمائے جنہوں نے حق کی دعوت دی، باطل کے نقصانات سے آگاہ فرمایا اور اعمال کے نتائج سے بروقت مطلع فرمایا۔ یہ بتایا کہ کس عقیدے کا کیا انجام ہوگا اور کس عمل کا کیا نتیجہ ہوگا۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۔ فرمایا، کوئی امت ایسی نہیں جس میں رسولؑ یا پیغمبرؑ نہ بھیجا گیا ہو۔ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ جب کسی قوم میں نبیؑ مبعوث ہوجاتا ہے تو پھر وہ ماننے کی مکلف ہوجاتی ہے۔ نبیؑ ہمیشہ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ عقائد ونظریات کی تعلیم دیتا ہے اور زندگی گزارنے کے بہترین اسالیب ارشاد فرماتا ہے۔ جائز و ناجائز، حلال وحرام اور صحیح غلط کی پہچان ارشاد فرماتا ہے۔

قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ اگر قوم اللہ کے نبیؑ کی پرواہ نہیں کرتی تو پھر ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور وہ فیصلہ عین انصاف سے کیا جاتا ہے۔ قدرت کی نشانیاں دکھانے کے بعد جب اللہ کا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی آ جائے اور وہ دلائل کے ساتھ توحید باری کا پیغام بھی دے۔ کردار واعمال کا سارا سلیقہ بتائے اور پھر بھی اگر کوئی نہ مانے تو اپنے ساتھ خود زیادتی کر رہا ہے۔ بعثتِ رسالت کے بعد دیر نہیں لگتی، فیصلہ ہوجاتا ہے اور وہ فیصلہ عین انصاف کے مطابق ہوتا ہے۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ 47 اور ان کے ساتھ زیادتی نہیں کی جاتی۔ اللہ کریم کی شان سے بعید ہے کہ وہ کسی کے ساتھ زیادتی کرے۔ اللہ کریم زیادتی نہیں کرتے لوگ اپنے آپ کے ساتھ اتنی زیادتی کر چکے ہوتے ہیں کہ انہیں اس کا انجام بھگتنا پڑتا ہے۔

کج فہمی سے کج بحثی پیدا ہوتی ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ 48 بجائے اس کے کہ دلائل سے جواب دیں۔ کوئی دلیل پیش کریں کہ اس پیغام میں یہ کمی ہے الٹا کہنے لگے یہ وعدۂ عذاب کب پورا ہوگا۔ حق تو یہ تھا کہ کہتے کتنی مدلل باتیں ہیں، سچائی کی طرف کس خلوص سے دعوت دی گئی ہے، یہ دعوت کتنے حقائق پر مبنی ہے لیکن انہوں نے اُلٹ بات کہی کہ اگر آپ کہتے ہیں کہ قیامت ہوگی، عذاب ثواب ہوگا تو کہاں ہے وہ عذاب اور کب ہوگی قیامت؟ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ 48 اگر آپ سچے ہیں تو پھر قیامت قائم کردکھائیں۔ ہم دیکھیں تو سہی۔ بات یہ ہے کہ کج فہمی سے کج بحثی پیدا ہوتی ہے ورنہ سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ جب قیامت قائم ہوگئی تو پھر یہ کیا کریں گے؟ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو مرتا ہے اس کی ایک طرح قیامت قائم ہوجاتی ہے۔ اس کا عمل کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور حساب کتاب شروع ہوجاتا ہے۔ یوں اس شخص کے لیے چھوٹی قیامت تو آجاتی ہے ہمارے اردگرد ہر روز، ہر گھر میں ہو رہا ہے۔ کیا سبق سیکھنے کے لیے یہی کافی نہیں۔ اس سے سبق حاصل کرنے کے بجائے قیامت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ فرمایا، اے میرے حبیب! ﷺ انہیں کہہ دیجیے بحیثیت مخلوق میں بھی اللہ کی مخلوق ہوں اور میرے فیصلے بھی اسی طرح اللہ کریم کے دستِ قدرت میں ہیں جس طرح باقی ساری مخلوق کے فیصلے دستِ قدرتِ باری میں ہیں، مجھے دنیا میں کب تشریف لانا تھا، میری عمر، صحت، صورت وحلیہ (مبارک) کیسا (اعلیٰ) ہوگا۔ مجھے دنیا میں کیا حوادثات پیش آئیں گے اور میں دنیا سے کب رخصت ہوں گا میرے لیے یہ تمام فیصلے بھی اللہ کریم کے دستِ قدرت میں ہیں۔ میں بھی اللہ کی مخلوق ہوں جب میرے فیصلے اللہ کریم فرماتا ہے تو تمہارے فیصلے میں نے نہیں کرنے اسی ذاتِ بے ہمتا نے کرنے ہیں، ہر ایک کا فیصلہ اسی نے کرنا ہے میں تو اپنے لیے نقصان اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ سوائے اس کے کہ جو اللہ چاہیں۔

انہیں فرما دیجیے کہ قیامت قائم کرنا اس کا اپنا کام ہے اور اپنا فیصلہ ہے کہ کب قائم کرے گا۔ میرا کام قیامت قائم کرنا نہیں بلکہ تمہیں اللہ کی طرف دعوت دینا ہے اور بتانا ہے کہ جو مانے گا اجر پائے گا جو نہیں مانے گا انکار کی سزا پائے گا۔

بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ، اللہ کے حکم سے یہ تصدیق فرما رہے ہیں کہ انسانوں کی قسمت کے فیصلے، بھلے برے کے فیصلے اللہ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ آپ ﷺ نے خود بھی دعا فرمائی اور امت کو بھی دعا کی تلقین فرمائی کہ ہر معاملہ رب العالمین کے سامنے پیش کرو۔ جو چاہیے اللہ کریم سے مانگو یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو

اللہ ہی سے مانگو۔ حقیر سے حقیر چیز بھی چاہیے تو اللہ کریم سے مانگو، مخلوق کے آگے ہاتھ پھیلانے کا کوئی جواز نہیں۔ تو لوگ پھر اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے امیدیں کیوں لگاتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ جب اللہ کی عبادت نہیں کرتے، اطاعت سے جی چراتے ہیں، حلال حرام کی پروانہیں کرتے تو ان بداعمالیوں سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ اپنے گناہ اور برائیاں اللہ کریم کے سامنے ہاتھ پھیلانے نہیں دیتیں۔ جب اللہ پر بھروسہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر بندہ جھوٹے سہارے ڈھونڈتا ہے اور غیر اللہ سے امیدیں لگاتا ہے۔

اللہ کریم نے دعا کا طریقہ خود سکھایا ہے ارشادِ باری ہے اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جو کوئی دعا کرتا ہے میں اس کی دعا قبول فرماتا ہوں فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ دعا مانگنے سے پہلے ذرا یہ بھی سوچو کہ تم میری کتنی باتیں مانتے ہو، میرے احکام کی قدر کرتے ہو یا صرف اپنی بات منوانے کی امید رکھتے ہو کہ ہم دعا کریں اور اللہ کریم اسے قبول فرمالیں۔ فرمایا تم بھی تو میری بات مانو اور وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (البقرہ:186) تم مجھے اپنا معبودِ برحق، پروردگار، خالق و مالک مانو اگر تم میرے کہے کی پروانہیں کرتے تو مجھے خالق ہو کر تمہاری کیا پروا۔

اللہ کریم پر بھروسہ نہ ہونے کا سبب:

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ انسان اتنے علوم حاصل کر چکا ہے، مادی ترقی کی راہیں وا ہوتی جارہی ہیں لیکن اس ساری ترقی نے اسے اللہ سے آشنا نہیں کیا۔ حالانکہ علم کا کام تھا کہ اللہ کی عظمت کا احساس پیدا کرتا، اللہ کی عظمت کا یقین دلواتا لیکن کیا سائنسی تحقیق میں اتنی ترقی کر جانے والوں کو ان کے علم نے یہ احساس دیا ہے کہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں انہیں شیشے اور ہتھوڑیوں سے تراش کر خود بناتے ہیں پھر انہیں معبود بنا کر سامنے بٹھا لیتے ہیں یہ غلط ہے۔ یہ سارے علوم انہیں اس حقیقت سے آشنا کیوں نہیں کرواتے؟

اس لیے کہ تمام مادی علوم کا تعلق دماغ سے ہے اور دینی علوم کا تعلق دل سے ہے۔ اللہ کو دماغ سے نہیں مانا جاتا۔ دماغ دلائل فراہم کرتا ہے ماننا دل ہے اسی لیے ایمان کی شرط اقرار باللسان و تصدیق بالقلب ہے کہ زبان عظمتِ باری کا، اس کی توحید کا اس کی ذات وصفات کا اقرار کرے اور دل ان امور کی تصدیق کرے۔ عقل تو مادی شئے ہے، مادی وجود کی مادی ضروریات پورا کرنے کا سبب ہے۔ اللہ پر ایمان لانا دل کا کام ہے اور دماغ ہمیشہ دل کے تابع ہوتا ہے۔ جو دل کہتا ہے دماغ وہی کرتا ہے۔ ایسے کام بھی کرتا ہے جسے خود دماغ برا سمجھتا ہے لیکن جب دل کہتا ہے تو وہ حکم بجالاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا وجودِ پاک پوری مخلوق میں لاثانی ہے۔ کائنات میں جتنی مخلوق ہے ان میں سب

سے اعلیٰ اور بے مثال مخلوق انسان ہے۔ حضور ﷺ کا دماغ عالی سب سے بڑھ کر ہے۔ انتہائی اعلیٰ اور ارفع ہے لیکن جب نزول ہوا تو ذہن عالی پر نہیں حضور ﷺ کے قلب اطہر پر ہوا۔ اسی لیے کلام باری کو سمجھنا قلب کا کام ہے۔ قلب کی حیات نورِ ایمان سے ہے۔ ایمان لانے سے قلب زندہ ہو جاتا ہے اور اطاعت سے صحت مند۔ جتنا جتنا کوئی شریعت کا اتباع کرتا ہے اتنا اتنا قلب مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ قلب جتنا صحت مند ہوتا ہے ایمان میں اسی قدر زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اگر اللہ کی نافرمانی کی جائے تو اس سے قلب بھی کمزور پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ جب قلب کمزور ہوتا ہے تو ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ بعض گناہ ایسے ہیں کہ کرتے کرتے پورا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور بندہ نورِ ایمان سے خارج ہو کر باطل فرقوں میں چلا جاتا ہے یہ کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے والا باطل فرقوں میں کیسے چلا جاتا ہے۔ اس کا اپنا کردار اس کا سبب بنتا ہے۔

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں:

سوال کیا جاتا ہے کہ اسلام میں فرقے کیوں ہیں؟ حق یہ ہے کہ اسلام میں فرقے نہیں ہیں انسان میں ہیں۔ جب کوئی اسلام کی راہ سے بھٹکتا ہے تو دوسری کوئی مستند راہ نہیں ہے پھر وہ اپنی رائے سے ایک راہ اختیار کرتا ہے۔ دینِ حق تو اللہ کا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تفریق اسلام میں نہیں یہ تفریق انسانوں میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں: خَطَّ عَبْدُ اللهِ خطاً مُستَقِيماً وَخَطَّ خُطُوطاً عَن يَمِينِهِ وَعَن شِمَالِهِ فَقَالَ: خَطَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم هَكَذَا فَقَالَ لِلخَطِّ الْمستقِيم: (هذاسبيل الله) وللخُطوط الّتى عَنْ يمينهِ وَشِمَالِهِ: هَذِهِ سُبُلٌ مُتفَرِّقَةٌ عَلى كُلِّ سَبيلٍ منها شِيطانٌ يَدْعُو اِليه (باب كل محدثة بدعة) حضور ﷺ نے زمین پر بالکل سیدھی ایک لائن لگائی، پھر بہت سی لائنیں دائیں بائیں لگائیں اور فرمایا جتنے رستے دائیں بائیں نکل رہے ہیں وہ باطل ہیں صرف دینِ حق اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔

فرقہ کب بنتا ہے؟

فرقہ تب بنتا ہے جب دین میں اپنی رائے داخل کی جائے اور ضروریاتِ دین میں سے کچھ کم کیا جائے یا بڑھا دیا جائے۔ اصول میں اختلاف کرنے سے فرقہ بنتا ہے یعنی کوئی اللہ کریم کو نہ مانے یا اللہ کے نبی ﷺ کو نہ مانے یا قیامت کو نہ مانے یا ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار کر دے تو وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ یاد رہے جب بھی کوئی اپنے گناہوں، اپنی برائیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے بھٹکتا ہے تو کسی نہ کسی باطل فرقے کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ دیو بندی، بریلوی وغیرہ بھی تو فرقے ہیں۔ حالانکہ دیو بندی، بریلوی اہل علم لوگ ہیں اہل سنت ہیں۔ ان میں اصول میں کوئی اختلاف نہیں فروعات کے اختلافات ہیں۔ سارے اللہ کو واحد لاشریک مانتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا نبی علیہ الصلوۃ والسلام مانتے ہیں۔ برزخ کے، قیامت کے، حیات بعد الموت کے قائل ہیں، تمام انبیاءؑ کو، اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں کو مانتے ہیں شریعت کے تمام احکام کو مانتے ہیں تو پھر یہ فرقہ کیسے کہلا سکتے ہیں! جاننا چاہیے کہ پھر ان میں اختلاف کہاں سے آیا؟ تمام احکام پر یہ عمل کرتے ہیں آگے احکام کی تشریحات ہوتی ہیں جنہیں فروعات کہتے ہیں۔ فروعات کا اختلاف کوئی اختلاف نہیں۔ ان میں اختلافات کی نوعیت علمی ہے اور اس بات پر ہے کہ عمل کی کون سی صورت افضل ہے۔ اور ایسا اختلاف صحابہ کرامؓ میں بھی تھا۔ بلند آواز سے آمین کہتے تھے کچھ آہستہ کہتے تھے۔ کچھ ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے تو کچھ صرف تکبیر اولیٰ پر ہاتھ اٹھاتے تھے، یہ فروعات ہیں۔ ان میں اختلاف رحمت ہے۔ اس اختلاف پر فرقہ کا لیبل نہیں لگایا جا سکتا۔

فرمایا لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ 49 ہر قوم کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو ایک لمحے بڑھایا نہیں جا سکتا اور ایک گھڑی کی تاخیر نہیں ہوتی۔ ہر ایک دنیا میں ایک مخصوص وقت کے لیے آیا ہے۔ اللہ نے ہر نفس کو ایک وقت دیا ہے اور اقوام کو بھی جو مہلت اللہ نے دی ہے تب تک اس نے دنیا میں رہنا ہے۔ جب اللہ کا فیصلہ آجاتا ہے تو پھر تخفیف یا تاخیر نہیں ہوتی کوئی اسے روک نہیں سکتا نہ کچھ دنوں کے لیے ٹال نہیں سکتا۔ انسانوں کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ کریم نے تمام کاموں کا فیصلہ کر دیا ہے کہ کس کا رزق کتنا ہوگا۔ عمر کتنی ہوگی، صحت کیسی ہوگی، دنیا میں کب آئے گا اور کب چلا جائے گا۔ لیکن ہمارا عالم تو یہ ہے کہ کسی کے ہاں دو سال اولاد نہ ہو تو کہتے ہیں کسی نے میری اولاد کا پیدا ہونا روک دیا ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جو پیدائش کو روکتے ہیں وہ کسی کی موت کو کیوں نہیں روکتے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پیدائش کو کیسے روکتے ہیں جو روزی اللہ عطا فرماتا ہے اسے کون روک سکتا ہے۔ جو چیزیں اللہ نہیں دینا چاہتا اسے کون زبردستی لے سکتا ہے۔ یہ ساری خرافات ہم میں اس لیے آگئی ہیں کہ ہم نے اللہ کی اطاعت چھوڑ رکھی ہے الحمدللہ کلمہ طیبہ تو ہمیں مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے وراثتاً مل گیا ہے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے لیکن اس پر یقین ہمارے کردار کا محتاج ہے جب کردار صحیح نہیں ہوگا تو یقین مجروح ہوگا جب اللہ پر یقین کمزور پڑے گا تو جن چیزوں سے ہم امیدیں وابستہ کریں گے وہی بت بن جائیں گے۔ یہی بات اللہ کریم نے یوں ارشاد فرمائی اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الجاثیہ: 23) آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ یعنی اللہ کی

هَوٰىهُ (الجاثیہ:23) آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت نہیں کرتے اپنی خواہشات کی اطاعت کرتے ہیں۔

ہر قوم کے لیے ایک وقت معین ہے جب وقت مقررہ آ جاتا ہے تو ایک پل کی نہ تقدیم ہوتی ہے نہ تاخیر۔ ارشاد ہوا قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوۡ نَهَارًا مَّاذَا يَسۡتَعۡجِلُ مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ 50 فرمایا تمہارے پاس کیا ضمانت ہے کہ اللہ کا عذاب رات کو آ جائے، تم غفلت میں پڑے ہو اور دنیا تہس نہس ہو جائے تو تم کیا کرلو گے یا دن کو آ جائے جب تم اپنے کاروبار زندگی میں مصروف ہو اور اللہ کی گرفت آ جائے، موت آ جائے، طوفان، زلزلے کے عذاب آ جائیں تو تم کیا کرلو گے۔ فرمایا، ان بدکاروں کو اس کی کیا جلدی ہے کہ قیامت فوراً قائم ہو۔ یہ فیصلے تو اللہ کریم کے ہیں۔ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ ؕ جب قیام آ جائے گی تو پھر تم کیسے مان لو گے۔ اس وقت اگر تم ماننا چاہو گے تو ارشاد ہوگا آٰلۡــٰٔنَ وَقَدۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ 51 اب مانتے ہو جب ماننے کا وقت گزر چکا۔ ایمان تو بالغیب مطلوب ہے۔ آخرت دیکھ کر کون نہیں مانے گا۔ آدمی ابھی زندہ ہی ہوتا ہے، اسے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں، آخرت کے مناظر سامنے آ جاتے ہیں اس وقت توبہ کی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ نبیؐ کے کہنے پر ایمان لانا مقصود ہے۔ دیکھ کر تو ہر کوئی مانے گا۔ جنت دوزخ سامنے ہو تو گی تو کون کہے گا میں نہیں مانتا۔ کافر کہیں گے یا اللہ! ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دے پھر دیکھ ہم کس طرح تیری اطاعت کرتے ہیں۔ فرمایا، اس وقت اطاعت کرنی تھی جب میرے نبیوںؑ نے اطاعت کی دعوت دی۔ اب جب ہر چیز سامنے ہے تو نہ ماننے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اب ماننا مفید نہیں ہے۔ تب ماننا تھا جب تم دنیا میں تھے، مکلف تھے، تمہارے پاس نبی و رسول علیہم السلام آئے۔

یاد رہے جب غرغرہ موت شروع ہو جائے تو کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ علماء حق لکھتے ہیں کہ مومن کے ساتھ یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ غرغرہ موت پر بھی توبہ کرلے تو توبہ قبول کر لیتا ہے اور سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ہمارے دعوئ ایمان کا مدار ہمارے اعمال و کردار پر ہے جتنی ہم اطاعت الٰہی کرتے ہیں اتنا ہم مانتے ہیں ہم کلمہ گو ہیں الحمدللہ۔ اللہ اسے قبول فرمائے لیکن فیصلہ اس پر ہوگا کہ دنیا میں ہم نے جتنی اطاعت کی، جتنا اتباع کیا اتنا مانا۔ اگر زندگی میں خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے رہے، ہوس زر میں مبتلا رہے، کہیں ہوس اقتدار میں کھو گئے۔ زندگی بھر جائز و ناجائز، حلال و حرام کی پرواہ نہ کی تو پھر کیا مانا! عملاً نافرمانی اور اطاعت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم نہیں مانتے۔

ماننا کیا ہے؟

ماننا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو، قرآن کے احکامات کو، شریعت کے تمام احکامات کو مانا جائے۔

شریعت کا ماننا یہ ہے کہ قرآن وسنت کے احکام مانے جائیں۔اللہ کو ماننا یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے۔

اللہ کی اطاعت کیسے کی جائے؟ یہ سکھانا اللہ کے رسول ﷺ کا کام ہے۔ باتباع نبی علیہ الصلوۃ والسلام یہ کام ہے وارثانِ رسول ﷺ کا اور اللہ کے بندوں کا جو اللہ کا پیغام دنیا میں ہر جگہ پہنچا رہے ہیں۔خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو خود شریعت مطہرہ پرعمل کر رہے ہیں اور دوسروں کوعمل کی دعوت دے رہے ہیں۔

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ 52

پھرظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کے عذاب کا مزا چکھو کہ جو کچھ تم کرتے تھے اسی کا بدلہ پاؤ گے۔ وہ وقت ماننے ،منوانے کا نہیں ہوگا بلکہ اپنے کیے کا نتیجہ دیکھنے کا وقت ہوگا، ظالموں، بدکاروں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب چکھو۔تم کیا اُمید رکھتے تھے۔آج وہی بدلہ ملے گا جو تم دنیا میں کرتے رہے۔اگر کسی نے جو بوئے ہیں تو وہ اس امید پر نہ رہے کہ میں آخرت میں گندم کاٹوں گا۔

گندم از گندم جو بروئید جو از جو

از مکافاتِ عمل غافل مشو

اے انسان! گندم بونے سے گندم پیدا ہوتی ہے اور جَو بونے سے جَو اُگتا ہے۔مکافاتِ عمل یعنی اعمال کی جو سزا ملتی ہے اس سے غافل نہ ہو۔اگر تو برائی کرے گا تو اس پر سزا مرتب ہوگی، انعام تو نہیں ملے گا۔نیکی کریں گے تو اللہ کریم نیک صلہ دیں گے۔ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ یہ کیسے عجیب لوگ ہیں۔یہ آپ ﷺ سے حیران ہوکر کہتے ہیں کہ کیا یہ واقعی سچ ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔کیسی عجیب بات ہے لوگوں کو محمد رسول اللہ ﷺ پر یقین نہیں۔جس ہستی ﷺ نے چالیس برس تمہارے درمیان بسر فرمائے اور کسی انسان پر جھوٹ نہیں بولا وہ چالیس برس بعد اللہ پر جھوٹ بولے گا!

یہ کیسے عجیب لوگ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سن کر حقائق آخرت کا تعین نہیں کر رہے ہیں۔فرمایا، انہیں فرما دیجیے قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ یہ بالکل سچ ہے اور میرے پروردگار کی قسم إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ یہ سارا حق ہے۔ پروردگار عالم جو سارے نظام کا خالق و مالک ہے، اسے چلا رہا ہے وہ اس بات پر گواہ ہے کہ میں جو کچھ بتا رہا ہوں یہ سارا حق ہے اور عین سچائی ہے۔اس میں رائی برابر شبہ نہیں۔ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ 53 تم مانو یا نہ مانو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کیا تمہاری موت ٹل جاتی ہے اسی طرح تمہارے نہ ماننے سے قیامت ٹل نہیں جائے گی۔تم مانو یا نہ مانو تم اس کی گرفت سے نکل نہیں سکو گے۔ جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ سارا حق ہے اور اسی طرح واقع ہوگا۔

سورۃ یونس رکوع 6 آیات 54 تا 60

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا
النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٥٤
اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٥٥ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٥٦ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ
قَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٥٧ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا
يَجْمَعُوْنَ ۝٥٨ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا
وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَي اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝٥٩ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ
يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝٦٠

اور اگر ہر نافرمان کے پاس روئے زمین کی ہر شے ہو (اور) وہ اس کے بدلے چھوٹنا
چاہے (تو نہ ہو سکے گا) اور جب وہ عذاب دیکھیں گے پچھتائیں گے اور ان کا
فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا اور ان کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائے گی ﴿54﴾ جان
لو! بے شک سب اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ یاد رکھو بے شک اللہ
کا وعدہ سچا ہے مگر بہت سے لوگ (اس سے) بے خبر ہیں ﴿55﴾ وہی زندگی بخشتا
ہے اور (وہی) موت دیتا ہے اور تم لوگ اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے ﴿56﴾
اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (بہترین) نصیحت

آئی ہے اور دلوں کے امراض کی شفاء (کامل) ہے اور ایمان والوں کے لیے راہنمائی اور رحمت ہے ﴿57﴾ فرما دیجئے کہ یہ (کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) سو لوگوں کو اس پر خوش ہونا چاہیے کہ جو کچھ (مال دنیا) جمع کرتے ہیں یہ اس سے بہتر ہے ﴿58﴾ فرمائیے کہ دیکھو تو اللہ نے جو چیزیں تمہارے لیے بطور رزق نازل فرمائی ہیں پھر تم نے ان میں حلال اور حرام (اپنی طرف سے) بنالیا ہے فرمائیے کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو؟ ﴿59﴾ اور جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ قیامت کے دن کے بارے کیا خیال رکھتے ہیں؟ یقیناً اللہ لوگوں پر مہربان ہیں ولیکن ان کے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ﴿60﴾

تفسیر ومعارف

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۔ فرمایا، اللہ کی نافرمانی کرکے اور اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت چھوڑ کر زندگی کفر وشرک میں، ظلم میں، یا عملاً نافرمانی میں گزار کر قیامت کو کوئی چاہے کہ روئے زمین کی ساری دولت جو پہلوں کے پاس تھی اور جو آئندہ آنے والی نسل کے پاس تھی وہ ساری جمع ہوکر اس بندے کے پاس آجائے اور وہ یہ دولت بطور جرمانہ دے دے اور سوچے کہ میں اپنی جان چھڑا لوں گا تو فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا۔ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ جب عذاب سامنے آجائے گا تو بہت پچھتائیں گے کہ کتنی غلطی کی۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرکے اپنے لیے کتنا شدید عذاب جمع کرلیا۔ ظلم کرنے والوں کے انجام کی خبر دی جا رہی ہے۔ ظلم کا معنی عربی لغت میں ہے وضع الشیء فی غیر محلہ یعنی کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کا صحیح مقام نہیں۔ کوئی کام اس طرح کرنا جو اس کا صحیح طریقہ نہیں۔ جو قاعدہ نبی کریم ﷺ نے بتایا اس سے ہٹ کر کوئی کام کرنا یا کسی اور طریقے سے کرنا اللہ کی نافرمانی ہے اور اللہ کے نبیؐ کی نافرمانی بھی اور یہی ظلم ہے۔ سب سے بڑا ظلم شرک ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان:13) جو لوگ مشرک و کافر ہیں وہ تو شرک کرتے ہیں کہ انہوں نے سرے سے ایمان قبول ہی نہیں کیا لیکن ہماری پریشانی یہ ہے کہ ہمیں موروثی طور پر مسلمان ہونا نصیب ہوگیا لیکن عظمتِ باری پر یقین یا اس کی ربوبیت پر یا اس کی قدرتِ کاملہ پر یقین اب ہمیں حاصل نہیں۔ ہم بھی محض

مادی ذرائع ہی تلاش کرتے رہتے ہیں خواہ وہ ناجائز ہی کیوں نہ ہوں حالانکہ انسان کا امتحان ہی یہی ہے کہ وہ اللہ کریم پراعتماد کرتا ہے یا اللہ کے سوا دوسروں پر کرتا ہے۔ جب عمل کرتا ہے تو اللہ کے حکم کے مطابق کرتا ہے یا اپنی خواہش کے مطابق کرتا ہے۔ اگر ہم اپنی خواہش پر عمل کرتے ہیں تو ہم نے اپنے نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ اس لیے کہ نفع کی امید یا نقصان کے ڈر سے اطاعت کرنا عبادت ہے۔ تکمیل خواہشات کے لیے جو غیر شرعی کام کئے جاتے ہیں وہ خواہش کی عبادت ہو جاتی ہے۔ اس لیے مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ پر اعتماد ہو، شریعت کے دائرے کے اندر رہ کر جائز وسائل اختیار کرے ورنہ شریعت کے خلاف جا کر، ناجائز ذرائع اختیار کرنا ظلم ہے۔ اور ظلم کرنے والوں کے لیے اللہ کا حکم ہے وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ 54 اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا۔ اللہ کریم کسی سے زیادتی نہیں کریں گے۔ جو سزا ملے گی ان کے جرائم کے مطابق ہوگی۔ اللہ کریم نے تو انصاف کے دن سے پہلے انبیاء کو بھیجا۔ تمام انبیاء اسی لیے تشریف لاتے رہے کہ جن جرائم پر جو سزائیں وہاں ملنی ہیں ان کی یہاں زندگی میں اطلاع دے دیں۔ اسی لیے نبیؐ کو ڈرانے والا کہا گیا ہے۔ اللہ کے عذاب کتنے شدید ہیں ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اللہ فرما رہے ہیں کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی انصاف ہی ہوگا لیکن کس جرم کی سزا کتنی ہے، اس کا اندازہ ہمیں نہیں ہے اسی لیے ہم گناہ کو نافرمانی نہیں سمجھتے۔

علماء حق جب گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ کو زیر بحث لاتے ہیں تو آخر میں بحث سمیٹتے ہوئے فرماتے ہیں کہ درحقیقت ہر گناہ بڑا گناہ ہے اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ نافرمانی کس کی ہے تو جرم کی نوعیت شدید ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی شخص اپنے والد کی بات نہیں مانتا تو صورت حال مختلف ہوگی اور کسی چوکیدار کی نہیں مانتا تو دوسری بات ہوگی اور کسی پولیس افسر کی نہیں مانتے تو صورت حال بہت تبدیل ہو جائے گی۔ اگرچہ بات وہی ہوگی لیکن شخصیت کے بدل جانے سے بات کی حیثیت بدل جائے گی۔

تو اگر کوئی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات نہ مانے تو وہ کتنا بڑا جرم ہوگا اور اس کی سزا کتنی ہوگی۔ فرمایا یہ نتائج جب سامنے آئیں گے تو پھر لوگ پچھتائیں گے کہ ہم نے بڑی زیادتی کی۔ ان کے ساتھ فیصلہ تو انصاف سے ہو گا اور انصاف کا تقاضا ہے کہ جس نوعیت کا جرم ہے اسی نوعیت کی سزا بھی ہوگی۔

اللہ کے وعدے سچے ہیں:

فرمایا اللہ کریم کے وعدے پوری طرح سچے ہیں۔ جس عمل پر انعام کا وعدہ ہے وہ بھی سچا ہے اور جس عمل پر عذاب کی وعید سنائی ہے وہ بھی سچا ہے حق تو تو یہ ہے أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ کہ خوب اچھی طرح جان لو آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے۔ تمہارا کچھ اپنا نہیں۔ نہ تم کسی چیز کے خالق ہو نہ مالک۔ ساری

نعمتیں اللہ کی ہیں۔ یہ اس کی تقسیم ہے کہ کچھ مدت کے لیے کسی کو دے دیتا ہے ہمارے پاس ہماری زندگی بھی اس کی امانت ہے۔ گھر بار، اولاد، مال و دولت سب کچھ اس کی امانت ہے ہمارا اپنا اختیار کسی چیز پر نہیں۔ تو ان چیزوں کے لیے یا دولت جمع کرنے کے لیے، حکومت و اختیار کے لیے لالچ میں آ کر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت چھوڑ دینا، نافرمانی کرنا تو بہت بڑی زیادتی ہے جبکہ زمینوں، آسمانوں میں سب کچھ اللہ کا ہے۔ انسان تو دولت جمع کر کے مر جاتے ہیں، ساتھ لے کر نہیں جاتے۔ عام آدمی سے لے کر بادشاہ تک کوئی موت سے مبرا نہیں ہے۔ سب دنیا میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ کون اپنے ساتھ کچھ لے کے جاتا ہے سوائے اپنے اعمال کے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ کے وعدے بالکل کھرے ہیں ان میں کوئی جھول نہیں جیسا اس نے بتا دیا ویسا ہی ہوگا، جس عمل پر انعام کا وعدہ فرمایا وہ بھی سچا ہے اور جس عمل پر عذاب کی وعید سنائی ہے وہ بھی سچا ہے۔ جیسا اس نے بتا دیا ہے ویسا ہی ہوگا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ 55 فرمایا بہت سے لوگ ان باتوں کی پرواہی نہیں کرتے۔ ان سے بے خبر رہتے ہیں اور سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ ان کی پرواہی نہیں کرتے۔ جانوروں کی طرح کی زندگی گزار جاتے ہیں۔ سوئے ہوئے اٹھتے ہیں تو پھر روزی کی تلاش میں پڑ جاتے ہیں، حلال حرام کی پرواہ کیے بغیر اسی چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ سارا دن یوں ہی کھپ کھپ کر گزرتا ہے اسی میں سو جاتے ہیں گویا جانوروں کی طرح کی زندگی ہے کہ سارا دن خوراک تلاش کرتے رہے اور شام کو اپنے ٹھکانے پر آ کر بیٹھ گئے۔

حالانکہ اللہ کریم نے زندگی کو بہترین طریقہ پر گزارنے کے لیے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ امت کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ باقی زندگی کی تمام نعمتیں اللہ کی عطا ہیں اور انسان کی آزمائش۔ کسی کی آزمائش دولت و امارت و اقتدار ہے تو کسی کی آزمائش بھوک و افلاس ہے۔ ارشاد باری ہے فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ کسی کو مال و دولت، اولاد، حکومت دے کر آزمائش میں ڈال دیتا ہے اور دیکھتا ہے کہ یہ اختیار پا کر میری اطاعت کرتا ہے یا اپنی مرضی نافذ کرتا ہے۔ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ۚ‏ (الفجر: 15,16) کسی پر دوسری طرح کی آزمائش بھیج دیتا ہے۔ رزق کی کمی، بھوک و افلاس اور جسمانی کمزوری بھیج دیتا ہے پھر دیکھتا ہے کہ وہ ان کمزوریوں کے لیے مجھ سے دعا کرتا ہے، میرے پیغمبر ﷺ کا اتباع کرتا ہے یا میرا دروازہ چھوڑ کر مخلوق کے دروازے پر جبہ سائی کرنے لگ جاتا ہے کہ فلاں مجھے پیسے دے دے گا یا فلاں شفا دے گا، یا فلاں کی خوشامد کروں تو میرا کام ہو جائے گا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ غربت اور امارت دونوں آزمائشیں ہیں کوئی کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ دینے والا اللہ ہے۔ یہ بھی یاد رکھو اَلَاۤ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ اللہ کے سارے وعدے سچے ہیں جو فرما دیا وہ برحق ہے اور ایسا ہی ہوگا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ 55 لیکن اکثر لوگ اس سے بے خبر رہتے ہیں۔

سب کچھ کس طرح اللہ کا ہے اگر تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تو سمجھ لو هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ وَاِلَيۡهِ

تُرۡجَعُوۡنَ 56 وہی پیدا کرتا ہے، وہی مخلوق کو حیات دیتا ہے۔ کوئی اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا، اپنی مرضی سے اپنی شکل نہیں بنا سکا، صحت و بیماری اس کی مرضی پر نہیں، جب تک چاہے زندہ نہیں رہ سکتا۔ سب کچھ اللہ کی طرف سے، اس کے فیصلوں کے مطابق ہے۔ وہی موت بھیجتا ہے جب اس کی طرف سے آتی ہے تو پھر بندہ ٹال نہیں سکتا۔ جب زندگی، موت وہی دیتا ہے تو باقی کون سی چیز اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہے۔ کوئی مرجائے تو اس کے ساتھ ٹنوں سونا بھی رکھ دیں تو اسے کیا فائدہ۔ اس کے پاس تو زندگی ہی نہیں۔ زندگی اور موت بھی وہی دیتا ہے اور باقی سب چیزیں بھی اسی کی ہیں وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ 56 اور ہر فرد کو اس کی بارگاہ میں حاضر بھی ہونا ہے۔ موت زندگی کے خاتمے کا نام نہیں۔ نہ بندہ مر کر ختم ہو جاتا ہے۔ موت زندگی کا ہی ایک رخ ہے۔ اس دنیوی زندگی سے نکل کر ابدی زندگی کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ زندگی کی اس منزل کا نام موت ہے۔ ہم باپ کے صلب میں تھے۔ وہ بھی ایک زندگی تھی، شکم مادر میں آئے، وہ بھی ایک زندگی تھی، ماں کے پیٹ سے دنیا میں آگئے یہ بھی زندگی کی ایک صورت ہے۔ پھر برزخ کا عرصہ بھی زندگی ہے میدان حشر میں پہنچیں گے وہ زندگی کی اگلی صورت ہے۔ کوئی خوش نصیب جنت چلا جائے گا اور کوئی بدنصیب دوزخ چلا جائے گا۔ یہ زندگی کی آخری صورت ہے جو پھر ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ تو فرمایا بات صرف زندگی اور موت تک کی نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد اس کی بارگاہ میں حاضری بھی ہے۔

القرآن، رحمت الٰہی کا مظہر:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوۡرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ 57 اے لوگو! قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ یہ کام ہو چکا۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بہترین نصیحت آ چکی۔ تمہارا پروردگار جس نے تمہیں پیدا فرمایا، تمہاری ضروریات پوری فرما رہا ہے۔ اس نے تمہاری سب سے بڑی ضرورت پوری کرنے کا بھی انتظام کر دیا۔ اللہ کا عالی قدر، عظیم الشان نبی ﷺ، تمام انبیاء کا امام ﷺ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بہترین نصیحت القرآن لے کر آ چکا ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے ہیں لیکن عالمِ انسانیت کا سب سے بڑا واقعہ بعثتِ محمد رسول اللہ ﷺ ہے جو دنیا میں صرف ایک بار ہی ہوا۔ یہ اتنا عظیم انقلاب ہے کہ اللہ کے محبوب نبی ء آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ جب مبعوث ہوئے تو ہمیشہ کے لیے اور ساری انسانیت کے لیے مبعوث ہوئے۔ اور اللہ نے آپ ﷺ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو قیامت تک کے لیے ہر ملک، ہر قوم اور ہر علاقے کے لیے قابل عمل ہے۔ اس میں زندگی کے رہنما اصول اور جو طریقے بتائے ہیں وہ لین دین، تجارت، کاروبار کے ہوں یا ملکی اور بین الاقوامی سیاست کے ہوں وہ سارے اتنے کھرے اور سچے ہیں کہ

نزولِ قرآن سے لے کر قیامت تک قابلِ عمل ہیں اور بہترین نمونہ عمل ہیں۔

قرآنِ حکیم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کریم نے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لے لیا۔ اور فرمایا میں نے ہی یہ کتاب نازل کی ہے اور میں ہی اس کا محافظ ہوں۔ پندرھویں صدی آ گئی، لوگ معانی میں تجاوز کرتے رہے۔ تاویلات وتعبیرات میں اپنے مقصد کی باتیں ٹھونستے رہے لیکن قرآن کے متن کو کوئی نہیں چھیڑ سکا۔

اللہ کریم نے قرآنِ حکیم کو نبیء اکرم ﷺ پر نازل فرمایا۔ حضور ﷺ نے مخلوق تک اللہ کی یہ نعمت پہنچائی۔ تب سے اب تک روئے زمین پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب اللہ کا قرآن ہے۔ دنیا کی اچھی سے اچھی کتاب لوگ پڑھ کر چند بار پڑھ کر رکھ دیتے ہیں یہ واحد کتاب ہے جس کی تلاوت مسلسل ہوتی رہتی ہے اور پڑھنے والے پر نئے نئے خزانوں کے در وا ہوتے رہتے ہیں۔ نئی نئی رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں نئی لذت نصیب ہوتی رہتی ہے۔ دنیا کے بہترین سے بہترین ادب پارے یا شاعری کو بھی کئی بار پڑھا جاتا ہے لیکن دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جسے ایک مرتبہ ختم کرنے کے بعد بندہ پھر ابتداء سے شروع کرے۔ یہ صرف کلامِ الٰہی ہے، یہ وہ نعمت ہے کہ اسے جتنی بار دہراتے جائیں اتنی ہی بار نیا لطف، نیا کرم اور نئی رحمتیں عطا ہوتی ہیں۔ مفہوم میں نئی گہرائی عطا ہوتی چلی جاتی ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے والے جب آخری سورت والناس پر پہنچتے ہیں تو ختم کرتے ساتھ ہی پہلے سپارے کا پہلا رکوع شروع کر دیتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ کتاب ختم ہوتی ہی نہیں۔ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کی برکات الگ ہیں۔ اس میں جو تجلیاتِ باری ہیں وہ الگ ہیں۔ جو انوارات نبوت ہیں وہ الگ ہیں۔ حضور ﷺ کے ارشادِ مبارک کا مفہوم ہے کہ اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو تلاوتِ قرآن کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جب کوئی تلاوت کرتا ہے تو فرشتہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا ہے تو قاری کی تلاوت فرشتے کے ہاتھ کے راستے اس کے منہ سے جا کر پھر اس کے منہ سے نکلتی ہے۔ یہی ان فرشتوں کی غذا ہے۔

قرآنِ حکیم نصیحت ہے:

فرمایا، مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ تمہارے پروردگار کی طرف سے بہترین نصیحت ہے، نصیحت اس بات کو کہتے ہیں جو کسی کو اس کی بھلائی کے لیے سمجھائی جائے۔ جیسے والد اپنی اولاد کو نصیحت کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اسے اپنا کوئی لالچ ہوتا ہے بلکہ اولاد کی بھلائی مقصود ہوتی ہے۔ فرمایا، میرا نبی ﷺ تمہارے فائدے کے لیے میرا کلام لے کر تمہارے پاس ظہور پذیر ہوا ہے تمہارے بھلے کے لیے کتاب الٰہی لے کر آیا۔ جو احکام الٰہی اوامر ونواہی کا مجموعہ

ہے۔ یہی احکامات نصیحت ہیں تا کہ اس کتاب پرعمل کرنے والوں کو اللہ کریم کی طرف سے بھلائیاں عطا ہوں۔

قرآنِ حکیم دلوں کی شفا ہے:

فرمایا، وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ اور جو دل کی بیماریاں ہیں ان سب کی شفا بھی ہے۔ دل کی بیماریاں جیسے کفر، شرک، تکبر، حسد، جھوٹ، ریاکاری، لالچ طمع، خود پسندی، حبِ جاہ حبِ مال ہے۔ برائی کی خواہشات ہیں، دولت مند بننے کی حرص ہے۔ ان سب کا علاج اسی قرآن میں ہے۔ جب دل میں غلاظتیں، کثافتیں بھر جائیں تو کون سی دوا ہے جو کدورتوں کو نکال کر محبتیں بھر دے، بری خواہشات کی جگہ نیک خواہشات بھر دے۔ تو یہ دوا صرف اور صرف قرآنِ حکیم ہے۔ قرآن حکیم دلوں کی شفا ہے۔ زندگی کے تمام کام دل کے فیصلے سے ہوتے ہیں۔ دیکھا جاسکتا ہے کہ لوگ جواء کھیلتے ہیں، رقمیں ہار جاتے ہیں۔ اس کام کو برا بھی سمجھتے ہیں لیکن کھیلنے سے باز نہیں آتے۔ اس لیے کہ ان کا دل چاہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے دل بدن کا حکمران ہے۔ دماغ تو مادی وسائل جمع کرنے کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ بدن کو حرکت دینے اور اعضاء سے کام لینے کا ذریعہ ہے ورنہ فیصلے تو دل کرتا ہے اور دل ہی کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔ اگر دل میں خرابی آجائے، ظلمت چھا جائے، کجی آجائے۔ اگر دل میں اللہ کا نام نہ ہو، عظمتِ رسالت نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایسے دل کا دنیا میں کہیں علاج نہیں کوئی ایسا آپریشن نہیں جو دل کی کجی کو درست کردے، جو حسد اور بغض کو، دولت مندی کی حرص کو، ظلم کی خواہش کو دل سے دور کر کے اس میں پاکیزہ خواہشات اور نیک تمنائیں بھر دے۔

فرمایا، ان سب کا علاج اسی قرآن میں موجود ہے۔ اسے پڑھو، اسے سمجھو اس پر عمل کرو۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کے بارے کچھ فرمایئے۔ آپؓ نے بڑا جامع اور خوب صورت جواب عطا فرمایا، کان خلقه القرآن (مسند احمد بن حنبل) آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ قرآن تھے۔ قرآن پڑھتے جاؤ تمہیں آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا پتہ چلتا جائے گا۔ قرآن میں جو کرنے کا حکم ہے آپ ﷺ کرتے تھے جس سے قرآن کریم روکتا ہے اس سے رک جاتے تھے۔ تم اگر حضور ﷺ کو جاننا چاہتے ہو تو پھر قرآن پڑھو۔ قرآن کو سمجھنا چاہتے ہو تو حضور ﷺ کی سنت کو دیکھو۔ وَهُدًى اور کام کرنے کا صحیح طریقہ بھی یہی قرآن بتاتا ہے۔ ہر کام کے کرنے کا صحیح طریقہ بھی یہی کتاب بتاتی ہے وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ 57 اور جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے مجسم رحمت، سراپا رحمت اور رحمتوں کا خزانہ ہے۔ سو اے

میرے حبیب! ﷺ انہیں فرما دیجیے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط جب تمہیں اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ پر ایمان نصیب ہو گیا۔ تمہیں جو کتاب ملی، تم پر جو رسول ﷺ مبعوث ہوا، تم پر جو رحمتوں کی بارش ہوئی ہے کہ تمہیں اللہ سے ہمکلام کر دیا گیا ہے، اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا گیا ہے۔

یہ انعام دنیا کی ساری دولت کے مل جانے پر بڑا ہے۔ دنیا کی دولت تو چھوڑ کر چلے جاؤ گے لیکن یہ وہ دولت ہے جو تمہارے ساتھ جائے گی۔ یہ اس کی بخشش ہے، اس کی رحمت ہے فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط اس پر خوشی مناؤ، اللہ کا شکر ادا کرو۔ دنیا داروں کی دولت دیکھ کر لالچ نہ کرو یہ اس سے بہت زیادہ، بہت بڑی دولت ہے جو تمہارے دل میں ہے، تمہارے پاس ہے۔ یہ اللہ کی کتاب ہے اس کو پڑھنا، سمجھنا، عمل کرنا نصیب ہے، حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل نصیب ہے تو یہ بہت بڑا انعام ہے هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ 58

جسمانی بیماریوں کی شفا:

قرآن حکیم دلوں کی شفا ہے، نصیحت ہے، ھدیٰ ہے، اور رحمت ہے۔ دل کی سب بیماریوں کی شفا تو ہے ہی، جسمانی بیماریاں بھی اس سے شفا پا جاتی ہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ قرآن جسمانی بیماریوں کا علاج بھی بن جاتا ہے۔ لیکن اسے صرف تعویذ کی کتاب بنا لینا درست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے بعض جسمانی بیماریوں کے علاج کے لیے فرمایا کہ فلاں سورت یا کوئی آیت یا کوئی رکوع پڑھ کر سو جاؤ وہ تکلیف نہیں رہے گی۔ ہم نے یہ کیا کہ ساری زندگی ایک سورت پڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ جسمانی شفاء کے لیے یہ سورت پڑھو تو پھر باقی قرآن پڑھنا چھوڑ دو۔ اگر کوئی حدیثِ پاک کے مطابق کوئی آیت، کوئی سورت جسمانی شفا کے لیے پڑھتا ہے تو وہ درست ہے لیکن اس کے ساتھ تلاوت قرآن بھی کرنی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک سورت لے لو اور ساری زندگی وہ پڑھتے رہو اور باقی چھوڑ دو۔ وہ بھی اللہ کی رضا کے لیے نہیں، سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے نہیں اپنی بیماری سے شفا پانے کے لیے تو یاد رکھو قرآن حکیم تعویذ گنڈوں کی کتاب نہیں۔ لیکن اکثریت نے اس کا یہی استعمال بنا لیا ہے یا پھر بہت نیک لوگ اپنے مرنے والے عزیزوں کے سرہانے سورت یٰسین پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ کیا قرآن آسانی سے مرجانے کے لیے ہے؟ قرآن تو آسانی سے زندہ رہنے کے لیے ہے۔ یہ کتاب حیات ہے، منشورِ حیات ہے، زندگی کا نصاب ہے۔ ہم اسے مرنے والے پر پڑھتے ہیں کہ یہ آسانی سے مرجائے۔ کیا عجیب سوچ ہے!

قرآنی آیات لکھ کر گلے میں ڈالنا جائز ہے۔قرآنی آیات سے جسمانی شفاء ہوتی ہے۔بعض سورتوں کے بارے میں حدیث شریف میں ملتا ہے، بعض بزرگان دین نے وظیفے بتادیئے ہیں کہ فلاں بیماری کے لیے فلاں آیت مبارکہ پڑھو تو بیماری دور ہوجاتی ہے یہ سب درست ہے لیکن یہ ضمنی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کی جائے، روزانہ کی جائے، صبح وشام کی جائے۔اس کے مفاہیم سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس پر پورا پورا عمل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ یہ طریقہ ہے قرآن کی عزت، حرمت اور احترام کرنے کا۔اور قرآن کو غلاف میں لپیٹ کر اونچی جگہ احترام سے رکھ کر سمجھنا کہ عزت کرنے کا حق ادا ہوگیا تو یہ درست نہیں۔قرآن کی عزت یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا جتنا ہوسکے روزانہ پڑھا جائے۔

اگر ہمیں اس کے ایک ایک لفظ کی قیمت کا اندازہ ہوجاتا تو شاید لوگ دن رات یہی پڑھتے رہتے لیکن جب اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوگا تب عمل کا وقت گزر چکا ہوگا۔جب موت قریب آتی ہے تو اس کے اثرات جسم پر وارد ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔فطری طور پر بدن کی ساری توجہ اس طرف ہوجاتی ہے۔قرآن کریم میں ہے یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ○ (محمد ﷺ :27) کفار کو موت کے فرشتے ان کے چہروں اور پشت پر مار رہے ہوتے ہیں۔اگر کوئی نیک ہے، صاحب نجات ہے تو اسے خوب صورت فرشتے نظر آتے ہیں جو اسے لینے آئے ہوتے ہیں۔ انہیں جنت کی نعمتیں نظر آرہی ہوتی ہیں تو ان کی کلی توجہ اس طرف ہوجاتی ہے۔

زندگی میں کیے ہوئے اعمال قبر میں ساتھ جاتے ہیں بدکاروں کو بدشکل اور ڈراؤنی شکلیں نظر آتی ہیں جو کسی کے دور کرنے سے دور نہیں ہوتیں۔روزمرہ کے واقعات ہوتے رہتے ہیں ایک شخص کا عزیز فوت ہونے لگا تو کہتا تھا ان بدشکل لوگوں کو یہاں سے اٹھاؤ یہ مجھے چڑا رہے ہیں تو اس کا خیال تھا شاید وہ جنات تھے جو اسے تنگ کر رہے تھے میں نے کہا نہیں۔مرنے والے سے جنات کو کیا کام۔وہ زندگی میں کیے گئے اعمال تھے جنہوں نے قبر میں ساتھ جانا تھا۔اللہ پناہ دے۔

فرمایا، اللہ کی کتاب تمہارے پاس بطور نصیحت آئی ہے۔تمہاری بھلائی کے لیے آئی ہے اس لیے آئی ہے کہ اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ہر ضرورت پوری کرنا اسی کی شان کو زیبا ہے۔اسی نے تمہاری یہ ضرورت بھی پوری کردی۔اس میں قلبی بیماریوں کی شفا بھی ہے۔اس میں ہر کام کرنے کا صحیح طریقہ ہے اور یہ ایمان والوں کے لیے سراپا رحمت ہے اور اے میرے حبیب! ﷺ انہیں کہیے اللہ کی اس مہربانی پر خوش ہوجاؤ۔اس پر راضی ہوجاؤ۔اسے چھوڑ کر کوئی دولت ملتی ہو تو وہ دولت ٹھکرا دو اسے مت چھوڑو۔یہ ہر دولت سے قیمتی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ جو قرآن کریم کو لانے والے ہیں، جو قرآن کے مفاہیم تم پر واضح کرنے والے ہیں اور

تمہارا ایمان اور تمہارا قرآن پر عمل کرنا یہ دنیا جہاں کی دولت سے بڑھ کر ہے۔ اس پر خوش رہو۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ 58 جتنی کوئی دولت جمع کرسکتا ہے اس ساری سے یہ بہت بلند اور بہت بہتر ہے۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہو۔

ساری کائنات اللہ کریم کی ہے ساری مخلوق اسی کی تخلیق ہے اس میں جو مکلف مخلوق نہیں ہے جیسے حیوان جانور چرند پرند ان کو کھانے پینے کے سلیقے اللہ کی طرف سے فطری طور پر سکھا دیے گئے اسی لیے ہر چیز اپنی خوراک تلاش کر لیتی ہے۔ انسان جو اللہ کی مخلوق ہے اشرف المخلوقات ہے اس کے لیے یہی فطری تقاضے آزمائش کا سبب بن گئے۔ یہ جانوروں اور درندوں کی طرح پیٹ نہیں بھر سکتا کہ جہاں سے جو ملا کھالیا بلکہ اس کی دنیوی زندگی بنیادی طور پر حصولِ رزق کے اردگرد ہی گھومتی رہتی ہے۔ کیسے کھایا جائے، کیا کچھ کھایا پیا جائے، کیسے استعمال کیا جائے۔ اس کی زندگی کی ساری مصروفیات کا محور و مرکز صرف یہ بات ہوتی ہے۔

چونکہ ساری اشیاء اللہ کی مخلوق ہیں سارے جاندار اللہ کی مخلوق ہیں تو یہ قاعدے اور ضابطے بنانا کہ انسان کس طرح کمائے، کس طرح کھائے، اللہ کی عبادت کس طرح کرے، کس انداز سے اللہ کو یاد کرے عملی زندگی میں کس کام کو جائز، کس کو ناجائز سمجھے۔ کون سی چیز حلال ہے، کون سی حرام ہے یہ حق اس وحدہٗ لاشریک کا ہے کہ وہ مقرر فرمائے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے پھر ہر چیز میں جو تاثیر ہے وہ بھی اس کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک ہی چیز کو جب انسان حلال ذریعے سے کماتا ہے یعنی شرعاً اس کا کھانا حلال ہے، جائز طریقے سے ہے، اللہ کا نام لے کر کھاتا ہے تو وہ غذا نہ صرف جسم کی تعمیر کرتی ہے بلکہ دل کو بھی روشن کرتی ہے اس سے نور پیدا ہوتا ہے اور وہی غذا جب ناجائز طریقے سے، رشوت سے چوری سے، ڈاکے سے، دھوکے سے حاصل کر کے کھاتا ہے تو اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ جسمانی بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں روحانی بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ وہ مالک الملک اس کی تاثیر بدل دیتا ہے۔ کسی شئے کی تاثیر ذاتی نہیں ہے اللہ کریم کی دی ہوئی ہے۔ وہ جب چاہتا ہے اس کا اثر تبدیل فرما دیتا ہے سو فرمایا جو لوگ اپنی طرف سے مذہب گھڑ لیتے ہیں حالانکہ ہر چیز تو اللہ نے نازل فرمائی ہے ہر چیز تو اس کی طرف سے ہے۔ خالق وہ ہے مالک وہ ہے واحد اور لاشریک ہے اس کی ملکیت ہے، کسی کی شراکت کسی کی حصہ داری نہیں تو یہ اس کا حق ہے کہ وہ حدود و قیود مقرر فرمائے کہ کیا حلال ہے کیا حرام ہے۔ یہ کسی مخلوق کا حق نہیں ہے جو خود مخلوق ہے وہ کسی مخلوق پر حکومت کیسے کر سکتا ہے۔

فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فرمایا آپ ان سے فرما دیجیے کہ تم جانتے ہو کہ سارا

رزق اللہ کی طرف سے ہے ہر چیز اس نے پیدا فرمائی ہے۔کھیتی باڑی ہو یا پھل پھول ہوں،کوئی بھی چیز جو انسانی استعمال میں آتی ہے وہ اللہ کی تخلیق ہے اس کی مخلوق ہے اس نے پیدا فرمائی اس نے اس میں تاثیر اور اثر رکھا۔ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۔ تو تم اپنی مرضی سے اس میں حلال حرام، جائز ناجائز بنانا شروع کر دو تو یہ کہاں درست ہے تمہیں چیزوں کی تاثیر تک کا علم نہیں تم ان کے اثر پیدا کرنے والے نہیں ہو باقی مخلوق کے تم خالق نہیں ہو انسانوں کے تم مالک نہیں ہو تمہیں کس نے حق دیا کہ ایسا کرو۔فرمایا ان سے پوچھیے قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے کہ تم اپنی مرضی سے مذہب مقرر کرلو۔

بدعات اللہ پر بہتان باندھنا:

اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ 59 یا تم اللہ پر بھی بہتان باندھ رہے ہو۔جو چیز حکمِ الٰہی نہیں ہوتی اور بندہ اسے نیکی سمجھ کر یا عبادت سمجھ کر کرتا ہے تو یہ تو اللہ پر جھوٹ باندھنے والی بات ہوئی۔

وہی کام عبادت،وہی کام نیکی ہے جسے اللہ نے نیکی کہا ہے وہی چیز حلال ہے جسے اللہ نے حلال کر دیا۔وہی چیز حرام ہے جسے اللہ نے حرام کر دیا یا رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔حضور ﷺ بھی اللہ ہی کے حکم سے حرام کرتے ہیں اپنی مرضی سے حلال و حرام نہیں کرتے اس لیے جسے حضور ﷺ حرام قرار دیں،وہ حرام ہے۔جو حضور ﷺ فرمائیں حلال ہے،وہ حلال ہے۔اب حضور ﷺ کے بعد کسی کے پاس یہ قوت،یہ اتھارٹی نہیں ہے کہ وہ کسی شئے کو حلال کر دے اور کسی کو حرام کر دے۔

کچھ لوگوں نے تو عظمتِ الٰہی کا اقرار ہی نہ کیا۔اللہ کی توحید کو نہ مانا،رسالت کو نہ مانا،کتاب کو نہ مانا اور انہوں نے مذہب اپنی مرضی سے گھڑ لیے اپنی مرضی سے پتھر اٹھایا اسے تراش خراش کر بت بنایا اس کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔جانوروں کو سجدے کرتے پھرتے ہیں۔سانپوں،بندروں،ہاتھیوں کو بھگوان بنالیا۔لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو دعویٰ تو اسلام کا رکھتے ہیں لیکن سود بھی کھا لیتے ہیں اور اس کے جائز ہونے پر دلائل دیتے ہیں یعنی اگر حرام سمجھ کر کھاتے رہیں تو گناہ ہوگا حرام کو حلال ماننا تو کفر ہے اسی طرح بے شمار رسومات ہیں مثلاً میلاد کے نام پر جاری رسومات۔جن کا دین سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں۔بارہ ربیع الاول کو،پہلے سیرت کے جلسے ہوتے تھے میلاد النبی کا جلسہ اور اکثر جلسے مساجد میں ہوتے تھے اکثر لوگ باوضو نوافل ادا کرتے علماء کی تقریریں سنتے حضور ﷺ کے فضائل کا معجزات کا بیان ہوتا یہ سب کچھ بڑے باادب اور شرعی طریقے سے ہوتا تھا،پھر اس کے ساتھ جلوس کا اضافہ ہوا۔اب جلوس میں بہت سی قباحتیں آ گئیں شور شرابہ،غل غپاڑہ،بے پردگی،نعرے بازی اور تماشا سا بن گیا۔اب ہم جلوس سے ترقی کر کے جشن پر

پہنچ گئے ہیں جشن میں حدود و قیود نہیں ہوتیں جس طرح جس کا جی چاہے اس طرح خوشی کا اظہار کرے کوئی آتش بازی کرے، کوئی اچھلے کودے، کوئی بانسری بجائے، کوئی ڈھول پیٹے، کوئی شور مچائے، جشن میں جس طرح جو جی چاہے کرے۔

بارہ ربیع الاول حضور ﷺ کے وصال کا دن:

ذرا سوچیے کہ یہ صرف حضور ﷺ کی ولادتِ مبارک کا دن نہیں ہے یہ وصال مبارک کا دن بھی ہے۔ سب سے پہلے گواہ جو حضور ﷺ کی نبوت کے اور قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کے ہیں اور جو قرآن کے امین ہیں جن سے مخلوق کو قرآن پہنچا وہ صحابہ کرامؓ ہیں۔ بارہ ربیع الاول کو نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے اور مدینہ منورہ میں صحابہؓ پر زندگی کی سب سے مشکل ترین گھڑی بیت گئی۔ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے کہ دن کو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے رات ہو گئی۔ صحابہ کرامؓ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو بیٹھے تھے اور خبر سنی تو وہیں منجمد ہو گئے پھر ساری زندگی دوبارہ اٹھ نہیں سکے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ جیسی ہستی پر بھی جذب آ گیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے حواس سلامت نہیں رہے۔

میں نے زندگی میں بڑے حوادث دیکھے اللہ نے محفوظ بھی رکھا۔ بڑے دکھ اور تکلیف دہ مناظر بھی دیکھے۔ مجھے رونا نہیں آتا تھا میرے اعصاب الحمد للہ بڑے مضبوط تھے۔ دکھ ہوتا تھا لیکن میں روتا نہیں تھا۔ میرے پاس رونے کا تصور نہیں تھا۔ ہم حضرتؒ کے ساتھ حرمین میں تھے غالباً 1974ء کی بات ہے اگر مجھے صحیح یاد ہے جب جدے سے مکہ مکرمہ حاضری ہوئی۔ عمرہ کیا۔ کچھ دن رہے پھر مدینہ منورہ حاضری ہوئی۔ آٹھ دن غالباً مدینہ منورہ میں رہے۔ تو روضہ اطہر پر سلام کے لیے روز حاضری ہوتی تھی میں ایک دن روضہ اطہر سے پہلے ایک دیوار کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میں اس سوچ میں ڈوب گیا کہ حضور ﷺ کا وصال ہوا ہو گا کس دل سے کس حوصلے سے کس صبر آزما گھڑی سے گزر کر صحابہ کرامؓ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دفن کیا ہو گا۔ وہ کچھ ایسا منظر میرے دل میں بنا کہ میں جو زندگی بھر کبھی نہیں رویا تھا تب سے اب تک آنکھیں نم رہتی ہیں۔ بات بات پر رونا آتا ہے بلکہ ایک دن کسی نے مجھ سے سوال بھی کیا تھا کہ آپ کو کبھی روتے نہیں دیکھا تھا اب کیوں روتے ہیں۔ تو میں نے کہا تھا کہ جس دل پہ ناز تھا وہ دل نہیں رہا۔

یہ تو ایسے لمحات ہیں کہ بندہ مساجد میں جائے، نوافل ادا کرے، قرآن کریم پڑھے، سارا دن بیٹھ کر درود شریف پڑھتا رہے، چلتے پھرتے پڑھتا رہے۔ ذرا اس لمحے کو یاد کرے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اس دنیا کو مفارقت دی دنیا سے تشریف لے گئے اور وحی الٰہی اس دن سے قیامت تک کے لیے آنا بند ہو گئی۔ اُم ایمنؓ حضور ﷺ کی بہت پیاری خادمہ تھیں۔ عمر رسیدہ ہو گئیں تو نبی کریم ﷺ ان کے گھر خیریت پوچھنے جایا کرتے تھے۔ خود تشریف لے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ دنیا سے پردہ فرما گئے۔ خلافت صدیق اکبرؓ کا عہد شروع ہوا زندگی اپنے معمولات پر آئی تو سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ حضور ﷺ اُم ایمنؓ کی مزاج پرسی کے لیے

بہت پیاری خادمہ تھیں۔ عمر رسیدہ ہوگئیں تو نبی کریم ﷺ ان کے گھر خیریت پوچھنے جایا کرتے تھے۔ خود تشریف لے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کا وصال ہوگیا۔ دنیا سے پردہ فرما گئے۔ خلافت صدیق اکبرؓ کا عہد شروع ہوا زندگی اپنے معمولات پر آئی تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ حضور ﷺ اُم ایمنؓ کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے ہم پر بھی واجب ہے کہ ہم بھی حضور ﷺ کا اتباع کریں اور گھر جا کر ان کی مزاج پرسی کریں۔ دونوں حضرات تشریف لے گئے جب ان کے پاس گئے مزاج پرسی کی تو وہ زاروقطار دیں۔ شیخینؓ نے فرمایا کہ آپ اتنا کیوں رو رہی ہیں حضور ﷺ ہم سے دور تو نہیں ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں جانتی ہوں لیکن اس لیے رو رہی ہوں کہ اب قیامت تک زمین پر وحی نہیں آئے گی۔ صرف یہی نہیں کہ حضور ﷺ نے پردہ فرمایا اب قیامت تک اللہ کی طرف سے وحی نہیں آئے گی جبرائیل امین وحی لے کر نہیں آئیں گے ہم تو اس بات کے عادی تھے کہ کوئی مسئلہ ہوتا فوراً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے، مسئلہ بیان کرتے اللہ کی طرف سے جواب آجاتا وحی نازل ہوتی، قرآن نازل ہوتا۔ اللہ کے ذاتی کلام میں جواب آجاتا۔ اب تو وہ نعمت ختم ہوگئی۔ رسالت موجود ہے، نبوت موجود ہے، کتاب موجود ہے قیامت تک رہے گی، میں اس لیے رو رہی ہوں کہ حضور ﷺ کا وصال، وحی کا نزول ختم کر گیا یہ سب باتیں پیش نظر ہوں تو کیا جشن اور جلوس کو جی چاہتا ہے، کیا پٹاخے چلانے اور آتش بازی چلانے کو جی چاہتا ہے؟ چندے جمع کر کے ڈھول پیٹ کے کس بات کی خوشی منائی جا رہی ہے۔

کون سا جشن ہے آج کے دن۔ کس بات کی خوشی ہے۔ آج کا دن تو وہ ہے کہ اطاعت کا عہد کرو جو کمی رہ گئی ہے اس کی معافی مانگو فرمایا صدقِ دل سے اس کی اطاعت کرے **ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ** (النسا:65) آپ ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس پر صرف ظاہری عمل نہیں بلکہ ایسا کہ ان کے دل میں بھی کوئی کھٹکا نہ آئے کہ ایسا ہوتا ایسا نہ ہوتا۔ نہیں جو حضور ﷺ نے فرما دیا اب ایسے ہی ہوگا۔ تو فرمایا تم نے اپنی مرضی سے دین مقرر کرنے شروع دیئے۔ لوگوں کو کہا بتوں کے آگے جھک جاؤ تو تمہاری مرادیں پوری ہو جائیں گی۔ اپنی مرضی سے جائز ناجائز گھڑ لیا۔ اپنی مرضی سے حلال حرام بنالیا۔ کیا یہ طاقت اللہ نے تمہیں دی تھی کہ تم ایسا کر سکتے ہو اگر نہیں دی تھی تو کیا تم اللہ پر بہتان تراشی کر رہے ہو۔

ایک بات اور عرض کردوں۔ بارہ ربیع الاول کو منافقین، یہود اور مشرکین نے خوشی منائی تھی۔ جو خوشی بارہ ربیع الاول کو منائی گئی تھی یہ منافقین، مشرکین عرب اور یہود اور عیسائی منا رہے تھے کہ حضور ﷺ کے وصال سے شاید اسلام ختم ہو جائے گا۔ تو یہ لوگوں نے اپنی طرف سے مقرر کر لیا۔ وہی بات اللہ کریم پوچھ رہے ہیں کہ کیا تمہیں اللہ نے طاقت دی ہے کہ تم چیزوں کو حلال حرام کرو نیک و بد کی حدود مقرر کرو، اچھا برا متعین کرو۔ یہ جتنے مولوی جشن اور جلوسوں

میں ہوتے ہیں اللہ معاف کرے، اللہ پاک سب کو نیکی کی توفیق دے۔لیکن یہ بات کیا میں ہی جانتا ہوں باقی سارے نہیں جانتے؟ کبھی کسی کے دل میں خیال آیا کہ وہ جتنے لوگ جلوس میں نکلے ہیں، انہیں یہ بھی بتا دے کہ یہ تو حضورﷺ کے وصال کا دن بھی ہے۔ یہ تو وہ دن ہے جس کے بعد کوئی صحابیؓ نہیں بن سکا۔ نہ قیامت تک بن سکے گا۔ یہ تو وہ دن ہے جس دن وحیِ الٰہی ختم ہوگئی، منقطع ہوگئی، قیامت تک نہیں آئے گی۔ یہ تو وہ دن ہے کہ جس دن وہ نعمت ختم ہوگئی کہ بندہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتا حضورﷺ سے نگاہ دوچار ہوتی۔ حضورﷺ کی نگاہ اس پر پڑتی یا اس کی نگاہ وجودِ عالی پر پڑتی تو وہ ایک آن میں ایک عام آدمی سے شرفِ صحابیتؓ پر متمکن ہوجاتا، مشرف ہوجاتا۔ اب تو اللہ کسی کو وہ ہمت دے گا وہ وسائل دے گا وہ توفیق دے گا وہ محنت کرے گا برزخ میں اس کی رسائی ہوگی حضورﷺ کی زیارت سے فیض یاب ہوگا لیکن صحابیؓ نہیں بن سکتا۔

پتہ نہیں کس بات پر جشن منائے جاتے ہیں اس کا کیا جواز ہے؟ کیا ثبوت ہے؟ دین کے امین تو صحابہ کرامؓ ہیں ہمارے پاس سارا دین صحابہؓ سے آیا اور صحابہؓ پر تو یہ دن قیامت بن کر گزر گیا۔ لیکن یہ ہجر و وصال کی باتیں وہ جانے جسے کوئی ذرہ محبت کا نصیب ہوا ہو۔ کسی نے اسے حصولِ زر کا ذریعہ بنا لیا چندے جمع کر کے پیسے جمع کر لیے۔ کسی نے اپنی شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا اور ادھم مچا کر شہروں میں شور شرابہ کر کے بازار بند کرا دیے۔ کوئی مریض ایمبولینس میں مر رہا ہے لیکن سڑک پر کوئی راستہ نہیں ہے۔ مزدوروں کی چھٹی ہوگئی جو یومیہ کما کر کھاتے تھے ان کا کام بند ہوگیا۔ دکانیں بند ہوگئیں۔ نہ کسی کو دوا مل رہی ہے نہ سودا مل رہا ہے یہ کون سا دین ہے، یہ سب کرنے کو کس نے کہا ہے؟ ارشاداتِ نبویﷺ کا مظہر تعامل صحابہؓ ہے کہ صحابہؓ نے جو بھی عمل کیا، وہ دلیل ہے کہ یہ حضورﷺ کا حکم ہے اور تمام صحابہؓ کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا **اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ** میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جس طرح ستاروں سے لوگ راہ تلاش کرتے ہیں تمہاری رہنمائی کے لیے یہ وہ ستارے ہیں **بِاَیِّہِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ** (الشریعۃ لآجری)

تم جس کا دامن بھی تھام لو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ یعنی صحابہؓ سارے کے سارے عادل بھی ہیں، ہادی بھی ہیں۔ جس کا دامن تھام لو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ صحابہؓ سے کوئی جلوس، کوئی جشن ثابت کرو۔ دنیا میں کسی نے اگر واقعہ کسی سے محبت کی ہے تو وہ صحابہؓ رسول اللہﷺ ہیں۔ دنیا کی پوری تاریخ میں کوئی ان کی مثال نہیں۔ اسی لیے آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک تمام لوگوں سے انبیاءؑ کے بعد افضل ترین لوگ ہیں۔ تو اللہ کریم نے فرمایا اے میرے حبیبﷺ ان سے پوچھئے تو سہی یہ دین جو تم نے بنا لیا ہے اس کی اجازت تمہیں کس نے دی؟ یہ جیسے تم ثواب کہہ کہہ کر لوگوں سے جنت کے وعدے کرتے ہو کیا اللہ نے اس کی اجازت دی ہے، کیا رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسا

گا۔اپنی پسند سے نیک و بد گھڑے گا۔اپنی پسند سے حلال حرام گھڑے گا اور اپنی پسند سے کام کرے گا لیکن جو ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اس کے پاس کیا اختیار رہ جاتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے گھڑ لے؟ فرمایا ان سے پوچھیے کہ رزق تو اللہ نے نازل فرمایا روزی کے وسائل، نعمتیں، صحت، بیماری، دولت، عزت، زندگی موت سب کچھ دینے والا تو وہ ہے فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ تم نے اپنی مرضی سے اس میں دین مقرر کر لیا۔ میرے حبیب! ﷺ ان سے پوچھیے کیا اللہ نے اس کی اجازت دی تھی کہ تم جسے چاہو اس کو ثواب بنا لو جسے چاہو اسے گناہ قرار دے دو؟ یہ تو کفار کا طریقہ ہے اور اس آیت کے مخاطب بھی کفار ہی ہیں۔ مومن کو تو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ جس عمل کے کرنے کا حضور ﷺ نے حکم نہ دیا ہو اسے ثواب سمجھ کر کرے۔ مومن کے بارے تو قرآن کا یہ تصور ہی نہیں ہے۔ قرآن کے مطابق مومن کا تصور تو یہ ہے کہ جب اللہ کا نبی حکم دے دے تو ان کے لیے سوائے تسلیم کے اور کوئی راستہ نہیں۔ اور صرف ظاہری تسلیم نہیں دل میں بھی کوئی تنگی کوئی خلش محسوس نہ کرے۔

یہ آیہ کریمہ کفار کے بارے ہے لیکن کلمہ پڑھنے کے بعد بھی اگر کردار ویسا ہی ہو جائے تو کتنے دکھ کی بات ہے۔ چند سکے جمع کرنے کے لیے اور چندہ لینے کے لیے قوم کے لیڈر اور رہنما بھی اسی رو میں بہہ جائیں تو فرمایا کیا اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ حرام و حلال جمع کرو، جائز ناجائز مقرر کرو، ثواب گناہ مقرر کرو یا تم اللہ پر بھی بہتان باندھ رہے ہو۔ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اور جو اللہ پر بہتان باندھتے ہیں ان کا قیامت کے بارے کیا خیال ہے۔ نبی ﷺ نے وہ دین ہم تک پہنچایا جو کامل اور اکمل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے ۔اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (المآئدہ:3) آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارا دین پسند فرما لیا۔ بات ختم ہو گئی اب اس میں قیامت تک کمی بیشی نہیں ہو سکتی لیکن سارے دین کی عمارت کی بنیاد جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ توحید باری ہے، اسی طرح اللہ کے ساتھ اس کی ذات یا صفات میں کوئی شریک نہیں۔ قیامت یقینی ہے۔ ہر بات کا حساب ہوگا، جواب دینا ہوگا۔ خود قرآن نے فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ (البقرہ:4) مومن وہ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ پر نازل ہوا اور اسے بھی حق مانتے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نازل ہوا۔ تو ساری ضروریات دین اس میں آ گئیں۔ پھر فرمایا وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ آخرت کا عقیدہ پہلے حصے میں آ گیا ہے لیکن پھر تاکید فرمائی کہ

جنہیں قیامت کا یقین بھی ہو۔ قیامت کا یقین اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سے باہر نکلنے نہیں دیتا۔ حضرت فاروق اعظمؓ جیسا انسان اس زمانے کی دو سپر پاورز قیصرو کسریٰ کا فاتح انہیں جب پتہ چلا کہ مدینہ منورہ میں کسی غریب کا گھر ہے جن کے پاس کھانے کو نہیں ہے تو رات کو بیت المال سے سامان نکلوایا اور ان خدام سے کہا بوری میرے کندھوں پر لاد دو۔ انہوں نے عرض کی یا امیر المومنین آپ یہ بوجھ کیوں اٹھاتے ہیں ہم اٹھا کے آپ کے ساتھ چلتے ہیں جہاں پہنچانا ہے پہنچا آتے ہیں۔ فرمایا، کیا تم قیامت کو بھی میرا بوجھ اٹھاؤ گے؟ یہ ہے وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ جنہیں قیامت کا یقین ہے۔ فرمایا کیا تم قیامت کو بھی میرا بوجھ اٹھا لو گے اگر نہیں تو مجھے آج بھی اپنا بوجھ آپ اٹھانے دو یہ ساری ذمہ داری میری ہے کہ میں حکمران ہوں میری رعیت کا کوئی بندہ پریشان ہو تو میں ان کی پریشانی دور کروں۔ یہ میری ذمہ داری ہے تمہاری نہیں ہے۔ یعنی دو باتیں دین کی بنیاد ہیں، اول توحید باری پر راسخ ایمان۔ اللہ کی توحید کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ اس کی ذات اور صفات اس کا ہر وقت شاہد ہونا اور دوسری قیامت کی جواب دہی کا مکمل یقین۔ یہ دو باتیں ایسی ہیں جو بندے کو جکڑ کے رکھ دیتی ہیں۔ فرمایا یہ جو اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور الزام لگاتے ہیں میرے حبیب ﷺ ان سے پوچھیے کہ ان کا قیامت کے بارے کیا خیال ہے وَمَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ کیا سوچتے ہیں قیامت کے بارے، کیا جواب ہے ان کے پاس جب پوچھا جائے گا۔ کیا کریں گے؟ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ یقینا اللہ لوگوں پر بہت مہربان ہے۔ بہت کریم ہے وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ 60 لیکن لوگ ایسے بدنصیب ہیں کہ اس کی ناشکری کرتے ہیں اس کی رحمت سے محروم ہو کر اس کے غضب کو دعوت دیتے ہیں اللہ کریم کسی پر زبردستی عذاب مسلط نہیں فرماتا اللہ کریم کسی کو بلا وجہ سزا دے کر راضی نہیں ہے اللہ کریم کسی پر زبردستی عذاب مسلط نہیں فرماتا۔ اللہ کے سامنے مخلوق کی حیثیت کیا ہے۔ ہم بھی مخلوق ہیں چیونٹی بھی مخلوق ہے۔ ہم مخلوق ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ ہم بھی محتاج ہیں وہ بھی محتاج ہے۔ ہم دونوں محتاج ہیں کسی کو چیونٹی کاٹ جائے تو اس کے پیچھے دوڑتا ہے کہ میں نے اسے مارنا ہے اس نے مجھے کاٹا ہے۔ بڑی حقیری مخلوق ہے جھاڑ دی، پھونک ماردی اڑ گئی بھول گئے حالانکہ جیسی مخلوق ہم ہیں ویسی مخلوق وہ بھی ہے تو اللہ تو خالق کائنات ہے باقی ساری مخلوق عاجز چھوٹے چھوٹے ذرات سے بنے ہوئے کھلونے ہیں کیا بندہ اس لائق ہے کہ اللہ اس سے دشمنی کرے کہ ایسے معاملے تو برابری والوں سے ہوتے ہیں اللہ تو کریم ہے وہ تو تمہیں سلامت رکھ کر خوش ہے لیکن جب تم خود اس کے مقابلے میں کھڑے ہو جاتے ہو۔ اللہ کے مقابلے میں اپنی رائے نافذ کرنا چاہتے ہو اللہ کا شکر کرنے کی بجائے ناشکری کرتے ہو تو اس وجہ سے تم خود عذاب

کو دعوت دیتے ہو۔ دوزخ میں بڑی محنت کر کے جانا پڑتا ہے آرام سے دوزخ میں کوئی نہیں جاتا۔ جتنے دوزخ میں جاتے ہیں عقیدہ سے لے کر عمل تک برائی کرتے ہیں۔ برائی کرنا مشکل ہے اور نیکی کرنا آسان ہے۔ سچ بولنا آسان ہے، جھوٹ بولنا مشکل ہے کہ وہ جھوٹ انسان کا پیچھا کرتا رہتا ہے۔ چوری کرنا مشکل ہے، مزدوری کرنا آسان ہے۔ مزدوری کر کے آپ سو روپیہ لے لیتے ہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ چوری کا ایک روپیہ لے لیتے ہیں، پیچھے سراغ رساں لگے ہوتے ہیں۔ تو جرائم کرنا مشکل کام ہے۔ دنیا کی مصیبتوں کو ہی دعوت دینا ہے۔ فرمایا، لوگ جرم کر کے تکلیفیں برداشت کر کے جہنم میں جاتے ہیں ورنہ اللہ تو اتنے کریم ہے کہ فرماتے ہیں حلال کھاؤ، جائز طریقے سے کماؤ، فرائض ادا کرو اللہ تمہیں وہ نعمتیں دے گا جو کبھی تمہارے خیال میں بھی نہیں آسکتیں فرمایا: وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ○ جو اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں ان کا قیامت کے بارے کیا خیال ہے کیا ان کے پاس کوئی جواب ہے کہ یا اللہ اس لیے اس کو جائز قرار دیا۔ بیشک اللہ بہت مہربان ہے لیکن اکثریت ان کی ہے لَا يَشْكُرُوْنَ60 جو اس کا شکر ادا نہیں کرتے ناشکری کرتے ہی، گستاخی کرتے ہیں، جرم کرتے ہیں اور خود کو کھینچ تان کر غضب الٰہی کی زد میں لے جاتے ہیں۔

اللہ کریم ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے ہمیں نیکی کی توفیق دے اور میں پھر عرض کروں گا کہ آج کا دن مساجد میں گزارنے کا ہے آج کا دن باوضو رہنے کا دن ہے آج کا دن کثرت عبادت کا دن ہے آج کا دن کثرت درود کا دن ہے کثرتِ صلوٰۃ وسلام کا دن ہے اور صلوٰۃ وسلام اور درود کا بھی ایک سلیقہ ایک ادب اور ایک طریقہ ہے۔

اللہ اللہ۔ اللہ ہم سب کو ہدایت دے ہمارے گناہ معاف فرمائے اور اطاعت اور نیکی کی توفیق دے۔

سورۃ یونس رکوع 7 آیات 61 تا 70

أَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَا تَكُوۡنُ فِىۡ شَاۡنٍ وَّمَا تَتۡلُوۡا مِنۡهُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ وَّلَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا
كُنَّا عَلَيۡكُمۡ شُهُوۡدًا اِذۡ تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ‌ؕ وَمَا يَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّكَ مِنۡ
مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰ لِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرَ اِلَّا
فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ۝٦١ اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝٦٢
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ۝٦٣ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى
الۡاٰخِرَةِ‌ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِـكَلِمٰتِ اللّٰهِ‌ؕ ذٰ لِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝٦٤ وَلَا يَحۡزُنۡكَ
قَوۡلُهُمۡ‌ۘ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا‌ؕ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝٦٥ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِى
السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
شُرَكَآءَ‌ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ۝٦٦ هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ
لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ
يَّسۡمَعُوۡنَ ۝٦٧ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا‌ سُبۡحٰنَهٗ‌ؕ هُوَ الۡغَنِىُّ‌ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۢ بِهٰذَا‌ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
تَعۡلَمُوۡنَ ۝٦٨ قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ۝٦٩ مَتَاعٌ
فِى الدُّنۡيَا ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ نُذِيۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ بِمَا كَانُوۡا
يَكۡفُرُوۡنَ ۝٧٠

اور آپ خواہ کسی حال میں ہوں اور قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہوں اور ایسے ہی تم لوگ جو بھی کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو تو ہم بھی تمہارے سامنے ہوتے ہیں اور آپ کے پروردگار سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی اس سے چھوٹی چیز اور نہ (اس سے) بڑی مگر یہ کہ روشن کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے ﴿61﴾ جان لو بے شک جو اللہ کے دوست ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ افسوس کریں گے ﴿62﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے تھے ﴿63﴾ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں یہی تو بڑی کامیابی ہے ﴿64﴾ اور آپ کو ان کی باتیں آزردہ نہ کریں یقیناً ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے (اور) وہ سننے والے جاننے والے ہیں ﴿65﴾ یاد رکھو! یقیناً جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے (فرشتے، انسان) سب اللہ ہی کا ہے اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شریکوں کی عبادت کر رہے ہیں وہ صرف اپنے خیال (باطل) کی پیروی کرتے ہیں اور محض انکل دوڑا رہے ہیں ﴿66﴾ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کر سکو اور دن روشن بنایا (کہ کام کر سکو) جو لوگ سماعت رکھتے ہیں بے شک اس میں ان کے لیے نشانیاں ہیں ﴿67﴾ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے (نعوذ باللہ) وہ (اولاد) سے پاک ہے اس کی ذات بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اسی کا ہے تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں کیا تم اللہ پر ایسی باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟ ﴿68﴾ فرما دیجیے یقیناً جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے ﴿69﴾ (ان کے لیے) دنیا میں تھوڑے فائدے ہیں پھر ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر ہم ان کو شدید عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر کیا کرتے تھے ﴿70﴾

تفسیر و معارف

تفسیر ومعارف

فرمایا: وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا آپ کسی حال میں بھی ہوں اور قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہوں یا اسی طرح تم سب لوگ کوئی بھی کام کرتے ہو تو ہم بھی تمہارے سامنے ہوتے ہیں۔ یعنی بندے کا کوئی حال، کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ اسے اللہ کریم دیکھ نہ رہے ہوں۔ فرمایا اللہ کریم ہر جگہ، ہر آن، ہر لمحہ ہر چیز پر خود گواہ ہیں، خود دیکھ رہے ہیں، ذاتی طور پر ہر آن ہر جگہ موجود ہیں۔ یہاں جو خطاب حضور اکرم ﷺ کو ہے اور جو عامۃ الناس کو ہے دونوں میں یہ بات بڑی واضح ہے کہ کوئی کچھ بھی کر رہا ہو وہ اللہ کریم کے روبرو کر رہا ہے۔

زندگی بھر کی اصلاح کا نسخہ:

بندۂ مومن کی زندگی بھر کی اصلاح کے لیے یہ ایک آیہ کریمہ ہی کافی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسے اللہ کی ذات اور اس کی صفات پر جو نبی کریم ﷺ نے بتائی ہیں، یقین کامل ہو۔ جب قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ کر اس کا صحیح مفہوم مسلمانوں کے سامنے بیان کیا جائے تو زیادہ تر لوگ ناراض ہو جاتے ہیں۔ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ قرآن بھی ایسا ہونا چاہیے جیسا وہ چاہتے ہیں اور قرآن یہ چاہتا ہے کہ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جیسا اللہ چاہتا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ آج مسلمان ہو کر ہمیں یہ مشکل لگتا ہے کہ اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے۔

اللہ کریم اپنی رحمتِ بے پایاں کی طرف متوجہ فرما رہے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ ہوتا ہوں، دیکھ رہا ہوتا ہوں، سن رہا ہوتا ہوں اور جب تم کسی کام میں مصروف ہوتے ہو تو بھی میں تمہارے سامنے ہوتا ہوں سب کچھ ملاحظہ کر رہا ہوتا ہوں، وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ 61

آپ کے پروردگار سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں نہ کوئی چھوٹی چیز نہ بڑی سب کچھ لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے۔

لوحِ محفوظ ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ موجود ہے۔ زمینوں آسمانوں کی باریک سے باریک چیز موجود ہے۔ کوئی سچ بولتا ہے یا جھوٹ، اچھی بات کرتا ہے یا غلط کہتا ہے، اچھا سلوک کرتا ہے یا برا، کائنات میں ارض وسماء میں کوئی ایسی بات نہیں جو وقوع پذیر ہو لیکن لوحِ محفوظ میں نہ لکھی ہو۔ لوحِ محفوظ میں سب کچھ محفوظ ہے لیکن علمِ الٰہی تو

ناپیدا کنار ہے۔ اس کی تو کوئی حد نہیں۔ علم الٰہی کی کوئی انتہا نہیں۔ جس طرح اس کی ذات لامحدود ہے اسی طرح اس کا علم بھی لامحدود ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی تکلیفوں سے گھبرا کر اللہ کو چھوڑ کر دوسرے آسرے تلاش کرنے نہ لگ جایا کرو۔ کیا میں تمہارے پاس نہیں ہوں، کیا تم میری بارگاہ میں عرض نہیں کر سکتے، کیا تم مجھے نہیں پکار سکتے؟

یہ آیہء کریمہ اصلاح کا نسخہ بتا رہی ہے کہ جب بندے کو یہ یقین ہو کہ مجھے معیتِ باری حاصل ہے۔ میرا ربّ، میرا پروردگار، میرا اللہ، میرا معبودِ برحق میرے پاس ہے اور وہ بڑا قادر ہے جو چاہے اور جب چاہے کر سکتا ہے تو پھر پریشانی کیسی؟ پھر تو کسی بات میں کوئی پریشانی نہیں رہی۔ بعض اوقات اللہ کریم توبہ قبول فرماتے ہوئے کسی بڑی تکلیف کو کسی چھوٹی تکلیف سے بدل دیتے ہیں لیکن چونکہ بندے کے علم میں نہیں ہوتا اس لیے وہ اس چھوٹی تکلیف کو بڑا سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کے بدلے میں کتنی خطائیں معاف ہو گئی ہوں گی۔ کتنی بڑی تکلیف ٹل گئی ہوگی۔

عظمت رسالت ﷺ!

قرآن کریم کا نزول حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات پر قربِ الٰہی کا ایک انتہائی لمحہ ہے اس کی اپنی لذت اور کیفیت ہے۔ اللہ کریم جب اپنے نبی ﷺ کو خطاب فرماتے ہیں تو اس کلام میں، اس خطاب میں، کیا لذت کیا کیف ہے، یہ اللہ جانے اور اللہ کا حبیب ﷺ۔ لیکن سب سے مشکل مرحلہ وہ تھا جب مشرکینِ عرب کو کفار کو اور یہود و نصاریٰ کو قرآن سنایا گیا۔ کفار و مشرک جو اپنی انانیت میں گرفتار، لوگوں پر اپنی مرضی مسلط کرنے کے قائل تھے، ان کے سامنے عظمتِ الٰہی بیان کرنے کا حوصلہ صرف اللہ کے رسول ﷺ کا ہے۔ یقیناً یہ بہت مشکل مرحلہ تھا کہ حضور ﷺ ان لوگوں کو قرآن کریم سناتے، اپنی رسالت پیش کرتے جو بت پرست تھے اور بتوں کی آڑ میں خود خدا بنے ہوئے تھے۔ بتوں کے حوالے سے اپنی خواہشات مسلط کرتے تھے۔ اپنے خلاف کچھ سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ انہیں قرآن سناتے تو وہ ایذا رسانی پر اتر آتے۔

اللہ کریم نے ان سارے دکھوں، تکلیفوں کا خوب صورت جواب دیا۔ فرمایا، اے میرے حبیب ﷺ! میں آپ کے کسی حال سے ناآشنا نہیں ہوں۔ آپ کسی حال میں ہوں میں آپ کے پاس ہوتا ہوں۔ آپ قرآن پڑھتے ہیں، کفار کو سناتے ہیں، ان کا جو ردِعمل آتا ہے، آپ ﷺ پر پتھر پھینکتے ہیں، توہین کرتے ہیں، ایذا دیتے ہیں یا آپ ﷺ کے صحابہؓ کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں تو کوئی ایسی بات نہیں کہ اللہ کریم کو اس کا علم نہیں **وَمَا تَكُوْنُ فِیْ**

شَأْنٍ میں خود وہاں موجود ہوتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ کے ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ انسانوں میں سے سب سے زیادہ تکالیف انبیاءؑ پر آتی ہیں اور فرمایا تمام انبیاءؑ میں سے سب سے زیادہ تکلیفیں مجھ پر آئیں۔ تو کیا کسی نے حضور اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے شکایت کا ایک لفظ بھی سنا۔ اس لیے کہ اللہ کریم نے فرمادیا کہ میں ہر لمحہ موجود ہوتا ہوں اور نبیؑ کا یقین کامل تھا کہ اللہ کریم موجود ہوتے ہیں۔

ایمان کی بنیاد:

اس دارِ دنیا میں ان آنکھوں سے اور ان حواس سے اللہ کریم کو دیکھنا ممکن نہیں۔ یہ صرف نورِ ایمان ہے۔ انبیاءؑ کی بات اور ہے۔ انبیاءؑ جانیں اور ان کا مالک اللہ رب العالمین جانے۔ ان کی کیفیات کیا ہیں یہ میں اور آپ نہیں سمجھ سکتے۔ انبیاءؑ کی بات اور ہے اور یہ الگ موضوع ہے انبیاءؑ کے دیکھنے نہ دیکھنے پر علماء نے بحث کی ہے یہ الگ بات ہے۔ میں اپنی اور اپنی سطح کے لوگوں کی بات کر رہا ہوں کہ انسان اس دنیا میں اپنے حواس کے ذریعے اللہ جل شانہٗ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اللہ کریم کے روبرو ہونے کا احساس حاصل کرنے کا ذریعہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے حضور ﷺ کے فرما دینے پر مکمل ایمان و یقین اور ایمان کی بنیاد بھی یہی ہے۔ حضور ﷺ کے ارشادات پر یقین ایمان کی بنیاد ہے۔ بعض لوگ خود کو اہل قرآن کہلواتے ہیں انہیں حدیث بیان کی جائے، سنتِ رسول ﷺ سنائی جائے تو کہتے ہیں یہ بات قرآن سے ثابت کرو۔

قرآن سے تو زندگی کا ہر شعبہ ثابت ہے لیکن ذکر اجمالی ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر صاحبِ قرآن محمد رسول اللہ ﷺ بتاتے ہیں۔ یعنی وہی ہستی بتاتی ہے جس پر قرآن نازل ہوا۔ مثلاً قرآن میں اللہ نے حکم دیا اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ لفظ صلوٰۃ عربی میں دعا کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ صلوٰۃ کا معنیٰ ہی دعا ہے۔ حکم دیا جارہا ہے صلوٰۃ قائم کرو۔ اب کون متعین کرے گا کہ صلوٰۃ کیا ہے؟ یہ کام محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ آپ ﷺ نے دن بھر کی صلوٰۃ کے اوقات مقرر فرمائے ہر صلوٰۃ میں کتنی رکعات ہوں گی، ان میں کیا پڑھا جائے گا، رکوع، اس کی تسبیح، سجود، ان کی تسبیح، جلسہ، تشہد غرض فجر تا عشاء صلوٰۃ ادا کرنے کا مکمل طریقہ سکھا دیا۔ یہ ساری تفصیل قرآن حکیم میں نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے ارشادات میں ہے۔

خود کو اہل قرآن کہلوانے والوں سے یہ پوچھا جائے کہ کس نے بتایا کہ یہ قرآن ہے۔ وحی الٰہی کا دنیا میں حضور ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ ہی نہیں۔ صرف ایک ہستی محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ وحی نازل ہوئی اور یہ

خود کو اہل قرآن کہلوانے والوں سے یہ پوچھا جائے کہ کس نے بتایا کہ یہ قرآن ہے۔ وحی الٰہی کا دنیا میں حضور ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ ہی نہیں۔ صرف ایک ہستی محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ وحی نازل ہوئی اور یہ قرآن کی آیت ہے۔ جب یہ لوگ یہ تو مانتے ہیں کہ یہ قرآن کی آیت ہے تو اس آیت کی جو شرح اسی زبانِ حق ترجمان ﷺ نے فرمائی اس کو کیسے نہ مانا جائے؟ جو ارشاد رسول ﷺ کا انکار کرے گا وہ قرآن کا بھی انکار کرے گا۔

اللہ کے روبرو جینے کی لذت:

فرمایا جارہا ہے کہ ہر دکھ، ہر تکلیف، ہر مصیبت، ہر ضرورت، بندے کا کوئی حال ایسا نہیں ہے کہ جو بندے پر آئے اور اللہ کریم وہاں موجود نہ ہوں۔ اللہ رب العالمین بھی ہے، خالق، مالک اور پروردگار ہے جو ہر وقت پاس موجود ہے اور ہر چیز پر قادر بھی ہے تو پھر اسے چھوڑ کر دوسری طرف کیوں دیکھا جائے۔ جب دکھ اور تکلیف آتی ہے تو جس ہستی کے لیے وہ دکھ اٹھایا جاتا ہے اگر وہ خود ملاحظہ کر رہی ہو، خود سامنے موجود ہو تو دکھ اٹھانے میں بھی لذت آتی ہے۔ جیسے کوئی اپنے والدین کی خدمت کے لیے مشقت اٹھاتا ہے اور والدین خود اس کی محبت و محنت دیکھ رہے ہیں تو مشقت اٹھانے کی تکلیف ہونے کے بجائے ایک سکون ملتا ہے، لطف آتا ہے کہ جس کے لیے میں دکھ اٹھا رہا ہوں کم از کم وہ تو دیکھ رہا ہے۔ فرمایا، اگر آپ اللہ کے لیے محنت کر رہے ہیں۔ اس راہ کی مشکلات کی پروا نہیں کرتے تو پھر اللہ کریم کے موجود ہونے کی لذت آنی چاہیے۔ اس دکھ تکلیف میں لذتِ حضوری سے آشنا ہونا چاہیے۔

اور یہی نہیں کہ حضور ﷺ قرآن پیش فرما کر دکھ اٹھاتے رہے بلکہ فرمایا عامۃ المسلمین میں سے بھی جو کوئی اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا اللہ اور اللہ کے نبی علیہ السلام کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ کریم دیکھ رہے ہوتے ہیں **كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا** ہم گواہ ہوتے ہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں، سن رہے ہوتے ہیں۔ اطاعت کرنے والے کو تو کئی گنا لذت نصیب ہوتی ہے کہ میں جس کی بندگی کر رہا ہوں، جس جل شانہٗ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کر رہا ہوں وہ خود ملاحظہ فرما رہا ہے تو اس کے لیے یہ صلہ کافی ہے۔ اس سے مزید جو عطا ہو گا وہ محض اللہ کی عطا ہے لیکن جو نافرمانی کر رہے ہیں وہ بھی سن لیں کہ وہ یہ کام اللہ کے روبرو کر رہے ہیں۔ یعنی جو گناہ کر رہا ہے وہ اس عظیم خالق، قادر مطلق کے سامنے کر رہا ہے، جس نے اس سے روکا ہے۔ اس طرح سوچا جائے تو جرم کی نوعیت کتنی بڑھ جاتی ہے۔

خوف وغم سے آزاد:

فرمایا، **اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۶۲﴾** یہ بات جان لو کہ جو اللہ کے دوست ہیں بلاشبہ انہیں نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

گا۔ میں اسے اپنی دوستی کا اعلیٰ مقام عطا کرتا ہوں اور جس نے میرے نبی ﷺ کا اتباع نہیں کیا میں اسے اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ اتباعِ رسالت کے اثرات معمولی نہیں ہیں۔ جو خلوصِ دل سے اتباعِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کرتا ہے اللہ کریم اسے اپنی دوستی کا شرف عطا کرتا ہے۔ کہاں مشت غبار اور کہاں خالقِ کائنات! کوئی نسبت نہیں بنتی سوائے مخلوق اور خالق ہونے کے۔ اس کے باوجود فرماتے ہیں یہ میرے دوستوں میں سے ہے۔

فرمایا، جنہیں میری دوستی کا شرف نصیب ہے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ انہیں کوئی خطرہ نہیں۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ 62 اور نہ انہیں کوئی افسوس ہوگا۔ آنے والے وقت کے بارے جو اندیشے لاحق ہوتے ہیں وہ خوف کہلاتا ہے یعنی آئندہ کا خدشہ کہ میرے ساتھ یہ نہ ہو جائے، وہ نہ ہو جائے اسے خوف کہتے ہیں اور افسوس سے مراد پچھتاوا ہے کہ کاش ایسا نہ کیا ہوتا۔ یہ کیا ہوتا، وہ نہ کیا ہوتا۔ فرمایا نہ انہیں خوف ہوگا کہ موت آئے گی، قیامت قائم ہوگی تو کیا ہوگا۔ میزانِ عدل پر کیا ہوگا، پل صراط پر جہنم کے اوپر سے کیسے گزریں گے۔ فرمایا، جنہیں میری دوستی نصیب ہوگئی انہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ دنیا تلپٹ ہو جائے گی، زمین و آسمان تباہ ہو جائیں گے لیکن جو میرے دوست ہیں انہیں کوئی کھٹکا بھی محسوس نہ ہوگا۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ 62 نہ انہیں اپنے کیے پر پچھتاوا ہوگا۔ انہیں تو اس بات پر فخر ہوگا کہ ہم نے اللہ کے نبی ﷺ کی غلامی کی اور اس کے بدلے ہمیں اللہ کی دوستی نصیب ہوئی۔

علامہ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ میدانِ حشر میں لوگ قبروں سے اٹھ کر محشر کی طرف دوڑیں گے۔ اخروی حقائق سامنے ہوں گے جیسا کہ ارشادِ باری ہے وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ○ (الشعراء:90) جنت بھی قریب ہوگی وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ○ (الشعراء:91) اور جہنم بھی کھینچ کر لائی جائے گی کہ اب دیکھ لو یہ دوزخ ہے۔ نافرمانوں کی جگہ ہے۔ اس وقت صحابہ کرامؓ میں سے ایسے شہداء ہوں گے جن کے وجود زخموں سے چور، لباس تار تار ہوں گے۔ وہ اٹھ کر سیدھا جنت کے دروازے پر چلے جائیں گے اور تلوار کے دستے سے دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ جنت کا دربان عرض کرے گا ابھی تو آپ قبروں سے اٹھے ہیں۔ ابھی آپ کو عرصہ محشر میں جمع ہونا ہے۔ پھر میزان پر اعمال تولے جائیں گے، پل صراط سے گزرنا ہوگا۔ آپ سیدھے یہاں پہنچ گئے اور دروازہ پیٹ رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ اللہ کریم کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور عرض کریں گے بارالٰہا ہم گمراہ تھے۔ ہمیں علم نہیں تھا کہ کیا اچھا ہے کیا برا ہے۔ آپ نے اپنا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرما کر احسان فرمایا۔ آپ نے ہمیں توفیق دی۔ ہم نے صرف ایمان لائے بلکہ جو کچھ آپ نے ہمیں دیا تھا ہم نے آپ ﷺ کے فرمان پر قربان کر دیا۔ آپ نے ہمیں گھر دیے، اولادیں دیں ہم نے قربان کر دیں۔ نبی کریم ﷺ کے اتباع میں ہجرتیں کیں، مال قربان کیا، جان بچی تھی وہ بھی آپ کی راہ میں نچھاور

کردی تو یہ آپ کا فرشتہ ہم سے کس چیز کا حساب مانگتا ہے ہمارے پاس بچا کیا ہے، کس بات کا حساب دیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا بارگاہِ الوہیت سے حکم ہوگا کہ جنت کے سب دروازے کھول دو، ان کی مرضی کہ یہ کس دروازے سے کہاں تک جانا چاہتے ہیں۔

یہ مقام و مرتبہ ہوگا اللہ کے دوستوں کا، اولیاء اللہ کا، جنہیں اللہ نے یہ عظمت بخشی مشتِ غبار ہونے کے باوجود فرمایا کہ یہ میرے دوست ہیں لیکن وہ دوست کون ہوں گے، ہم انہیں کیسے پہچانیں، ہم ایسے بننا چاہیں، ہم اللہ کی دوستی حاصل کرنا چاہیں تو کیسے کریں؟

ولی اللہ کون؟

فرمایا، اللہ کا ولی وہ ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ 63 اللہ کریم نے کامرانیءحیات کی اتنی بڑی داستان اس ایک چھوٹے سے جملے میں سمو دی۔ (سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم!) فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جنہیں حضور اکرم ﷺ کے کسی فرمان پر کبھی رتی برابر شبہ نہیں ہوا۔ توحید باری سے لے کر فرشتوں کے وجود، آخرت، قیامت، عذاب و ثواب، اللہ کے حاضر و ناظر ہونے، نیکی بدی کے بارے جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا اس پر انہیں یقین کامل نصیب ہوگیا یعنی ان کا عقیدہ کھرا رہا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ 63 اور زندگی کے ہر معاملے میں انہوں نے تقویٰ اختیار کیا، پرہیز گاری اختیار کی۔ اکثر تراجم میں تقویٰ کا معنی ڈرنا لکھا جاتا ہے لیکن تقویٰ عام معنوں میں استعمال ہونے والا ڈر نہیں ہے۔ ڈرتا تو شیطان بھی ہے جیسے اس نے یومِ بدر کہا تھا اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰہَ ؕ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۠ (الانفال:48) میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ اللہ کی طاقت سے ڈرتا ہے کہ اللہ قادر ہے، زبردست ہے، جب چاہے کسی کو تباہ کر دے۔ یہ ڈر تو شیطان کو بھی ہے۔ تقویٰ وہ ڈر ہے کہ جو تعلق باللہ بواسطہ حضور اکرم ﷺ ہمیں اللہ کریم سے نصیب ہوگیا کہیں اس میں کوئی بال نہ آجائے۔ اللہ تو ہر مومن سے دوستی کرتا ہے۔ ہر مومن کی اللہ سے دوستی ہے۔ اس دوستی میں جب نافرمانی سے بال آئے گا تو پھر دوستی نہ رہے گی۔ تو تقویٰ اس ڈر کا نام ہے کہ جب یہ خطرہ لاحق ہوجائے کہ بات کروں گا دوستی میں بال آجائے گا۔ یہ کام کروں گا تو یا یہ سوچوں گا تو اللہ کریم کہیں خفا نہ ہو جائیں۔ اس بات کا ڈر کہ جو تعلق اللہ کریم سے مجھے آپ ﷺ کے طفیل نصیب ہوا ہے اس میں کہیں بال نہ آجائے اسے پرہیز گاری کہتے ہیں۔ اس چھوٹی سی آیت میں پوری تشریح ہوگئی کہ ولی اللہ کون ہے۔

ولی ہونے کی یہ دلیل نہیں ہے کہ جسے کشف ہوتا ہے وہ ولی اللہ ہے یا کسی نے دور کی بات بتادی تو وہ ولی اللہ ہے۔ یہ کام تو نجومی بھی جمع تفریق کر کے بتا دیتے ہیں جو محض اندازے ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی اندازہ صحیح ہوجاتا ہے اور

کوئی غلط۔لیکن ایمان لانے والوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ نہ کسی اور کی سنتے ہیں نہ کسی کی مانتے ہیں صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنتے ہیں، وہی مانتے ہیں اور انہیں اسی پر یقین ہے۔

ایسے لوگ اب کہاں سے لائیں۔یہاں تو یہ عالم ہے کہ ہمیں اللہ نے مسلمانوں کے گھروں میں پیدا کیا، اسلام کی نعمت عطا فرمائی اور ہمیں کوئی ٹھوکر بھی لگ جائے تو ہم کہتے ہیں فلاں رشتہ دار نے مجھ پر جادو کر دیا اس لیے مجھے یہ ٹھوکر لگی۔تو پھر رب کہاں گیا جس پر تمہارا ایمان ہے۔اگر نفع ونقصان جادوگر کے ہاتھ میں ہے تو پھر تمہارا اللہ کہاں ہے!

اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ نقصان ہو جائے تو کہو میرے رب کو یہی منظور تھا۔اس نے میرے لیے جو زندگی کا پروگرام بنایا اس میں اس بیماری کو آنا تھا۔اب وہ خود ہی اسے ٹھیک کر دے گا۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ مرض الموت میں مبتلا تھے۔ایک صحابیؓ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ کسی طبیب کو دکھایئے انہوں نے فرمایا مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے اور وہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔میرا حکیم بھی وہی ہے جس نے مجھے پیدا کیا، اب تک صحت مند رکھا، اب بیماری بھیج دی، اب جو فیصلہ چاہے کرے۔

یہاں تو قدم قدم پر اللہ کا یقین ہی اٹھا ہوا نظر آتا ہے۔اب گناہوں کے لیے بہانے تراشے جاتے ہیں۔برائی نہیں چھوڑتے قرآن وحدیث میں تاویلیں کر کے اس کا جواز تلاش کرتے ہیں ایمان تو یہ ہے کہ اللہ پر مکمل بھروسہ کیا جائے۔دنیا عالم اسباب ہے۔اسباب بھی اسی نے بنائے ہیں وہی مسبب الاسباب ہے۔جائز وسائل اختیار کیے جائیں ناجائز وسائل کی طرف قطعاً دھیان نہ کیا جائے۔

تقویٰ ایک کیفیت ایمان ہے جو ولایت سے نصیب ہوتی ہے اور اللہ کی طرف سے ہر مومن کو ولایت کا ایک درجہ نصیب ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ (البقرہ: 257) یہاں اللہ کریم نے کوئی تخصیص نہیں کی بلکہ فرمایا ہر وہ بندہ جو اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اللہ کا ولی ہے اسے ولایت کا ایک درجہ نصیب ہے۔اب اس کو بڑھانا یا اسے ختم کر دینا اس کا انحصار اس کے عقیدے اور کردار پر ہے۔عقیدے میں کمی آئی تو سرے سے گیا۔اعمال میں کمی آئی تو اس دوستی کی کیفیت میں کمی آنا شروع ہو گئی۔

اگر عقیدہ بھی درست ہے، کردار بھی پاکیزہ ہے، اعمال سنت کے مطابق ہیں اور کسی کو کشف نصیب ہوتا ہے تو یہ اللہ کی عطا ہے لیکن اگر عقیدے میں خرابی آ گئی یا کردار سنت کے مطابق نہ رہا تو پھر جو عجائبات ظہور پذیر ہوتے ہیں انہیں استدراج کہتے ہیں۔وہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔یاد رکھا جائے کہ کسی سے عجائبات کا ظہور سندِ ولایت نہیں ہے۔ولایت کی دلیل ہے کہ عقیدہ خالص اور کھرا ہو اور عمل عقیدے کے کھرا ہونے پر گواہ ہو۔

فرمایا، لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ایسے لوگوں کے لیے خوشخبری ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں تبدیل نہیں ہوتیں۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ 64 یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اور لوگوں کی باتیں آپ کو آزردہ نہ کریں۔لوگ تو اپنی حیثیت اپنے ناقص علم، اپنی ادھوری معلومات کے مطابق باتیں کرتے ہیں۔جس کا جو جی چاہے کہے۔اگر معاملہ اللہ سے درست ہے تو لوگوں کی کیا پروا اور اگر معاملہ اللہ سے خراب ہے تو لوگ تعریف بھی کرتے رہیں تو کیا ہوگا۔

آج یہ قاعدہ الٹ چکا ہے۔آج اکثریت یہی چاہتی ہے کہ یہ کروں گا تو لوگ کیا کہیں گے۔حکم تو یہ دیا جا رہا ہے کہ ہر کام میں سوچو یہ کروں گا تو عنداللہ کیا نتیجہ نکلے گا؟ اللہ کریم راضی ہوں گے یا خفا لیکن مسلمانوں کی اکثریت یہ سوچتی ہے، اس بات کی خواہش مند ہے کہ لوگ بہت اچھا سمجھیں۔لوگو! اللہ کا خوف کرو۔معاملہ اللہ سے درست رکھو۔اگر اللہ کے ساتھ معاملہ درست ہے تو جس کا جو چاہے کہتا رہے اور اگر اللہ سے بگڑ گئی تو لوگ ساتھ بھی رہے تو کیا کر لیں گے!

فرمایا: وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ آپ انہیں کوئی اہمیت نہ دیں اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ساری کی ساری عزت اللہ کے لیے ہے اور اللہ کے ایمان دار بندوں کے لیے ہے۔عزت وذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، لوگوں کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔لوگوں کا کیا ہے، سامنے کچھ اور کہتے ہیں اور پس پشت کچھ اور کہتے ہیں لہٰذا کسی کی بات کا دکھ نہ کیجیے اس لیے کہ ساری کی ساری عزت اللہ کریم کے دستِ قدرت میں ہے۔وہ جسے چاہے عزت دے اور جسے نہ چاہے نہ دے۔لوگ کسی کو عزت وذلت نہیں دے سکتے۔ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ 65 اللہ کریم ہر بات کو سن رہا ہے اور ہر بات سے باخبر ہے۔وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون کس خلوص سے کر رہا ہے اور یہ بھی کہ کون دکھاوے کے لیے کر رہا ہے۔کس کے دل میں کیا ہے، نیت کیا ہے اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ یہ بات یاد رکھو کوئی زمینوں میں ہے یا آسمانوں میں، سب اللہ کی مخلوق ہیں اللہ واحد ہے، لاشریک ہے۔کوئی بھی اس کا شریک نہیں کوئی اس جیسا دوسرا نہیں ہے۔وہ واحد ہے اور جو کوئی آسمانوں میں ہیں یا زمین میں ہیں سب اس کی مخلوق ہیں اور مخلوق کبھی خالق کی برابری نہیں کرسکتی کسی صفت میں اس کی شریک نہیں ہوسکتی مخلوق مخلوق ہے عدم سے وجود میں آئی ہے، معدوم ہوسکتی ہے۔خالق خالق ہے اس نے عدم سے مخلوق کو وجود بخشا پھر مخلوق پر ہر لحظہ ہر آن خالق کی عطا کی محتاج ہے۔وجود کے ایک ایک سیل کی پرورش اور تربیت اللہ کریم فرما رہے ہیں۔ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ 66 اور جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی پوجا کرتے ہیں یا اسے اللہ کریم کی ذات میں شامل اس کی

صفات میں شریک ٹھہراتے ہیں اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وہ محض اپنے گمان سے اپنے خیالات کی پیروی کرتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے مخلوق میں سے کوئی بھی نہ خالق کی ذات میں شراکت کرسکتا ہے نہ اس کی صفات میں شراکت کرسکتا ہے۔ اللہ جیسی نہ اس کی ذات ہوسکتی ہے نہ اس کی صفات ہوسکتی ہیں۔ تو جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو فرشتوں کو یا انسانوں کو یا کسی اور کو پکارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری مدد کریں گے، ہماری مشکلات آسان کریں گے یہ ہماری ضروریات پوری کریں گے وہ محض اپنے وہم کے پیچھے بھاگ رہے ہیں وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ 66 وہ محض اٹکل دوڑا رہے ہیں ان کے پاس دلیل نہیں ہے یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ جو کام اللہ کا ہے وہ مخلوق کرے یہ ممکن نہیں ہے مخلوق خود محتاج ہے جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں بتوں کو یا دیوی دیوتاؤں کو پہلی بات تو یہ ہے کہ اکثر وہ چیزیں ہیں کہ جن کا وجود ہی نہیں۔ انہوں نے اپنی اٹکل سے وجود فرض کر لیے ہیں حقیقت میں ان کا وجود ہی نہیں یا پھر پتھروں کے بت ہیں تو وہ خود بے حس ہیں ایک عام پتھر کو خود تراش کر بت بنا دیا اسی کے ساتھ کا پتھر تراش کر دیوار میں لگا دیا فرش میں لگا دیا تو وہ نہ سننے کے قابل ہیں نہ حرکت کرنے کے قابل ہیں نہ جواب دینے کے قابل ہیں وہ کسی کی مدد کیا کریں گے وہ تو اپنی مدد نہیں کر سکتے۔ کچھ نام انہوں نے فرضی طور پر دیوی دیوتاؤں کے گھڑ لیے ہیں جن کا کوئی وجود ہی نہیں۔ یہ محض اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ 66 اور محض اٹکل پچوں لڑاتے پھرتے ہیں۔ ان کے پاس عقلی یا نقلی کوئی دلیل نہیں ہے۔ مخلوق کا ہر ذرہ خود اللہ کریم کا محتاج ہے۔ ایک بڑی عجیب بات دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی رواج پا گئی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو تو پکارا جانا چاہیے۔ اللہ کے کس نیک بندے نے یہ درس دیا ہے کہ مجھے پکارو۔ کس ولی اللہ نے یہ دعوت دی ہے اور اگر کسی نے دی ہے تو وہ ولی اللہ نہیں ہوگا وہ خود گمراہ ہوگا۔ اہل اللہ کی تصانیف موجود ہیں، ان کے ارشادات موجود ہیں۔ ہر ولی اللہ نے توحیدِ باری کی اتنی تاکید کی ہے کہ آدمی لرز جاتا ہے اور ولایت الٰہی کا تو کمال یہ ہے کہ ہر ولی کو معرفت الٰہی، اللہ کی عظمت کی اپنی حیثیت کے مطابق پہچان نصیب ہوتی ہے اور جو لوگ اللہ کو پہچانتے ہیں اس کی معرفت انہیں نصیب ہے بھلا وہ کسی دوسرے کو یہ مشورہ دیں گے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر مجھے پکارو یا کسی دوسرے کو پکارو فرمایا یہ ممکن نہیں ہے اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو ولی اللہ نہیں گمراہ ہے اور جو لوگ اس کی بات مانتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں۔ دعا اللہ سے کی جاسکتی ہے اور اللہ کریم ہر وقت ہر ایک کی سن رہا ہے۔ ہاں آپ اللہ کے نیک بندوں کا اتباع کریں، ان کے ساتھ تعلق قائم کریں، ان کے وسیلے سے دعا مانگیں کہ یا اللہ میں تو گناہ گار ہوں مجھے اپنے محبوب ﷺ کے صدقے معاف فرما دے مجھے اہل اللہ کے صدقے معاف فرما دے تو آپ ان کا واسطہ وسیلہ تو دے سکتے ہیں لیکن خود انہی سے مانگنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

فرمایا هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اللہ کی ذات وہ واحد ذات

ہے جس نے تمہارے لیے رات بنادی کہ تم اس میں آرام کرتے ہو۔ یعنی مخلوق کا یہ حال ہے کہ اگر مسلسل دن رہتا تو بھی یہ زندہ نہ رہ پاتے اور مسلسل رات رہتی تو بھی یہ زندہ نہ رہ پاتے۔ مخلوق دن کو کام کرتی ہے تو اسے رات کے آرام کی بھی ضرورت ہوتی ہے تھک چور ہو کر گر جاتی ہے اس کے اعضاء کام چھوڑ دیتے ہیں اس کی آنکھیں بند ہونے لگ جاتی ہیں اس کا سر چکرانے لگ جاتا ہے اس کے جسم کی طاقت ختم ہو جاتی ہے سو کر اٹھتا ہے تو پھر سے اسے بالیدگی نصیب ہوتی ہے تو جو خود اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتی جو ذات خود اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتی وہ دوسروں کے کام کیا آئے گی۔ تو وہ قادر مطلق ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کر سکو وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اور دن کو روشن بنا دیا کہ دن کو تم اپنے امور نپٹا سکو اپنا کام کاج کر سکو اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ 67 جو لوگ توجہ سے سنتے ہیں یا سننے کی استطاعت رکھتے ہیں ان کے لیے تو اسی رات اور دن میں بہت بڑی دلیل ہے کہ اللہ کریم ہی سب کچھ کرتے ہیں اللہ واحد ہیں لاشریک ہیں اپنی ساری مخلوق کو وہی پالتے ہیں۔ تو جو خود اپنے وجود میں محتاج ہے وہ دوسرے کو کیا پالے گا دوسرے کا کیا کرے گا۔

قوت سماعت سے کیا مراد ہے؟

اس میں ان کے لیے نشانیاں ہیں اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ جو لوگ قوتِ سماعت رکھتے ہیں تو قوت سماعت تو ہر ایک بندے کو عطا فرمائی گئی ہے ہر جانور ہر جاندار کو عطا فرمائی گئی ہے تو پھر یہ پابندی کیوں کہ کچھ قوتِ سماعت رکھتے ہیں کچھ نہیں رکھتے اس کا مطلب ہے کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو نہیں رکھتے۔ تو سماعت سے مراد محض آواز سننا نہیں ہے۔ سماعت سے مراد یہ ہے کہ جو حق کو سننے کی اہلیت رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں چونکہ ہر برائی ہر گناہ انسان کے شعور، انسان کی سمجھ، اس کی سماعت کو متاثر کرتا ہے اور گناہوں کی ظلمت سماعت کو متاثر کر دیتی ہے۔ آواز تو سنتا رہتا ہے لیکن حق اس کی سمجھ میں نہیں آتا حق سنائی نہیں دیتا اور جب سمجھ ہی نہیں آتی سنائی ہی نہیں دیتا تو اسے قبول کب کرے گا عمل کیا کرے گا۔ تو فرمایا جن لوگوں کے جرائم اتنے نہیں بڑھ گئے کہ ان کے دل سیاہ ہو گئے ہوں اور قوتِ سماعت بھی مجروح ہو گئی ہو ان کے لیے صرف رات اور دن دیکھ لینے میں اور اسی پر غور کرنے میں عظمت الٰہی کی بہت بڑی دلیل ہے۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا فرمایا لوگ ایسے جاہل اور ایسے بیوقوف ہیں کہ یہ کہنے لگے اللہ کریم کی اولاد ہے اللہ کا بیٹا ہے۔ یہودیوں نے کہا عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ:30) اور عیسائیوں نے عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ سُبْحٰنَهٗ ؕ اس کی ذات پاک ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (الاخلاص:1) واحد ایک کو کہتے ہیں

لیکن واحد وہ ایک ہوتا ہے جس کی پھر تقسیم ہو سکے جس کے ٹکڑے ہو سکیں جس کے اجزا ہو سکیں جیسے یہ انگلی ایک ہے لیکن اس کے اجزا بہت سے ہیں اس کی رگیں بھی ہیں، پٹھے بھی ہے، چمڑا بھی ہے، گوشت بھی ہے، متعدد ہڈیاں بھی ہیں۔ بظاہر تو یہ ایک ہے لیکن اس کے بہت سے اجزا ہیں۔ اللہ واحد ہی نہیں اللہ احد ہے۔ احد وہ اکائی ہوتی ہے جو غیر منقسم ہو جو تقسیم نہ ہو سکے۔ تو فرمایا سُبۡحٰنَهٗ ؕ وہ تو پاک ہے ان چیزوں سے هُوَ الۡغَنِىُّ ؕ اور اس کی ذات بے نیاز ہے۔ جن کی اولاد ہوتی ہے وہ بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ اولاد کی محبت بہت کچھ کراتی ہے۔ اولاد کے دکھ، دکھ دیتے ہیں۔ اولاد کی خوشی خوشی دیتی ہے۔ وہ اولاد سے وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ بے نیاز نہیں رہ سکتے اور اللہ هُوَ الۡغَنِىُّ ؕ وہ تو بے نیاز ہے، کسی کا محتاج نہیں۔ وہ کسی کی خوش غمی سے متاثر نہیں ہوتا۔ کسی کے مرنے سے اس کی ذات، اس کی صفات متاثر نہیں ہوتیں۔ وہ بے نیاز ہے۔ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ آسمانوں، زمینوں، کائنات میں جو کچھ ہے وہ اس کی ملکیت ہے۔ وہ مالک ہے۔ اگر اولاد ہوتی تو اولاد تو باپ کی جائیداد کی وارث ہوتی ہے اس کی مالک ہوتی ہے تو اللہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ یہ جاہل ہیں۔ انہوں نے سمجھا ہی نہیں زمینوں میں آسمانوں تو جو کوئی ہستی ہے انسانوں میں ہے یا فرشتوں میں ہے سب اللہ جل شانہٗ کی مخلوق ہے اس کی ذات کی ملکیت ہے کسی کو بہت بے پناہ عظمتیں عطا کیں تو یہ اس کی عطا کہلائے گی اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ فرمایا یہ جو کہتے ہیں اللہ کے بیٹا ہے تو ان سے پوچھیے کیا اس کے بارے تمہارے پاس کوئی دلیل ہے، کسی آسمانی کتاب نے یہ بات بتائی یا اللہ کے کسی نبیؑ یا رسولؐ نے یہ بات بتائی۔ کوئی عقلی دلیل تمہارے پاس ہے یہ بات تو عقلاً ویسے ہی محال ہے اور اگر تم ایسا کہتے ہو تو تمہارے پاس کیا دلیل ہے اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝٦٨ یا تم اللہ پر ایسی باتیں کہتے ہو جن کی تم کو خود بھی خبر نہیں محض قیاس اور انکل پچو لڑا کر اللہ پر ایسی باتیں کہتے ہو جن کی خبر خود تم کو بھی نہیں قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡـكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ 69 اور ان سے فرما دیجیے کہ جو بھی اللہ کریم پر جھوٹ بولتے ہیں اور افتراء کرتے ہیں لَا يُفۡلِحُوۡنَ 69 وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے کبھی فلاح نہیں پائیں گے دونوں عالم میں رسوا ہوں گے وہ دنیا میں بھی تڑپتے اور سسکتے رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کا حال بہت برا ہوتا ہے۔ ان کی دنیا اور آخرت، دونوں جہان تباہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کریم پر جھوٹ بولنا اور اللہ کریم پر تہمتیں لگانا اور اپنی عقل سے گھڑ کر اللہ کریم کے ذمے لگانا یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس کی سزا بہت شدید ہے۔ ایسا کرنے والے دنیا میں بھی رسوا ہوتے ہیں، ذلیل ہوتے ہیں تباہ ہوتے ہیں اور آخرت تو ان کی تباہ ہو گئی کبھی فلاح نہیں پا سکتے کبھی کہیں کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ مَتَاعٌ فِى الدُّنۡيَا ہو سکتا ہے دنیا میں انہیں کوئی دنیوی نعمتیں مل جائیں، دنیوی عہدے مل جائیں، دولت مل جائے لیکن یہ دولت یہ

عہدے یہ سب کچھ مل بھی جائے تو انہیں سکون نہیں ملتا فلاح نصیب نہیں ہوتی۔ بظاہر قیمتی لباس بھی پہنا ہوا ہو تو اندر دوزخ بھڑک رہا ہوتا ہے۔ سکون سے سانس نہیں لے سکتے۔ رات دن مرتے جیتے ہی رہتے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا میں کتنا رہیں گے؟ جتنے وسائل ہوں گے جتنا بڑا عہدہ ہوگا تو اور جرم کرتے رہیں گے اور گناہ کرتے رہیں گے۔ چونکہ نیکی تو انہیں نصیب نہیں۔ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اللہ کے انبیاء کا اتباع نہیں کرتے تو اگر دنیا میں وسائل ہوں گے تو زیادہ برائیاں کریں گے اپنے اوپر مزید بوجھ لادیں گے لہٰذا یہ بھی کوئی کامیابی نہیں ہے کہ بندہ زیادہ سے زیادہ گناہ کرتا جائے اور سمجھے میں بڑا کامیاب ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جرائم اندر ہی اندر بندے کو کھاتے رہتے ہیں ایسے لوگ پریشان رہتے ہیں کہ ان کے اندر دوزخ بھڑکتا رہتا ہے اور یہ دنیا چند روز ہے۔ ہر چیز یہیں چھوڑ کر مر جائے گا۔ دولت بھی مل جائے دولت رہ جائے گی۔ بندہ چلا جائے گا۔ بدکاروں کو وسائل مل جائیں اللہ کی طرف سے مہلت مل جائے تو یہ بھی ایک سزا ہے کہ وہ اور گناہ کرتے رہتے ہیں اور پھر جب ان کی بارگاہ الوہیت میں واپسی ہوگی ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ 70 زندگی کی ڈور ٹوٹے گی تو شدید عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے برزخ میں رہیں گے تو شدید عذاب ہوگا۔ آخرت میں جائیں گے تو اس سے بڑھ کر عذاب ہوگا اس لیے کہ وہ اللہ سے کفر کیا کرتے تھے۔ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا دنیا میں چند روزہ اگر کچھ فرصت مل گئی ہے، اگر ان کے پاس دولت آگئی ہے، اقتدار آگیا ہے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، بدکار کو دنیا کا ناجائز وسائل سے حصہ مل جانا بھی اللہ کی طرف سے سزا ہے کہ اس کے پاس گناہ کرنے کی مہلت آگئی، وسائل بھی آگئے، مزید جرائم کرتا رہتا ہے اور مزید دوزخ میں نیچے دھنستا چلا جاتا ہے لیکن آخر کار کہاں جائیں گے؟ فرمایا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ واپس میری بارگاہ میں ہی آنا ہے اور جب میری بارگاہ میں حاضر ہوں گے نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ تو ہم انہیں بہت سخت عذاب چکھائیں گے بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ کہ وہ کفر کیا کرتے تھے، عظمت الٰہی کا انکار کرتے تھے، انبیاء کا اتباع نہیں کرتے تھے۔ عقیدے بھی اپنی خواہشات کے مطابق بنا لیتے تھے اور اعمال بھی اپنی مرضی سے کرتے تھے۔ انہوں نے نہ عظمت باری کی پرواہ کی نہ انبیاء کی تعلیمات کی پروا کی جس کا نتیجہ یہ عذاب ہے۔

عہدے یہ سب کچھ مل بھی جائے تو انہیں سکون نہیں ملتا فلاح نصیب نہیں ہوتی۔ بظاہر قیمتی لباس بھی پہنا ہوا ہوتو اندر دوزخ بھڑک رہا ہوتا ہے۔ سکون سے سانس نہیں لے سکتے۔ رات دن مرتے جیتے ہی رہتے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا میں کتنا رہیں گے؟ جتنے وسائل ہوں گے جتنا بڑا عہدہ ہوگا تو اور جرم کرتے رہیں گے اور گناہ کرتے رہیں گے۔ چونکہ نیکی تو انہیں نصیب نہیں۔ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اللہ کے انبیاء کا اتباع نہیں کرتے تو اگر دنیا میں وسائل ہوں گے تو زیادہ برائیاں کریں گے اپنے اوپر مزید بوجھ لادیں گے لہٰذا یہ بھی کوئی کامیابی نہیں ہے کہ بندہ زیادہ سے زیادہ گناہ کرتا جائے اور سمجھے میں بڑا کامیاب ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جرائم اندر ہی اندر بندے کو کھاتے رہتے ہیں ایسے لوگ پریشان رہتے ہیں کہ ان کے اندر دوزخ بھڑکتا رہتا ہے اور یہ دنیا چند روز ہے۔ ہر چیز یہیں چھوڑ کر مرجائے گا۔ دولت بھی مل جائے دولت رہ جائے گی۔ بندہ چلا جائے گا۔ بدکاروں کو وسائل مل جائیں اللہ کی طرف سے مہلت مل جائے تو یہ بھی ایک سزا ہے کہ وہ اور گناہ کرتے رہتے ہیں اور پھر جب ان کی بارگاہ الوہیت میں واپسی ہوگی ثُمَّ نُذِيۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ 70 زندگی کی ڈور ٹوٹے گی تو شدید عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے برزخ میں رہیں گے تو شدید عذاب ہوگا۔ آخرت میں جائیں گے تو اس سے بڑھ کر عذاب ہوگا اس لیے کہ وہ اللہ سے کفر کیا کرتے تھے۔ مَتَاعٌ فِي الدُّنۡيَا دنیا میں چند روزہ اگر کچھ فرصت مل گئی ہے، اگر ان کے پاس دولت آگئی ہے، اقتدار آگیا ہے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، بدکار کو دنیا کا ناجائز وسائل سے حصہ مل جانا بھی اللہ کی طرف سے سزا ہے کہ اس کے پاس گناہ کرنے کی مہلت آگئی، وسائل بھی آگئے، مزید جرائم کرتا رہتا ہے اور مزید دوزخ میں نیچے دھنستا چلا جاتا ہے لیکن آخر کار کہاں جائیں گے؟ فرمایا ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ واپس میری بارگاہ میں ہی آنا ہے اور جب میری بارگاہ میں حاضر ہوں گے نُذِيۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ تو ہم انہیں بہت سخت عذاب چکھائیں گے بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ کہ وہ کفر کیا کرتے تھے، عظمت الٰہی کا انکار کرتے تھے، انبیاء کا اتباع نہیں کرتے تھے۔ عقیدے بھی اپنی خواہشات کے مطابق بنا لیتے تھے اور اعمال بھی اپنی مرضی سے کرتے تھے۔ انہوں نے نہ عظمت باری کی پرواہ کی نہ انبیاء کی تعلیمات کی پروا کی جس کا نتیجہ یہ عذاب ہے۔

سورۃ یونس رکوع 8 آیات 71 تا 82

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ
مَّقَامِىْ وَتَذْكِيْرِىْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ
وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَىَّ وَلَا
تُنْظِرُوْنِ ﴿٧١﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ
وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى
الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ
فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ
نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٤﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوْسٰٓى
اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْۤا
اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى
الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ
عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾

اور آپ ان کو نوح (علیہ السلام) کا قصہ پڑھ کر سنایئے جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم کو میرا (وعظ و تبلیغ میں) رہنا اور اللہ کی آیات سے نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں تو تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر جو کرنا چاہو طے کرلو پھر تمہیں اپنے کام میں شبہ نہ رہے پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو ﴿71﴾ پھر اگر تم نے منہ پھیر لیا تو میں نے تو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں ﴿72﴾ پس انہوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے بچالیا اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بنادیا (آباد کردیا) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو غرق کردیا۔ سو دیکھو جن لوگوں کو ڈرایا جاچکا تھا ان کا کیسا انجام ہوا ﴿73﴾ پھر ان کے بعد ہم نے کتنے پیغمبر ان قوموں کی طرف بھیجے پس وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کی پہلے تکذیب کر چکے تھے اس پر ایمان لے آتے اسی طرح ہم حد سے نکلنے والوں کے دلوں پر مہر کردیتے ہیں ﴿74﴾ پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ گنہگار لوگ تھے ﴿75﴾ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو کہنے لگے بے شک یہ تو صاف صاف جادو ہے ﴿76﴾ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس حق آیا تو کیا تم اس کے بارے یہ کہتے ہو کہ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتے ﴿77﴾ وہ لوگ کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس

اس لیے آئے ہو کہ جس (راہ) پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اس سے ہم کو پھیر دو اور ملک میں تم دونوں کی سرداری ہو جائے؟ اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ﴿78﴾ اور فرعون نے (اپنے سرداروں سے) کہا کہ تمام ماہرِ فن جادوگروں کو میرے پاس حاضر کر دو ﴿79﴾ پس جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا جو تم کو ڈالنا ہو ڈالو ﴿80﴾ پس جب انہوں نے (رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا جو کچھ تم بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے بے شک اللہ اس کو عنقریب درہم برہم کر دے گا یقیناً اللہ شریروں کے کام سنوارا نہیں کرتے ﴿81﴾ اور اللہ اپنے حکم سے سچ کو سچ ثابت کر دیں گے اور اگر چہ گناہگاروں کو برُا ہی لگے ﴿82﴾

تفسیر ومعارف

فرمایا، وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ، آپ انہیں نوحؑ کا قصہ سنا دیجیے۔ نوحؑ کے حالات بیان فرما دیجیے اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ 71 نوحؑ بہت طویل العمر ہوئے ہیں۔ بعض روایات میں ان کی عمر ساڑھے چودہ سو سال بتائی گئی ہے لیکن حضرتؒ فرماتے تھے کہ نوحؑ سولہ سو سال زندہ رہے اور صدیوں انہوں نے تبلیغ کی ساڑھے آٹھ سو سال قوم کو پیغام ہدایت دیتے رہے بہت محنت کی اور کتنی استقامت سے کی۔ پوری قوم مخالفت کرتی رہی، ایذا دیتی رہی، تکلیفیں دیتی رہی، مذاق اڑاتی رہی لیکن وہ استقامت کے ساتھ توحید باری کی طرف بلاتے رہے۔ پھر جب ساڑھے آٹھ سو سال میں قوم نے قبول نہیں کیا بلکہ ان کی طرف سے ایذا بہت بڑھ گئی تو نوحؑ نے قوم سے فرمایا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اے قوم اے لوگو! اگر تمہیں میرا اللہ کی آیات کے متعلق نصیحت کرنا بہت بھاری لگتا ہے فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ تو میرا بھروسہ تو اللہ پر ہی ہے۔ دولت تمہارے پاس ہے، امارت تمہارے پاس ہے حکومت واقتدار تمہارے پاس ہے میں تو صرف اللہ کے احکام پہنچا رہا ہوں اللہ کی آیات کے مطابق پہنچا رہا ہوں۔ اور مسلسل ساڑھے آٹھ سو سال میں نے تمہیں وعظ کیا اگر تمہیں یہ بھی گوارا نہیں۔ ایک تو ہے کہ تم مانتے نہیں دوسرے

اب تم اس بات سے بھی چڑنے لگے ہو کہ یہ اللہ کا نام لیتا ہی کیوں ہے۔ تم کہتے ہو ہمیں اللہ کا پیغام پہنچاتے کیوں ہو۔ اگر تمہیں یہ بھی گوارا نہیں تو میرا بھروسہ تو پھر بھی اللہ پر ہے۔ فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ تم اپنی ساری طاقت جمع کر لو وَشُرَكَآءَكُمۡ اور جنہیں اللہ کا شریک سمجھتے ہو اور جن کی پوجا کرتے ہو ان کو بھی ساتھ ملا تو ثُمَّ لَا يَكُنۡ اَمۡرُكُمۡ عَلَيۡكُمۡ غُمَّةً ثُمَّ اقۡضُوۡۤا اِلَىَّ وَلَا تُنۡظِرُوۡنِ 71 تمہیں کوئی افسوس نہ رہے کہ وہ انتظام نہ کیا تھا، وہ کام نہیں کیا تھا اور جن کو شریک بنایا ان کو بھی ساتھ ملا لو، خود بھی جمع ہو جاؤ، سارے وسائل جمع کر لو اپنی ساری طاقت جمع کر لو ثُمَّ اقۡضُوۡۤا اِلَىَّ جو میرے ساتھ کر سکتے ہو کر گزرو، جو تم سے ہو سکتا ہے وہ کر گزرو وَلَا تُنۡظِرُوۡنِ 71 اور مجھے لحہ بھر مہلت نہ دو میرا کوئی لحاظ نہ کرو مجھے تمہاری کوئی رعایت نہیں چاہیے۔ جو تم سے ہو سکتا ہے کر لو۔

جب نوبت یہاں پہنچی تو قوم نے کیا کرنا تھا اللہ کریم نے اس قوم کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ان پر طوفان بھیج دیا اور تباہ ہو گئے تو فرمایا فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ ؕ اگر تم میری بات نہیں سنتے ہو، نہیں مانتے ہو تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا۔ اگر تم بات نہیں مانتے تو میرا کوئی نقصان نہیں کہ تم مانو گے تو مجھے کوئی دنیوی فائدہ ہو گا یا تم مجھے دولت دو گے یا میری خدمت کرو گے۔ میں نے تو اس کا صلہ کبھی نہیں مانگا۔ میں تو اللہ کا دین اللہ کی رضا کے لیے پہنچا رہا ہوں۔ میں نے تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں مانگی اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ میرا اجر تو میرے اللہ کے پاس ہے جس نے مجھے اس کام پر لگایا ہے، مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا اور اولوالعزم رسول بنایا، مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا۔ میں اللہ کا کام کر رہا ہوں تم سے لینے کی کسی امید پر نہیں کر رہا اور یہی اصول تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا رہا ہے۔ کسی نبیؑ نے اپنے کسی کام کی اجرت مخلوق سے نہیں لی اور نہ مخلوق میں وہ جرأت ہے کہ وہ اتنی اجرت دے سکے۔ انبیاء اللہ کریم کا کام کرتے ہیں اور ان کی اجرت اللہ عطا فرماتا ہے انہیں اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے جو عظمتیں نصیب ہوتی ہیں اللہ جو کچھ انہیں عطا کرتا ہے وہ انہی کا خاصہ ہے وہ مخلوق سے نہیں مانگتے۔

دینی کام پر اُجرت نہیں ہے:

یہیں سے علماء فرماتے ہیں کہ دین کے کام پر اُجرت نہیں لی جانی چاہیے اس پر اُجرت جائز نہیں ہے وہ للہ فی اللہ اور فی سبیل اللہ ہونا چاہیے۔ اگر آپ لوگوں سے اُجرت لیں گے تو ان کے ممنون ہوں گے۔ جس بندے سے آپ معاوضہ لیتے ہیں اس کی پسند کی بات بھی آپ کرتے ہیں اس کی پسند کے خلاف بات نہیں کر سکتے۔ اگر دین کے

کام پر اُجرت لیں گے تو پھر اللہ کا دین نہیں بتائیں گے جو بات لوگ سننا چاہتے ہیں جو لوگوں کو پسند ہے وہی آپ کریں گے۔ اور آپ دیکھ لیجیے کہ ہمارے واعظ حضرات جو اُجرت لے کر تقریریں کرتے ہیں کبھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے معاوضہ دیا ہے ان کے خلاف کوئی بات کریں یا ان کے کسی گناہ پر روک ٹوک کریں بلکہ معاوضہ دینے والے انہیں سمجھاتے ہیں کہ آپ نے یہ باتیں کرنی ہیں۔ علماء کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ مساجد میں امامت کرتے ہیں انہیں جو تنخواہ ملتی ہے وہ نماز کی اُجرت نہیں ہے نماز ان پر بھی فرض ہے دوسروں پر بھی فرض ہے۔ وہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ انہیں معاوضہ ان کے وقت کا دیا جاتا ہے انہیں مخصوص وقت کا پابند کیا جاتا ہے کہ وہ باقاعدہ ایک مسجد میں پانچ نمازیں پڑھائیں، لہٰذا وہ اپنے روزگار کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔ جو وقت ان کا وہاں لگتا ہے اس وقت کی اُجرت لیتے ہیں نماز پڑھانے کی نہیں۔ کوئی بندہ قرآن پڑھاتا ہے، کوئی تقریر کرتا ہے، اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے، مخلوق اس کی اجرت نہیں دے سکتی۔ اگر آپ اُجرت اللہ سے لیں گے تو اللہ کی پسند کی بات کریں گے اُجرت مخلوق سے لیں گے تو جو لوگ سننا چاہتے ہیں آپ وہ سنائیں گے۔ اگر ان کی پسند کے خلاف بات کریں گے تو وہ بھلا آپ کو پیسے کیوں دیں گے تو دین کے کام پر اجرت نہیں ہے۔

فرمایا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ میرا سارا اجر میرا سارا معاوضہ مجھے اللہ عطا کرے گا وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ 72 اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کے فرمانبرداروں میں سے رہوں۔ ہمیشہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت کروں۔ اللہ کی بات کروں۔ اللہ کا پیغام پہنچاؤں اور اللہ کریم جو مخلوق سے چاہتے ہیں وہ پیغام مخلوق تک پہنچاؤں جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اس سے سرِ مو انحراف نہیں کر سکتا۔ میں اللہ کا کام کرتا ہوں۔ تم اگر بگڑتے ہو، ناراض ہوتے ہو تو کیا ہوگا۔

میں نے تو آج تک تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کی اور آج تک تمہیں اللہ کا پیغام پہنچاتا رہا اور اگر تمہارا یہی فیصلہ ہے تو پھر تم اپنے وسائل جمع کر لو، جن کو اللہ کے سوا اپنا معبود مانا ہے ان کو بھی بلا لو اپنی ساری طاقت جمع کر لو جو کر سکتے ہو کر لو جو میرا بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو کوئی رعایت نہ کرو۔ میرا معاوضہ میرے پروردگار کے ذمے ہے۔ اس کی طرف سے عطا ہوگا اور اسی پر میرا بھروسہ ہے اور میں اسی کی فرمانبرداری کروں گا چونکہ مجھے حکم دیا گیا ہے اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔

فَکَذَّبُوْہُ انہوں نے بات نہ مانی انہوں نے تکذیب کی فَنَجَّیْنٰہُ وَمَنْ مَّعَہٗ فِی الْفُلْکِ تو ہم نے آپؑ

کواور جوآپ کا اتباع کرتے تھے جنہوں نے آپ کا دامن تھاما ان کوکشتی میں سوار کر کے بچالیا وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ 73 کیسی عجیب بات ہے علماء حق فرماتے ہیں اسی (80) اکاسی (81) بندے کشتی میں سوار تھے گویا ساڑھے آٹھ سو سال کی محنت کا صلہ وہ اسی (80) بیاسی (82) بندے تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور باقی جہاں جہاں کافر آباد تھے اس ساری سرزمین پر ایسا طوفان آیا کہ کوئی پہاڑ بھی سامنے نہیں رہا سب پانی سے ڈھک گئے اور سارے کے سارے کفار غرق ہو گئے وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ پھر روئے زمین پر ہم نے انہیں لوگوں کو مالک بنا دیا، خلیفہ بنا دیا، اپنا نائب بنا دیا جو اس کشتی میں سوار تھے۔ باقی جہاں تک کفار تھے سب تباہ ہو گئے اس بات پر بھی بحث ہوتی ہے کہ نوحؑ کا طوفان ساری دنیا پر آیا تھا یا نہیں لیکن ایک بات یقینی ہے کہ جہاں تک انسانی آبادیاں تھیں روئے زمین جتنا انسانوں سے آباد تھا اور جو اللہ پر ایمان نہیں لا رہے تھے ان میں سے کوئی نہیں بچا وہ ساری بستیاں غرق ہو گئیں۔ چونکہ نوحؑ کی دعا میں یہ دعا شامل تھی رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ (نوح:26) اے اللہ روئے زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑنا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح:27) اے اللہ اگر ان میں سے کوئی بچ رہا تو وہ بھی تیرے بندوں کو گمراہ کرے گا اور ان کی نسلوں میں بھی ایمان نہیں ہے۔ ان کی اولادیں بھی کافر اور گمراہ ہی ہوں گی اس لیے انہیں سب کو غرق کر دے تو جہاں تک انسانی آبادیاں اس زمانے میں تھیں وہاں تک تو سب غرق ہو گئیں۔ چوتھائی دنیا آباد تھی یا آدھی دنیا آباد تھی یا ساری آباد تھی نوحؑ کے زمانے تک کوئی زیادہ انسانی آبادی نہیں ہوئی ہوگی کہ آدمؑ کے بعد اتنا زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ روئے زمین پر جہاں تک کفار آباد تھے سارے غرق ہو کر تباہ ہو گئے اور وہ مٹھی بھر لوگ جنہیں وہ اچھا نہیں سمجھتے تھے اور کمزور سمجھتے تھے بے کار سمجھتے تھے جو نوحؑ کے ساتھ تھے فرمایا وہی ساری زمین کے مالک اور خلیفہ بن گئے۔ بڑے بڑے طاقتور، بڑے بڑے جابر، بڑے بڑے زور آور، بڑے بڑے صاحب منصب غرق ہو گئے اور وہ اسّی یا اکاسی بندے جو اگرچہ معاشی طور پر کمزور تھے لیکن روحانی طور پر اتنے مضبوط تھے کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کا دامن تھاما ہوا تھا اس لیے وہ بچ گئے اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے ان کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور اس کشتی میں ان کو بچالیا۔ اتنا طوفان جو پہاڑوں کی چوٹیوں سے گزر گیا وہ اس کشتی کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ وہ سلامتی سے اتر گئے اور روئے زمین پر پھر اللہ کے خلیفہ وہی رہ گئے وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ انہیں پھر اپنا نائب اور خلیفہ بنا دیا۔

فَانْظُرْ اے مخاطب دیکھ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ جنہوں نے نبیؐ کی بات نہیں سنی اللہ کے رسولؐ کی بات نہیں

اپنا پیغام بھیجا حالانکہ شب و روز کا آنا جانا، موسموں کا تغیر و تبدل، انسانوں کا پیدا ہونا مرنا، اس کائنات کا ایک ایک ذرہ، اس کی عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ انسان کو اس کی محتاجی کا احساس دلا رہا ہے۔ اس کے باوجود اللہ نے انبیاءؑ مبعوث فرمائے کتابیں بھیجیں، لوگوں کو حق کی طرف دعوت دی، جنہوں نے نہیں مانا وہ دنیا میں بھی تباہ ہو گئے اور آخرت میں بھی شدید عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ کریم صحیح ایمان، صحیح عقیدہ اپنے نبیؐ کا دامن اور آپ ﷺ کا اتباع اور آپ ﷺ کی غلامی نصیب فرمائے اور ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے۔ آمین ثم آمین

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡمُعۡتَدِيۡنَ 74 ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہم اسی طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوموں کی طرف مبعوث فرماتے رہے۔ نوحؑ کے بعد طوفان آیا کفار غرق ہو گئے معمورۂ عالم پھر آباد ہوا نوحؑ کی نسل بڑھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ نوحؑ کے طوفان کے بعد جو انسانیت پھیلی وہ ساری نوحؑ کی اولاد ہے ان کے ساتھ جو چند لوگ کشتی میں بچ گئے تھے ان کی بھی کوئی اولاد آگے سے نہیں چلی۔ زمین پر بسنے والے سارے انسان نوحؑ کی اولاد سے ہیں اس لیے انہیں آدمِ ثانی بھی کہتے ہیں۔ پھر لوگ بڑھے قبیلے بنے اقوام بنیں علاقے آباد ہوئے ممالک بنے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے پھر ان کی طرف انبیاءؑ مبعوث فرمائے۔ ہر قوم کی طرف اس کی استعداد کے مطابق اس کے حالات کے مطابق احکام نازل فرمائے یہ یاد رہے کہ عقیدہ تمام انبیاءؑ نے ایک ہی بیان فرمایا کہ اللہ واحد ہے لاشریک ہے، فرشتے، آخرت، حساب کتاب جنت دوزخ، ضروریاتِ دین۔ عقیدہ سب ایک ہی تھا چونکہ عقیدہ خبر ہوتا ہے خبر ایک ہی سچی ہوتی ہے اس کے مقابلے میں دوسری آجائے دوسری سچی نہیں ہوتی۔ وقت کے اعتبار سے، لوگوں کے شعور کے اعتبار سے اور لوگوں کی استعداد کے اعتبار سے اعمال وقت کے ساتھ بدلتے رہے۔ چونکہ احکام ہر وقت کے مطابق ہوتے ہیں اور یہ فضیلت صرف آقائے نامدار ﷺ کی ہے کہ آپ سارے عالم کی طرف مبعوث ہوئے اور جو احکام آپ ﷺ پر نازل ہوئے وہ اپنے نزول سے لے کر قیام قیامت تک وہی رہیں گے ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ کوئی نئی نبوت نہیں آئے گی کوئی نئی کتاب نہیں آئے گی۔ کوئی قوم الگ تقسیم نہیں ہوگی۔ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد انسانیت دو قوموں میں بٹ گئی، مسلمان اور کافر اب ہمیشہ یہ دو قومیں رہیں گی آگے قبائل بنتے رہیں گے لیکن بنیادی طور پر اسلام ایک قوم ہے اور کفر ایک قوم ہے اَلۡكُفۡرُ مِلَّةٌ

وَّاحِدَۃٌ (الاستذکار لابن عبد البر) سارا کفر ایک ہی قوم ہے اگر چہ ان میں آپس میں اختلاف ہوں لیکن بنیادی طور پر سب کافر ہیں۔ اسی طرح مومن سب مومن ہیں اور ایک قوم ہیں۔ تو نوحؑ کے بعد جب قبائل اور قومیں بنیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر قوم کی طرف مسلسل رسولؑ مبعوث فرمائے اور ہر نبیؑ کھلی کھلی نشانیاں اور دلائل لے کر مبعوث ہوا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بات بے دلیل نہیں ہوتی کہ میں یہ کہتا ہوں یہ مان لو اس پر ہمیشہ دلائل ہوتے ہیں انبیاء کے معجزات ہوتے ہیں وہ ان کے نبیؑ ہونے کی دلیل ہوتے ہیں اور جو احکام شریعت دیئے جاتے ہیں ان کے فائدے ساتھ ارشاد ہوتے ہیں کہ یہ کرو اس میں تمہارا فائدہ ہے نہیں کرو گے تو یہ نقصان ہوگا۔ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ؕ تو جن لوگوں نے پہلے انبیاء کا انکار کیا مسلسل نبی آتے رہے تو انہوں نے مان کر نہیں دیا۔ عجیب بات ہے لوگوں کا مزاج ایسا ہے کہ لوگ دنیا پر مرتے ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو عاقبت کی آخرت کی بات کرتے ہیں اور اس کے مطابق دنیا کو قواعد وضوابط کا پابند کرتے ہیں جبکہ لوگوں کا مزاج یہ ہے کہ دولتِ دنیا پر فریفتہ رہتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ جو جی چاہے کریں، جیسا چاہے کریں، بس دنیا کی دولت حاصل ہو جائے عہدہ حاصل ہو جائے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ جب انبیاءؑ کی تعلیمات پر توجہ نہ دی جائے تو یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کریم دلوں پر مہر کر دیتے ہیں كَذٰلِكَ نَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡمُعۡتَدِيۡنَ 74 ہم نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ان کی برائیوں کی وجہ سے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی غلط روی کی وجہ سے کہ وہ اللہ کو آخرت کو عاقبت کو چھوڑ کر دنیا ہی کی طلب میں لگ گئے تھے اور یہ خاصہ کفر کا ہے اس کے نتیجے میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور جب بندے کے سامنے حق آتا ہے تو وہ قبول نہیں کرتا اس لیے کہ اسے اپنی بڑائی کا زعم ہوتا ہے دوسرے کو بڑا ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔ بیشک اللہ کا نام ہو زبان سے کہے نہ کہے اس کا جو کردار ہوتا ہے وہ اسے ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔

اللہ کریم نے گزشتہ اقوام کے بارے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے تو قرآن کا مقصد تاریخ بیان کرنا نہیں ہے۔ قرآن یہ قصے اس لیے بیان کرتا ہے کہ پہلے لوگوں نے یہ کام کیے اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ مراد یہ ہے کہ اگر تم بھی اس طرح کرو گے تو ایسا ہی نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ تو قرآن کریم یہ واقعات اصلاح کے لیے بیان کرتا ہے سبق حاصل کرنے کے لیے ارشاد فرماتا ہے کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔

طریق تبلیغ:

فرمایا ہم نے دو انبیاء کو موسیٰ کلیم اللہ کو اور ان کے بھائی ہارون علیہم السلام کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپؑ مبعوث تو ساری قوم کی طرف ہوئے تھے لیکن اللہ نے فرعون کا اور اس کے سرداروں کا نام لیا ہے تو یہاں سے سمجھ آتی ہے کہ طریق تبلیغ یہ ہے کہ قوم کے بڑوں کو تبلیغ کی جائے اس لیے کہ جو قوم کے سردار ہوتے ہیں قوم کے جو بڑے ہوتے ہیں قوم کے باقی لوگ ان کے پیچھے چلتے ہیں کوئی ایک بڑا آدمی سدھر جائے تو اس کے ساتھ بہت سے اس کے پیروکار یا اس کے پیچھے چلنے والے یا اس کے پسند کرنے والے بھی سدھر جاتے ہیں۔ اب اگر ایک شخص فرعون توبہ کر لیتا تو اس کی ساری سلطنت کے لوگ توبہ کر لیتے یا اس کے سرداروں میں سے کسی کو ایمان نصیب ہو جاتا تو اس کے ساتھ بھی بہت سے لوگ ہوتے تو قرآن نے طریق تبلیغ جو فرمایا اور جس طرح نبی کریم ﷺ جہاں بھی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تو اس کے سرداران قوم کو مخاطب فرمایا۔ جس قبیلے میں بھی حضور ﷺ تشریف لے گئے یا جس میلے میں تشریف لے گئے جس تجارتی مرکز میں تشریف لے گئے تو وہاں جو سردار ہوتے ان کو حضور ﷺ خطاب فرماتے تھے۔ طریق تبلیغ یہ ہے کہ سرداران قوم جو ہوتے ہیں یا قبائل میں جو بڑے لوگ یا گھروں میں جو بڑے لوگ یا ہر گاؤں ہر شہر میں کچھ لوگ بڑے ہوتے ہیں انہیں تبلیغ کی جائے تو موثر تبلیغ کا طریقہ یہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹوں کو کی تبلیغ ہی نہ جائے، ضرور کی جائے لیکن بڑے لوگوں سے بات کی جائے تو فرمایا ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف معجزات دے کر مبعوث فرمایا فَاسْتَكْبَرُوْا لیکن وہ لوگ اکڑ گئے انہوں نے تکبر کیا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ 75 اس لیے کہ وہ بدکردار لوگ تھے، جرائم پیشہ لوگ تھے، مجرم تھے گناہ گار قوم تھی اور بدکاروں کو ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ دو چیزیں جمع نہیں ہوتیں کہ غلاظت بھی ہو اور اللہ کا نور بھی ہو۔ برائی بھی ہو اور اللہ کا نور بھی ہو یہ دو چیزیں جمع نہیں ہوتیں۔ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا اور ان پر معجزات ظاہر ہوئے اور موسیٰؑ نے دلائل دیئے تو فرعون نے موسیٰؑ سے بحث کی۔ کہنے لگا، وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الشعراء: 23) وہ کون ہے جسے تم رب العالمین کہتے ہو۔ آپؑ نے فرمایا قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الشعراء: 26) تمہارا پروردگار، تمہیں پیدا کرنے والا پالنے والا، تمہارے آباؤ اجداد کو پیدا کرنے والا پالنے والا پروردگار ہے اسے میں رب العالمین کہتا ہوں۔ تو جب انہوں نے معجزات دیکھے قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ 76 تو کہنے لگے کہ بھئی یہ تو صاف صاف جادو ہے یہ جو معجزات آپ دکھا رہے ہیں یہ تو صاف صاف جادو ہے قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ 77 وہ

فرمانے لگے بیوقوفو! جو معجزات اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں انہیں تم جادو کہتے ہو۔ جادوگر بھی کبھی اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے؟ جادوگر غلیظ انسان ہوتا ہے جادوگر کا کوئی عقیدہ نہیں ہوتا جادوگر اپنی بڑائی کے لیے جادو کے کرشمے دکھاتا ہے لوگوں سے دولت بھی بٹورنا چاہتا ہے لوگوں کو اپنا پیروکار بنا کر اپنے ماتحت رکھنا چاہتا ہے سب کچھ اپنی بڑائی کے لیے کرتا ہے اور جو شخص اللہ کی بڑائی اور اللہ کی عظمت کی طرف دعوت دے وہ کیسے جادوگر ہوسکتا ہے جادوگر کبھی حق کی بات نہیں کرتا عظمت الٰہی کی بات نہیں کرتا اپنی بڑائی کی بات کرتا ہے اور جو ہستی اللہ کی طرف بلاتی ہے وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں اللہ کے نبیؑ اللہ کے رسولؐ اللہ کی طرف بلاتے ہیں جو معجزہ بھی وہ دکھاتے ہیں اس سے ان کا مقصد اللہ کی طرف بلانا ہوتا ہے۔ یہی فرق ہے معجزہ کرامت اور شعبدے ہیں۔ اسلام اور کفر، حق اور باطل کے مقابلے میں کوئی شخص حق کی فتح کے لیے ایسی بات پیش کرتا ہے جس کی عقلی ترجیح ممکن نہیں جیسے نبی کریم ﷺ نے انگلی سے اشارہ فرمایا چاند دو ٹکڑے ہوگیا شق القمر ہوگیا تو درمیان میں پہاڑ تھا پہاڑ کے اس طرف ایک ٹکڑا چمک رہا تھا ایک اس طرف ہوگیا اور پوری دنیا نے دیکھا۔ اب انگلی کے اشارے سے چاند کیسے شق ہوگیا؟ اس کی کوئی توجیہہ عقل پیش نہیں کرسکتی اس لیے یہ معجزہ ہے ایک سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ کی فوج ہم رکاب تھی تو پانی کے ذخیرے ختم ہوگئے کسی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ لشکر کا پانی ختم ہوگیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کسی کی پاس کچھ تو ہوگا۔ لوگوں نے تلاش کیا تو پورے لشکر میں کسی کی پاس سے چند گھونٹ پانی نکلا جو ایک پیالے میں ڈال کر حضور ﷺ کے پاس لایا گیا آپ ﷺ نے اس میں دستِ مبارک رکھ دیا تو پانی کے چشمے انگلیوں سے پھوٹنے لگے فرمایا اونٹوں کو بھی پلاؤ اور جتنے تمہارے پاس پانی کے برتن اور مشکیزے ہیں وہ سارے بھر لو تو اسی پیالے سے پانی بہنا شروع ہوگیا سارے لشکر کے اونٹوں نے پیا، گھوڑوں نے پیا، پھر سارے برتن اور مشکیزے بھر لیے گئے پانی بہنا بند نہ ہوا اور جب حضور ﷺ نے دستِ مبارک اٹھایا تو پانی ختم ہوگیا اب اس کی کوئی عقلی توجیہہ ممکن ہے نہیں۔

انبیاء کے معجزات لوگوں کو کفر سے اسلام کی طرف بلانے کے لیے تھے۔ اسی طرح اللہ کے نیک بندوں سے، اولیاء اللہ سے کرامت کا صدور ہوتا ہے کرامت بھی معجزے ہی کی فرع ہے کرامت کی بھی کوئی عقلی توجیہہ نہیں ہوتی سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیسے ہوگیا لیکن وہ بھی اس کے ذریعے دعوت الی اللہ دیتے ہیں اپنی بڑائی کے لیے کرامت کا اظہار نہیں کرتے اور جو شخص عجائبات دکھائے لیکن لوگوں کو اپنی بڑائی کی طرف بلائے اور خود کو بڑا کرنے کے لیے کرے تو وہ جادوگر ہے یا اس کے پاس شعبدہ ہے۔ اسے اصطلاح شریعت میں استدراج کہتے ہیں کہ شیطان اس سے تعاون کر کے جو کچھ عجائبات اس سے ہوسکتے ہیں وہ عام لوگوں کو دکھا کر بیوقوف بناتا ہے اور جس عجیب بات کے

نتیجے میں دین حاصل نہ ہو وہ جادو یا استدراج ہوسکتا ہے کرامت نہیں ہوتی۔ کرامت ہوتی ہے کفر کے مقابلے میں لوگوں کو دین کی طرف بلانے کے لیے۔

فرمایا ہم نے بڑے معجزات عطا فرمائے لیکن فرعونی کہنے لگے یہ تو جادو ہے، سراسر جادو ہے ظاہر باہر جادو ہے۔ موسیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ جادوگر کبھی حق کی طرف دعوت نہیں دیتا جادوگر تو اپنی بڑائی کی طرف بلاتا ہے اور میں تو تمہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں میں تو تمہیں خود کو سجدہ کرنے کا نہیں کہہ رہا۔ میں تمہیں اپنے پاس سے بات نہیں بتا رہا میں تمہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں یہ جادو ہوسکتا ہے یہ تو حق ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جادوگر ہمیشہ رسوا ہوتا ہے نتیجتاً تباہ ہوتا ہے اس کی زندگی کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ اس کے جادو اسے کامیاب نہیں کرتے۔ جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ لوگ شعبدہ بازی کرتے ہیں۔ عجیب وغریب باتیں کر کے لوگوں کو جمع کر لیتے ہیں اپنی لیڈر شپ بنا لیتے ہیں اور لوگوں سے روپے بٹور لیتے ہیں بظاہر بڑے آدمی بن جاتے ہیں لیکن ذلت ان کا مقدر ہوتی ہے اسی دنیا میں انہی لوگوں کے سامنے ذلیل ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ کے بندے، اللہ کے نبیؐ، اللہ کے رسولؐ ہمیشہ اللہ کی عظمت بیان کرتے ہیں اللہ انہیں عظمت سے قائم رکھتا ہے اور ہمیشہ وہ شخص نقصان اٹھاتا ہے جو ان کی مخالفت کرتا ہے ان کا کچھ نہیں بگڑتا اگر شہید بھی ہو جائیں انہیں کوئی قتل بھی کر دے تو وہ کامیاب ہو جاتے ہیں نامراد وہی ہوتے ہیں جو انبیاءؑ کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو فرمایا بیوقوفو تم اسے جادو کہتے ہو حالانکہ جادوگر تو کبھی کامیاب نہیں ہوتا کبھی فلاح نہیں پاتا۔ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَلۡفِتَنَا عَمَّا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا انہوں نے کہا اے موسیٰؑ آپ ہمیں ہمارے باپ دادا کی پیروی سے روکتے ہیں اور ہمارے باپ دادا کے جو کام ہیں وہ ہم سے چھڑاتے ہیں حالانکہ ہم کتنی پشتوں سے باپ دادا پر فخر کرتے چلے آرہے ہیں اور ان کی شان بیان کرتے چلے آرہے ہیں تو آج ہم کہیں کہ وہ غلط تھے ہم ایسا کیوں کہیں ہم اپنے باپ دادا کو غلط کہیں اور آپ کو صحیح کہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

اگر ہم آپ کو قبول کر لیں آپ کو اللہ کا نبیؐ مان لیں تو پھر آپ ہمارے بڑے ہو گئے ہم آپ کے پیروکار ہو گئے وَتَكُوۡنَ لَكُمَا الۡكِبۡرِيَآءُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ تو زمین پر بڑائی آپ دونوں بھائیوں کی ہو جائے گی ہم تو سب آپ کے پیروکار بن جائیں گے اور اس کا مطلب ہے باپ دادا کی رسومات بھی چھوڑ دیں اور حکومت اور اقتدار بھی آپ کو دے دیں تو ہمارے پلے کیا بچا یعنی تعلیمات نبوت کا انکار جو ہے اس کا بنیادی سبب دنیا طلبی ہے کہ مقصد حصول دنیا ہے یعنی ان کا مقصد حکومت اور اقتدار بچانا ہے مال و دولت بٹورنا ہے، جائز ناجائز کے پھندے میں وہ نہیں پھنسنا

چاہتے قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کہنے لگے آپ کا خیال ہے کہ جو ہمارے باپ دادا کا مذہب ہمارے پاس پہلے سے چلا آرہا ہے اس کو آپ تلپٹ کردیں، تباہ کردیں اور اسے ہم غلط کہہ کر ٹھکرادیں۔ ہم کیوں ان کو اوران کی روایات کو چھوڑ دیں۔

آیہ مبارکہ ایک آئینہ:

قرآن کریم کی تعلیمات بے مقصد نہیں ہوتیں آج بھی آپ اکثر دیکھیں ہم جو مومن کہلاتے ہیں مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں ہم سے نمازیں چھوٹ سکتی ہیں روزے چھوٹ سکتے ہیں تلاوت چھوٹ جاتی ہے حلال حرام کی تمیز نہیں کرتے لیکن جو رسومات باپ دادا سے چلی آرہی ہیں وہ نہیں چھوٹتیں آج بھی ہم سنت پر رواج کو ترجیح دیتے ہیں انہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ جو کچھ باپ دادا سے سیکھا ہے اور جس پر آج تک ہم فخر کرتے رہے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد اتنے بڑے تھے ایسے تھے ویسے تھے تو آج ہم اس کو چھوڑ دیں اور کہیں کہ غلط ہے اور آپ کو صحیح مان لیں پھر دوسری مصیبت یہ ہے کہ ہم آپ کو مان لیں گے تو آپ تو ہمارے پیر جائیں گے ہمارے رہنما اور راہبر بن جائیں گے ہم مرید بن جائیں گے پیچھے چلنے والے۔ اس کا مطلب ہے ہم اپنی حکومت اور اقتدار بھی آپ کے حوالے کردیں گے انہوں نے کہا وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ 78 ہم آپ دونوں پر بالکل ایمان نہیں لائیں گے ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے۔ ماننے میں دو باتیں آڑے آتی ہیں ایک تو باپ دادا کے رواج کو ہم نہیں چھوڑ سکتے دوسرے آپ کو بڑا مان کر اپنی بڑائی سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ باپ دادا کے بارے فرعون نے کہا تھا کہ اگر ہم آپ کی بات مان لیں تو ہمارے آباؤ اجداد کے بارے ہم کیا سمجھیں؟ آپؑ نے فرمایا: قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ (طہٰ:52) وہ معاملہ میرے رب کے ساتھ ہے میرے مخاطب تم ہو میں تمہارے باپ دادا کی بحث میں نہیں پڑتا وہ اس کی مخلوق تھے اور وہ جانتا ہے ان کا معاملہ اس کے پاس ہے وہ اس کے پاس چلے گئے وہ جانیں اور اللہ جانے میں تمہارے ساتھ بات کر رہا ہوں میرے ساتھ تم اپنی بات کرو تو فرمایا ان لوگوں کو ایک تو ان کے باپ دادا کی رسومات نے الجھالیا اور دوسری سب بڑی بات وہ کہنے لگے لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ پھر ہم تم دونوں بھائیوں کو دنیا میں بڑا مان لیں اور آپ کے پیروکار بن جائیں پھر تو حکومت بھی آپ کی ہوگی ہم آپ کے تابعدار ہوں گے۔ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ 78 ہم آپ کی بات ہرگز نہیں مانیں گے یعنی یہ دنیا طلبی جو ہے اور دنیا کی جو خواہش و آرزو جو ہے یہ انبیاءؑ کی پیروی سے محروم کردیتی ہے۔ اب جو رسومات ہم کرتے ہیں کیا اس لیے نہیں کرتے کہ ہمارا دنیا میں نام ہو اس میں

کوئی رضائے الٰہی ہوتی ہے؟ گھروں میں کتنے ایسے ضعیف اور بیمار رہتے ہیں، انہیں پانی کا گھونٹ دینے کا کوئی روادار نہیں ہوتا گھنٹوں مانگتے ہیں تو کسی کو کوئی خیال آجائے کوئی دے جائے لیکن جب وہ مرجائیں تو سارے شہر کے لیے دیگیں پک جاتی ہیں۔ یہی پیسہ اس بیمار کے علاج پر لگایا ہوتا یہ جو لوگوں کو کھلا رہے ہو۔ صاحب حیثیت ہوتو اس بیمار کی خدمت پر لگایا ہوتا اس کی خدمت کی ہوتی لیکن اس کی خدمت نہیں کرتے۔ دنیا کے لیے کرتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں۔ اور سارے رسومات و رواجات بھی اسی لیے ہیں کہ دنیا میں میری بڑائی ہو اور یہ اپنی بڑائی کا جو خیال ہے یہ انبیاء کی پیروی سے اور سنت کے اتباع سے محروم کر دیتا ہے۔

فرعون کہنے لگا مقابلہ کر کے دیکھ لیتے ہیں ہم بھی جادوگر بلاتے ہیں جس عہد میں انبیاءؑ مبعوث ہوئے اس عہد کا جو کمال ہوتا ہے اس کے مقابلے میں انبیاءؑ کو معجزات دیے جاتے ہیں جس طرح عیسیٰؑ مبعوث ہوئے تھے تو وہ دور حکمت کا تھا بڑے بڑے اعلیٰ طبیب تھے تو انہیں جو معجزات دیئے وہ یہ تھے کہ مردے کو زندہ کر دیتے۔ اب کوئی طبیب مردہ کو کیسے زندہ کرے۔ ان کی دعا سے مردہ زندہ ہو جاتا تھا۔ مٹی کا پرندہ بناتے اس پر دم کرتے وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا پیدائشی نابینا کی آنکھوں پر ہاتھ لگاتے اس کی آنکھیں روشن ہو جاتیں۔ برص کے مریضوں کو درست کر دیتے، ان کے معجزات سے حکیم عاجز آ گئے۔ موسیٰؑ جب مبعوث ہوئے تو جادوگروں کا دور تھا مصر میں بڑے بڑے نامور جادوگر تھے تو انہیں جو معجزات عطا ہوئے انہوں نے جادو کو باطل ثابت کر دیا لیکن فرعون کہنے لگا ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ 79 بڑے بڑے جو جادوگر ہیں معروف اور بڑے بڑے عالم اور بڑے بڑے جادو جاننے والے، جادو کے بڑے بڑے ماہر ان سب کو جمع کرو۔ چنانچہ جادوگر جمع ہوگئے فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ۝٨٠ جادوگر میدان میں آ گئے موسیٰؑ نے کہا بھئی جو کمال اپنا دکھانا چاہتے ہو وہ ظاہر کرو آج اگر تم مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو کیا کمال دکھانا چاہتے ہو۔ تمہارے جادو کا کیا کمال ہے؟ وہ کرو۔ بڑے بڑے جادوگر ہیں اس فن کے ماہر ہیں سب کو اکٹھا کیا جائے سب کو بلایا جائے فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ 80 چنانچہ ایک دن مقرر کیا گیا قوم سے بھی کہا گیا کہ جمع ہو جاؤ۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ بھی تشریف لے گئے بہت سے چوٹی کے جادوگر بلائے گئے تھے وہ موجود تھے تو موسیٰؑ نے فرمایا کہ تم اپنا جادو دکھاؤ جو دکھانا چاہتے ہو ظاہر کرو۔ دوسری جگہ قرآن حکیم میں اس کی تفصیل ہے کہ وہ بڑے بڑے رسے اور لکڑیاں اور لاٹھیاں اور شہتیر لے کر آئے اور

انہوں نے جادو کیا تو وہ اژدھے بن کر حرکت کرنے لگے اور وہ میدان اژدھوں اور سانپوں سے بھر گیا۔ موسیٰ نے فرمایا فَلَمَّآ اَلْقَوْا جب انہوں نے ظاہر کیے کہ میدان میں دکھائے قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ موسیٰ نے فرمایا کہ یہ جو تم نے کرتب کیا ہے یہ جادو ہے اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ یقیناً اللہ اسے باطل کردیں گے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ 81 اللہ فساد کرنے والوں، شریروں کے کام کو سنوارا نہیں کرتے۔ جادو ایک دھوکا ہوتا ہے قرآن کریم میں دوسری جگہ اس کے مختلف انداز بیان فرمائے گئے ہیں جیسا کہ فرمایا وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ (الاعراف:116) لوگوں کو ڈرایا پہلے انہوں نے کہا پیچھے ہٹ جاؤ یہ دیکھو بڑے بڑے اژدھا بن جائیں گے تمہیں کھا جائیں گے اپنی اپنی جان خود بچانا یہ کرنا وہ کرنا وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ ان پر بہت رعب ڈالا پھر اس کی حقیقت یہ تھی يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ○ (طٰہٰ:66) ان کی قوت متخیلہ کو متاثر کیا تو انہیں یہ پتہ چلنے لگا کہ یہ تو اژدھا ہیں اور پھنکار رہے ہیں اور ادھر ادھر چل رہے ہیں سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (الاعراف:116) ان کی نگاہوں میں کچھ ایسا جادو کردیا کہ انہیں وہ اژدھے نظر آتے تھے۔ حقیقتاً وہ رسیاں رسیاں ہی تھیں لکڑیاں لکڑیاں ہی تھیں لاٹھیاں لاٹھیاں ہی تھیں ایک تو پہلے ان کی قوت ارادی کو کمزور کیا وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ انہیں ڈرایا دھمکایا کہ جان بچاؤ بچ جاؤ اونچی جگہ پر نکل جاؤ یہ اژدھا کھا جائیں گے جب وہ ڈر گئے تو ان کی نگاہوں پر جادو کیا کہ کوئی چیز ہے جو نظر کچھ اور آئے اور قوت متخیلہ کو متاثر کیا۔ اب یہ تینوں کام اس بندے سے نہیں ہوسکتے جس کا تعلق اللہ کریم سے ہو اور جس کا ایمان کامل ہو۔ جسے اللہ کی قدرت پر یقین ہو اور جسے یہ اعتماد ہو کہ وہ ہوگا جو اللہ چاہے گا جو اللہ نہیں چاہتا نہیں ہوسکتا۔ کوئی کچھ نہیں کرسکتا تو اس پر کوئی جادوگر کوئی جادو اثر نہیں کرتا آج کا ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ شہروں کے شہر ٹونے ٹوٹکوں والوں سے اور جادو ٹونوں والوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ہر بندہ ان کی طرف بھاگ رہا ہے۔ عورتیں تو خیر بہت زیادہ ہیں مرد حضرات بھی عورتوں سے پیچھے نہیں ہیں اور وہاں سے کوئی جادو کوئی تعویز کرالو اور وہ کرو اور وہ کرو تو یہ سارا کیا ہے۔ یہ ساری ہمارے ایمان کی کمزوری ہے۔ سارے جادوگروں سے پھر کر یہاں میرے پاس آتے ہیں کہ کسی نے میری اولاد بند کردی ہے، باندھ دی ہے۔ کسی نے میری روزی باندھ دی ہے۔ جسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو بندہ اللہ پیدا کرنا چاہے کوئی اسے جادو سے روک دے گا یا جس کی اللہ موت بھیج دے اس کی جادوگر بچا لے گا۔ پیدا کرنا، موت دینا، رزق دینا یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ جس کی روزی بھیجتا ہے کون ایسا ہے جو راستے میں

روک لے گا اور جس کو اللہ نہیں دینا چاہتا یا کم دینا چاہتا ہے کون ایسا ہے جو زبردستی دلوائے گا۔ یہ جو ہم جادو کے اسیر ہیں اس کی پہلی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ایمان کمزور ہیں اللہ پر بھروسہ نہیں ہے اللہ کی عظمت کا یقین نہیں ہے۔ ایمان کیسے مضبوط ہو۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو کچھ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے اس پر یقین ہو۔ اعتبار کرنا پڑتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر۔ اسی یقین واعتبار کا نام ایمان ہے۔ شاعر کہتا ہے:

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ راز کیا تھا یہی راز تھا عہد فترت تھا عیسیٰؑ کے بعد اور حضور ﷺ کے درمیان تقریباً پانچ سو سال سوا پانچ سو سال کا فاصلہ ہے ان میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا انبیاء کی تعلیمات مسخ ہو گئیں تورات وانجیل کو لوگوں نے مسخ کر دیا کچھ کا کچھ بنا دیا تو کوئی فلسفی کوئی دانشور اپنی عقل سے دریافت نہیں کر سکا کہ اللہ ہے اور کیسا ہے۔ یہ مان سکتا ہے کہ کوئی ہستی ہے جو واحد ہے لاشریک ہے ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتی ہے کرتی ہے لیکن ایسے خوش نصیب بھی بہت کم تھے یہ اتنی الجھی ہوئی بات تھی جو نبی کریم ﷺ نے مبعوث ہو کر چند کلمات میں ارشاد فرما دی **لا الہ الا اللہ** اسلام کا کلمہ آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور نبی کریم ﷺ تک کلمہ طیبہ، کلمہ، اسلام کا پہلا جزو یہی رہا ہے۔ لا الہ یعنی پہلے دل کو بالکل خالی کر دو کہ کوئی عبادت کا مستحق ہے ہی نہیں جب دل کی تختی صاف ہو جائے اب اس پر لکھو **الا اللہ** ہاں مگر ایک اللہ یعنی نفی سے شروع ہوتا ہے۔ دعوے اثبات چاہتے ہیں اسلام پہلے نفی کرتا ہے نہ کوئی کسی دوسرے سے توقع ہے تمہاری نہ کسی دوسرے پر امید ہے کہ وہ میری مشکل حل کرے گا، وہ مجھے زندگی دے گا، وہ مجھے صحت دے گا، وہاں سے مجھے دولت ملے گی، وہ مجھے عہدہ دلائے گا تو یہ تمہارے معبود جن سے تم امیدیں لگاتے ہو، اللہ کے سوا یہ تمہارے معبود بنے ہوئے ہیں پہلے ان سب بتوں سے اپنے دل خالی کرو پہلے کہو **لا الہ** کوئی معبود نہیں ہے کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کی عبادت کی جائے لوح قلب جب صاف ہو جائے اب اس پر لکھو **الا اللہ** ہاں! مگر ایک اللہ ہے۔ یہ وہ بات تھی جس پر بڑے بڑے فلاسفہ، دانشور اور نکتہ ور اُلجھے ہوئے تھے اس لیے کہ یہ بات عقل سے سمجھ نہیں آتی یہ اللہ کی وحی سے پتہ چلتی ہے اور وحی آئی آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ پر کوئی دوسرا وحی کے سننے کا گواہ بھی نہیں ہے ہمیں محمد رسول ﷺ نے بتایا کہ اللہ واحد ہے لاشریک ہے۔ اللہ خالق ہے، اللہ رازق ہے، اللہ رب ہے،

چیز پر قادر ہے۔ اللہ ہی پیدا کرتا ہے، موت دیتا ہے، صحت دیتا ہے، بیماری بھیجتا ہے۔ اللہ عہدے دیتا ہے، افلاس دیتا ہے۔ اللہ کسی کو بہت رزق دیتا ہے کسی کو کم دیتا ہے۔ اللہ بارش برساتا ہے، کھیتیاں اگاتا ہے اللہ کریم ہی پھل اگاتا ہے۔ ان میں مٹھاس پیدا کرتا ہے تو پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر یہ اعتبار کرنا پڑے گا جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا یہ حق ہے۔ یہ یقین حاصل ہو تو ایمان ہے۔ اب یہ یقین تقاضا کرتا ہے کہ جب آپ کلمہ پڑھ لیتے ہیں تو اس کے بعد حرام کھانا چھوڑ دیں، اس سے پرے رہیں۔ کسی کا مال زبردستی نہ لیں، دھوکے سے نہ لیں، چوری سے نہ لیں جوئے سے نہ لیں کسی طرح بھی ناجائز طریقے سے کوئی چیز لے کر نہ کھائیں، حلال کھائیں جیسا کہ ارشاد باری ہے يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ (المومنون:51) حلال پاکیزہ کھاؤ گے تو عمل صالح کی توفیق نصیب ہوگی۔ پھر اعمال اور کردار صالح ہو نیک ہو، حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ہو، تب جا کر توکل الی اللہ پیدا ہوتا ہے تب جادو وغیرہ اثر نہیں کرتا ایسا شخص جادوگروں سے نہیں ڈرتا۔ اسے کچھ نہیں ہوتا۔ عرب میں بھی بڑے بڑے جادوگر تھے جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تھے۔ صحابہ کرامؓ پر تو کوئی جادو نہیں چل سکا۔ تین سو تیرہ نے ایک لشکر جرار کو شکست دے دی۔ جادوگر تو تھے جادو نہیں چل سکا۔ تو یہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے۔ آج یہ بات ہر ایک کی زبان پر ہے کہ میرا روزگار کسی نے روک دیا۔ بھلا اللہ کی دی ہوئی روزی کون روک سکتا ہے میری اولاد کی بندش ہو گئی۔ اللہ جسے پیدا کرنا چاہتا ہے اسے کون روک سکتا ہے۔

جب انہوں نے لاٹھیاں اور لکڑیاں ڈالیں اور وہ سانپ اور اژدھے نظر آنے لگے فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا موسیٰؑ نے فرمایا جو کرنا ہے پھینکو رسے اور دیکھو کیا ہوتا ہے۔ جب انہوں نے پھینکے تو وہ لوگوں کو اژدھا اور سانپ نظر آنے لگے موسیٰؑ نے فرمایا مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ جو تم لائے ہو یہ جادو ہے۔ یہ نظروں کا، نگاہوں کا دھوکا ہے یہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ یقینا اللہ اسے باطل کر دے گا، تباہ ہو جائے گا۔ حق کے سامنے یہ جادو نہیں ٹھہر سکتا یہ تباہ ہو جائے گا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ جو لوگ فساد کرتے ہیں جو لوگ۔ شریر ہوتے ہیں جو لوگ انبیاء کی اور نیک لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں اللہ ان کے کام سنوارا نہیں کرتے۔ اور وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ اللہ کریم اپنے حکم سے سچ کو سچ ثابت کر دیتے ہیں وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ خواہ گناہ گاروں کو یہ بات بہت ہی بری لگے لیکن ہوگا ایسا ہی جو سچ ہے وہ ثابت ہوگا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صحابہؓ میں سے اللہ کسی کو دنیا میں واپس بھیج دے اور وہ آج کے مسلمانوں کو دیکھے تو وہ پریشان ہو جائے گا کہ یہ مسلمان ہیں اور آج کے مسلمان صحابہؓ میں سے کسی کو دیکھیں تو وہ ہمیں عجیب لگیں گے۔ ہم اتنے گر چکے ہیں ہم کہ ہمارا کھانا پینا کفار کی طرح ہے۔ جہاں سے جس کو ملتا ہے، بے دریغ کھاتا ہے، قوم کا پیسہ لوٹتا ہے، ایک دوسرے کو ٹھگتے ہیں، سود کھاتے ہیں، دھوکے سے چیزیں بیچتے ہیں، زیادہ سے زیادہ لے لیتے ہیں، مال کم دے دیتے ہیں، دھوکا کرتے ہیں، خرید و فروخت میں دھوکا کرتے ہیں، چوری سے باز نہیں آتے ڈاکے کرتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں۔ لباس اور حلیے کافروں اور مسلمانوں کے ایک ہو گئے ہیں کوئی تمیز نہیں رہی۔ جب خوراک ایک جیسی ہے تو مزاج ایک جیسا ہو جائے گا جب لباس ایک جیسا ہو گا تو معاشرت اور تہذیب ایک جیسی ہو جائے گی اور جب کافر اور مسلم میں کوئی فرق نہیں رہے گا تو پھر کافر کو اللہ کیوں ہلاک کرے گا کس کے مقابلے میں ہلاک کرے گا۔ یہ جو موسیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾ اللہ اس کو باطل کر دے گا اس لیے کہ ایک طرف اہل حق تھے ایک طرف موسیٰ اور ہارون علیہم السلام تھے ان کا ایمان بھی تھا اللہ پر توکل بھی تھا۔ فرعون کا کوئی رعب ڈر ان پر نہیں تھا فرعون کے لاؤ لشکر کا کوئی ڈر نہیں تھا ان کا اپنا لباس تھا فرعونیوں جیسا لباس نہیں تھا ان کی اپنی تہذیب تھی فرعونیوں جیسی تہذیب نہیں تھی ان کا کھانا پینا اپنا اکل حلال تھا فرعونیوں کی طرح نہیں تھا۔ مقابلہ آیا تو فرعونی ہلاک ہو گئے لیکن اگر کوئی اور اسلام کا داعی بھی ہو، مسلمان ہونے کا دعویدار بھی ہو اور اس کی غذا بھی کافروں کی طرح حلال و حرام سے بے نیاز ہو، اس کا لباس بھی کافروں کی طرح ہو، اس کی تہذیب بھی کافروں کی طرح ہو تو باطل کون ہے؟ کون ہلاک ہو گا۔ جب دونوں طرف باطل ہے تو ہلاک کون ہو گا۔ وَیُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ جہاں حق ہو گا اللہ اسے اپنے حکم سے کامیاب فرمائے گا؟ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۸۲﴾ خواہ بدکاروں کو یہ بات کتنی ہی بری کیوں نہ لگے اللہ کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قانون ہے۔

سورۃ یونس رکوع 9 آیات 83 تا 92

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ
يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾
وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ
مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى
وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ
وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ
رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ
سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ
فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ
وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ
لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

پس موسیٰ (علیہ السلام) پر کوئی ایمان نہ لایا مگر ان کی قوم کے چند لڑکے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے کہ وہ ان کو مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ اور بے شک فرعون ملک میں بہت زور آور تھا اور یقیناً وہ حد سے بڑھا ہوا تھا ﴿۸۳﴾ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم (دل سے) فرمانبردار ہو تو ﴿۸۴﴾ تو انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار! ہم کو ظالم لوگوں (کے ہاتھ) سے آزمائش میں مبتلا نہ فرمایے ﴿85﴾ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر لوگوں سے نجات بخشیے ﴿86﴾ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لیے مصر میں گھر بنائیں اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجدیں) بنائیں اور نماز قائم کریں اور ایمان والوں کو خوش خبری سنا دیں ﴿87﴾ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار! یقیناً آپ نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں بہت زیب و زینت اور مال و زر عطا فرما رکھا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! (اس وجہ سے) کہ یہ آپ کے راستے سے گمراہ کریں اے ہمارے پروردگار! ان کے مال کو برباد کر دیجیے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجیے پس یہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ﴿88﴾ فرمایا کہ یقیناً آپ دونوں کی دعا قبول فرمالی گئی پس آپ دونوں ثابت قدم رہیں اور جاہلوں کی راہ کی پیروی نہ کریں ﴿89﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرا دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی کرتے ہوئے اور حد سے بڑھتے ہوئے ان کا تعاقب کیا یہاں تک کہ جب اس کو غرق (کے عذاب) نے آ پکڑا تو کہنے لگا میں ایمان لایا کہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سوائے اس ذات کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ﴿90﴾ (فرمایا) اب (ایمان لاتا ہے)؟ حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں

سے تھا ﴿91﴾ سو آج ہم تیرے بدن کو نجات (سمندر سے نکال) دیں گے تا کہ تو اپنے بعد والوں کے لیے عبرت ہو اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں ﴿92﴾

تفسیر و معارف

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ 83 فرمایا یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد ان کی قوم کے چند نوجوان ایمان لے آئے اور اکثریت ان سے خوفزدہ رہی۔ فرعون اور اس کے امراء سے ڈرتے رہے کہ وہ ان پر کوئی مصیبت نہ ڈال دیں۔ اور ان کا ڈرنا اس لیے تھا کہ بیشک فرعون بہت طاقتور، زور آور حکمران تھا۔ اس کا ملک بہت بڑا تھا وہ بڑی دولت کا مالک تھا اس کا لاؤ لشکر بھی بہت تھا حتّٰی کہ وہ اپنی خدائی کا دعویدار بھی تھا۔ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ بلاشبہ وہ حد سے بڑھا ہوا شخص تھا۔ اس کے ظلم سے ڈر کر اکثریت خاموش رہی دل سے موسیٰؑ کو مان بھی گئے لیکن اظہار نہیں کیا البتہ چند نوجوان ایمان لے آئے اور پھر ڈٹ گئے۔

توکل لازمہ ایمان:

موسیٰؑ نے فرمایا وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ 84

اے میری قوم اگر تم ایمان لے آئے ہو تو پھر ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھو کسی سے امید رکھو نہ کسی کے خوف میں آؤ۔ جب اللہ کو ہر چیز پر قادر مانا ہے تو پھر اس بات پر جم جاؤ کہ جو اللہ کرے گا وہی ہوگا۔ اگر اللہ نے موت لکھی ہے تو میرے لیے وہی مبارک ہے میرا بھلا اسی میں ہے اور اگر اللہ نے میری زندگی رکھنی ہے تو کوئی مجھے مار نہیں سکتا۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ 84 اگر تم مسلمان ہو۔ اللہ پر بھروسہ کرنا بندے کے مسلمان ہونے کی نشانی ہے اس کے اسلام کا لازمہ ہے۔

اللہ پر بھروسہ ہو تو انسان حصولِ دولت کے لیے ناجائز ذرائع اختیار نہیں کرتا۔ اللہ پر یقین محکم ہو کہ اس نے مجھے پیدا کیا ہے، میری روزی اپنے ذمہ لی ہے وہی مجھے موت دے گا، دوبارہ زندہ کرے گا، حساب کتاب لے گا، جب میرا فیصلہ میرے رب نے کرنا ہے تو مجھے کسی کی خوشامد سے کیا غرض۔ پھر نہ جھوٹ بولنے کی ضرورت رہتی ہے نہ

دھوکہ دہی کی۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ 84 اس آیت کا ترجمہ ہے، اگر تم مسلمان ہو، اگر تم تسلیم کرتے ہو، گویا مسلمان کا معنی ہے ماننے والا تسلیم کرنے والا، حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک تمام ایمان لانے والوں کو مسلمان کہا گیا ہے۔ ہر نبیؑ کے عہد میں انؑ کے پیروکار مسلمان کہلائے۔ ہر نبی کا دین اسلام رہا۔

جب توکل شرط ایمان ٹھہرا تو فرمایا اگر تم مسلمان ہو تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو پھر چوری، رشوت کی کیا ضرورت ہے؟ زراعت کرو، ملازمت، کاروبار کے جائز وسائل اختیار کرو حلال کی روکھی سوکھی کو حرام کی شرینی پر ترجیح دو۔

اگر غور کیا جائے کہ بندہ گناہ کیوں کرتا ہے تو سادہ سا جواب ہے، حصولِ لذت کے لیے کرتا ہے حصولِ اقتدار، حصولِ دولت، دنیا کے لالچ کے لیے کرتا ہے۔ یعنی اسے اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اور جسے اللہ پر بھروسہ ہوتو وہ جانتا ہے کہ ہر چیز اللہ سے لینی ہے، اللہ کے فیصلے سے ملنی ہے تو اس کے لیے گناہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ ان نوجوانوں نے جو ایمان لے آئے تھے کہا، اے اللہ کے رسولؐ! ہم نے اللہ پر بھروسہ رکھا اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی اور فرعون کوئی معمولی حکمران نہیں تھا۔ فرعون کا خاندان کم وبیش چار سو سال سے اقتدار میں تھا۔ یہ آخری فرعون بادشاہ تھا جو موسیٰؑ کے ساتھ مقابلے میں غرق ہو کر تباہ ہوا۔ یہ بے پناہ خزانے کے مالک، بڑی وسیع سلطنت کے حکمران، سخت متکبر، اپنی پوجا کروانے والے جو خود خدا بنے بیٹھے تھے۔ اتنی جابر حکومت کے سامنے وہ نوجوان ڈٹ گئے اور کہا ہم اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اب کوئی ہمارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔ اب خواہ کچھ بھی ہو ہمارے لیے اگر اللہ نے موت لکھی ہے تو یہی مبارک ہے، زندگی لکھی ہے تو ہمارے لیے یہی مفید ہے، ہم اللہ ہی پر بھروسہ کریں گے، پھر سب نے مل کر دعا کی۔

اجتماعی دعا:

جب اجتماعی طور پر ظلم وزیادتی ہوتی ہے تو اس کے خلاف اللہ سے مدد اجتماعی دعا سے، اجتماعی دعا کر کے مانگنی چاہیے۔ فرعون ساری قوم پر ظلم کرتا تھا تو ان سب مسلمانوں نے جمع ہو کر دعا کی رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ 85 یا اللہ ہم کمزور ہیں، ہم پر آزمائش نہ ڈال اور ظالموں کے سامنے ہمیں فتنے میں مبتلا نہ کر۔ ایمان یہ سکھاتا ہے کہ اللہ پر بھروسہ کر کے تکبر میں نہ آجاؤ اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہوئے اللہ پر بھروسے کا اظہار کرو اور قدرت باری کو پکارو کہ یا اللہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمیں اس مصیبت سے بچا، فرعون ہم پر ظلم کر رہا ہے، ہم سے بیگار لیتا ہے، ہماری اولاد کو قتل کرتا ہے، جو سزا چاہے دیتا ہے، کوئی انصاف نہیں، کوئی اس کا

ہاتھ روکنے والا نہیں۔ سب نے دعا کی اور یہ بھی عرض کی وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ 86 اپنی رحمت سے ہمیں ان کافروں سے نجات بخش۔ تقاضائے ایمان تو یہ ہے کہ بندہ اللہ ہی پر توکل کرے اور توکل علی اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کی ضرورت پڑے وہ اللہ سے مانگے۔ مصیبت کا مداوا اللہ سے مانگے اور اجتماعی طور پر مانگے تو بہت ہی بابرکت ہے۔ یہی ہوا ان کی دعا قبول ہوئی اور نہ صرف فرعون کے ظلم سے نجات ملی بلکہ فرعون کی ساری سلطنت وحکومت اور خاندان تباہ ہو گیا۔ فرعونیوں کے اقتدار کا چار سو سالہ سورج، سمندر میں غرق ہو کر تباہ ہو گیا۔

ایک اہم نکتہ:

اہم بات یہ تھی کہ جو لوگ موسیٰ پر ایمان لائے اور اجتماعی دعا کی، جن کی دعا قبول ہوئی ان کے عقیدے سے عمل تک، سوچ سے حلیے تک پر موسیٰ کی شریعت کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ ان کا نظریہ اپنا تھا۔ کردار اپنا تھا۔ کھانے پینے کے احکام موسیٰ کی شریعت کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ ان کا نظریہ اپنا تھا۔ کردار اپنا تھا۔ کھانے پینے کے احکام موسیٰ کے حکم کے مطابق تھے۔ اللہ کی عبادت ایسے کرتے تھے جیسے اللہ کے نبیؑ نے بتایا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ جیسے برسر اقتدار لوگ ہیں ویسے ہی ہم بن جائیں۔ لباس بھی ان جیسا ہو، طور اطوار بھی ان جیسا ہو بلکہ ان کی معاشرت و معیشت کے سب اسلوب فرعونیوں سے الگ اور اپنے تھے اگر وہ فرعونیوں جیسا بننے کے خواہشمند ہوتے تو پھر قدرت باری فرعونیوں کو کیوں غرق کرتی؟ جب یہ بھی ویسے ہوتے جیسے فرعونی تھے تو غرق کون ہوتا!

جب ایمان والوں نے اللہ کریم سے دعا مانگی کہ ہمیں اپنی رحمت سے کافروں کے ظلم سے پناہ عطا فرما اور نجات دے تو اس کا جواب آیا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ 87 ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی پر یہ وحی فرمائی کہ ایسے گھر بناؤ جن کا رخ قبلے کی طرف ہو تا کہ اپنے گھر کے اندر قبلہ رخ ہو کر عبادت کی جا سکے۔ فرعون چونکہ عبادت سے بھی روکتا تھا اور عبادت گاہیں بنانے نہیں دیتا تھا جب یہ لوگ عبادت گاہیں بناتے تو انہیں مسمار کروا دیتا تھا تو اللہ کریم نے مومنین کو حکم دیا کہ اپنے گھروں کو قبلہ رخ تعمیر کرو تا کہ اپنے گھروں میں قبلہ رو ہو کر عبادت کر سکو۔

یاد رہے آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر عیسیٰ تک معابد یا عبادت گاہ ایک مخصوص جگہ ہوتی تھی ہر شخص اس عبادت خانے میں جا کر عبادت کرتا تھا اس سے باہر کوئی عبادت نہیں ہوتی تھی۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت:

یہ شان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے اللہ کریم نے ساری زمین کو مسجد بنا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا پر تشریف لانے سے زمین کو دو خصوصیتیں عطا ہوئیں۔ ایک یہ کہ ساری زمین مسجد قرار پائی اور دوسرا یہ کہ مٹی کو طہارت حاصل کرنے اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ یہ خصوصیت پہلے کسی امت کے پاس نہیں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ پانی سے دھونے سے جلد پاک ہوتی ہے اور تیمم سے ہڈیوں کا گودا بھی پاک ہو جاتا ہے لیکن تیمم کی اپنی شرائط ہیں۔

بلاشبہ ساری زمین مسجد ٹھہرا دی گئی ہے لیکن فرائض واجبہ مساجد میں ادا کرنا اور باجماعت ادا کرنا افضل ترین ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلوٰۃ کے فرائض مسجد میں ادا فرماتے اور سنتیں اور نوافل عموماً گھر میں ادا فرماتے تھے اور حکم بھی فرمایا ہے کہ سنت اور نوافل گھروں میں ادا کرو تا کہ وہاں بھی اللہ کا نور ہو، اللہ کی برکات ہوں، اللہ کی رحمت ہو۔

اس آیہ مبارکہ سے یہ بھی سمجھ آتی ہے کہ ہر امت میں صلوٰۃ کے لیے قبلہ رو ہونا شرط تھا اور فرمایا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ اور صلوٰۃ کو قائم کرو۔ اقامت صلوٰۃ صرف یہی نہیں کہ بندہ خود پابندی اوقات سے اور درست طریقے سے صلوٰۃ کا پابند ہو بلکہ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ اپنے دائرہ کار کے اندر پابندی صلوٰۃ کو رواج دو۔ اپنے گھر والوں کو، اولاد کو، رشتہ داروں کو، ملنے جلنے والوں کو اور اپنے دفتری ساتھیوں کو جن لوگوں سے تمہارا کاروبار ہے ان سب کیلیے اقامت صلوٰۃ کا سبب بنو۔ خلاصہ یہ کہ اپنے عقیدے و عمل میں اپنی تہذیب و معاشرت میں فرعونیوں سے الگ ہو جاؤ۔ صلوٰۃ قائم کرو وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ 87 اور مومنوں کو بشارت دے دو کہ فرعونیوں سے جان چھوٹ جائے گی۔ فرعون غرق ہو جائے گا۔ اس کی حکومت تمہارے قدموں میں ہو گی۔

مسلمان کی کامیابی اس کی الگ شناخت میں ہے:

آج ہم مسلمان بھی یہی چاہتے ہیں کہ غیر مسلم ظالم طاقتیں غرق ہو جائیں لیکن ہمارے کردار، ہماری معیشت اور ہماری معاشرت ہو بہو ان جیسی ہے، ہمارے اور ان کے کردار سے حلیے تک کسی میں کوئی فرق نہیں، ہم بھی اسی طرح دولت کے پیچھے ایک دوسرے کی تباہی کے درپے ہیں۔ حلال و حرام کی جیسے انہیں پرواہ نہیں ہمیں بھی نہیں۔ ہمارے حلیے اور معاشرت میں کوئی فرق نہیں تو وہ کیوں غرق ہوں گے؟ غرق ہوں گے تو اکٹھے ہوں اور بچیں گے تو اکٹھے بچیں گے کہ ہم ہر چیز میں ایک جیسے ہیں۔

ہمارا عالم تو یہ ہے کہ جن غیر مسلم کافر اور ظالم حکومتوں کے ہم شاکی ہیں ان ہی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ ہم کیسے مسلمان ہیں! جسے بددعائیں دیتے ہیں اسی سے مانگ کر کھاتے ہیں، ہماری تو کوئی چیز اپنی نہیں۔ ہندوؤں کی رسومات یہودیوں کی معیشت، نصاریٰ کی عادات کا ہم نے ایک ملغوبہ بنا رکھا ہے۔

کامیابی کے لیے لازم ہے کہ خود کو صراط مستقیم پر لائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ پر اعتبار کریں تب اللہ کریم کی ذات پر اعتبار نصیب ہوگا۔ اسی اعتبار کا نام اسلام ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

انبیاءؑ کا ہر کام مبنی بر مصلحت ہوتا ہے:

موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دلائل اور معجزات اور سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی جب فرعون اپنی بات پر اڑا رہا تو موسیٰؑ نے بددعا فرمائی۔ عرض کی بارالٰہا آپ نے تو فرعون اس کے امراء اور اس کے سرداروں کو زندگی میں زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی بے پناہ نعمتیں مال و دولت زیب و زینت عطا فرما رکھا ہے لیکن انہوں نے آپ کا شکر ادا کرنے کی بجائے کفر کی راہ اختیار کی اور نہ صرف خود بلکہ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ان کا رویہ ایسا ہے کہ جہاں تک ان کا بس چلتا ہے وہ دوسروں کو بھی آپ کی راہ سے روکتے ہیں رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ اے اللہ ان کے مال و دولت کو برباد کردے وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں کو سخت کردے فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ اور جب تک عذاب نہ دیکھ لیں انہیں ایمان کی توفیق نصیب نہ ہو۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوتے ہیں اور اپنی پوری محنت پوری کوشش، دلائل، معجزات، دکھ، تکلیفیں، اٹھا کر برداشت کر کے مخلوق کی اصلاح کے لیے ہمیشہ رات دن سرگرم عمل رہتے ہیں اور یہی ان کا منصب جلیلہ ہے۔ لیکن ایک حد ہوتی ہے اگر یہ ناامید ہوجائیں اللہ کے مقبول بندے اللہ کی محبوب ہستیاں ناامید ہوجائیں تو پھر بھی بددعا کسی ذاتی فائدے یا انتقام کے لیے نہیں کرتے بلکہ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اسی حال میں باقی رہے تو خود تو گمراہی پر جمے ہوئے ہیں آنے والی نسلوں کو بھی گمراہ کرتے چلے جائیں گے تو پھر بددعا کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہتا کہ اللہ انہیں تباہ کرے اور ان کے شر سے آنے والی مخلوق کو محفوظ فرمائے۔ نوح علیہ اسلام نے بھی بددعا فرمائی تھی تو انہوں نے بھی یہی عرض کیا تھا کہ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ (نوح:27) یا اللہ ان کافروں کو اگر آپ نے چھوڑ دیا اور یہ باقی رہے تو یہ تیری مخلوق کو گمراہ کرتے رہیں گے وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا○ (نوح:27) اور ان کی نسل بھی بدکار اور کافر ہوگی لہٰذا انہیں تباہ فرما۔ موسیٰؑ نے بددعا فرمائی تو اس

لیے يُضِلُّوْا عِبَادَكَ اللہ تو نے انہیں ملک، دولت سلطنت، طاقت قوت، زیب وزینت، مال ودولت کتنی نعمتیں دے رکھی ہیں لیکن یہ ایسے بدبخت ہیں کہ نہ صرف خود کفر پہ اڑے ہوئے ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی آپ کی راہ سے گمراہ کرتے ہیں يُضِلُّوْا عِبَادَكَ آپ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں لہٰذا جس مال پر دنیوی دولت وطاقت اور فوج پر انہیں غرور ہے یا اللہ ان کا یہ مال ودولت اور یہ قوت تباہ کردے اور ان کے دلوں کو بھی سخت کردے۔ جب تک عذاب دیکھ نہ لیں ایمان نہ لائیں۔ کافر جب کوئی عذاب دیکھ لیتا ہے یا اس پر برزخ کھل جاتا ہے یا آخرت منکشف ہوجاتی ہے تو پھر توبہ کا وقت گزر چکا ہوتا ہے چونکہ توبہ کے لیے بھی ایمان بالغیب شرط ہے اور جب ہر چیز سامنے آگئی اور عندالموت برزخ سامنے آجاتا ہے۔ تو مفسرین کرام یہاں لکھتے ہیں کہ اللہ کے نیک بندوں سے اگر استفادہ نہ کرسکے فائدہ حاصل نہ کرسکے ان کا ساتھ نہ دے سکے تو ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ چونکہ مخالفت بہت مہنگی پڑتی ہے۔ انبیاؑ کی مخالفت خود اللہ سے دشمنی مول لینا ہے اسی طرح انبیاؑ کے متبعین یعنی اہل اللہ کی مخالفت اللہ سے دشمنی لینا ہے اور یہ دنیوی طور پر بھی اور اخروی طور پر بھی تباہ کردیتی ہے چنانچہ ارشاد ہوا قَالَ قَدۡ اُجِيۡبَتۡ دَّعۡوَتُكُمَا اللہ کریم نے فرمایا کہ آپ دونوں (ہارون اور موسیٰؑ) کی یہ دعا قبول فرمالی گئی ساتھ ایک شرط لگادی کہ آپؑ کی دعا تو قبول ہوگئی۔ ان کے مال تباہ ہوجائیں گے ان کے دل سخت ہوجائیں گے لیکن فَاسۡتَقِيۡمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيۡلَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ 89 آپؑ استقامت دکھایئے اپنے رستے پر اپنی تہذیب پر اپنی معاشرت پر جم کر رہے۔ جو آپ کو اللہ کی طرف سے عطا ہوئی ہے اس کے مطابق اپنے آپ کو قائم رکھیے اور ان کا راستہ اختیار مت کیجئے۔ یہاں بڑی غور طلب بات ہے کہ موسیٰؑ بھی اللہ کے نبی ہیں ہارونؑ بھی اللہ کے نبیؑ ہیں تو فرعون کے کس راستے کی انہوں نے پیروی کرنی تھی جو فرمایا گیا کہ جاہلوں کی راہ کی پیروی نہ کریں۔ ظاہر ہے عقیدے میں تو ممکن نہیں عبادات میں بھی ممکن نہیں تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے؟ باقی رہ جاتی ہے تہذیب یا معاشرت، حلیہ لباس کھانے پینے کے انداز، ملنے جلنے کے طریقے، رشتہ داریاں، آنا جانا، لباس حلیہ۔ فرمایا یہ ساری چیزیں الگ رکھیے۔ اپنی الگ شناخت ہو۔ مسلمان الگ ہو۔ کافر الگ ہو۔ دیکھنے سے ہی تمیز ہوجائے کہ یہ مسلمان ہے، یہ کافر ہے آپؑ کا ہر انداز طریقہ سلیقہ اللہ کے حکم کے مطابق اور ان کی تہذیب کے خلاف ہو۔

آپ اپنے نظام حیات پہ قائم رہیے۔ وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيۡلَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ 89 اور جاہلوں کی پیروی مت کیجئے۔ اس کا مطلب ہے اگر موسیٰؑ اور ان کی قوم فرعونیوں جیسا لباس اختیار کرلیتی، ان جیسا حلیہ بنالیتی، ان جیسے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے کے انداز اپنالیتی تو فرعونی بھی تباہ نہ ہوتے چونکہ اللہ کریم نے یہ شرط لگادی کہ مومن اور

پیروی مت کیجئے۔اس کا مطلب ہے اگر موسیٰ اور ان کی قوم فرعونیوں جیسا لباس اختیار کر لیتی ،ان جیسا حلیہ بنا لیتی ،ان جیسے کھانے پینے ،اٹھنے بیٹھنے کے انداز اپنا لیتی تو فرعونی بھی تباہ نہ ہوتے چونکہ اللہ کریم نے یہ شرط لگا دی کہ مومن اور کافر کی تمیز باقی رہے آپ کی تہذیب اسلام کی عکاس ہو لہٰذا ان کی پیروی نہ کیجئے۔آج ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ اتنے ظلم ہوتے ہیں اتنے قتل کرتے ہیں کافر اتنے حملے کرتے ہیں اتنی سازشیں کرتے ہیں اللہ انہیں تباہ کرے لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ہم بھی سارے کے سارے ان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔کافر نماز ادا نہیں کرتا تو ہم میں سے کتنے فیصد لوگ نماز ادا کرتے ہیں۔اس کا تو ایمان ہی نہیں ہے اس پر تو ایمان لانا واجب ہے ایمان لائے گا تو نماز فرض ہوگی کافر پر تو نماز فرض نہیں ہے ہم سے اللہ کی عبادات چھوٹ رہی ہیں۔سر سے پاؤں تک ہمارا حلیہ یہودیوں یا نصاریٰ جیسا ہوتا ہے اور تہذیب اور رسومات ہم نے ہندوؤں سے ادھار لے لی ہیں کون سی کافر قوم ہے جس کی کوئی نہ کوئی ادا ہم نے اپنا نہیں لی الا ماشاء اللہ ۔ اللہ کے بہت تھوڑے بندے ہیں جو اسلامی تہذیب میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن چھپن ،ستاون مسلم ممالک کو دیکھ لیں اکثریت اپنی شناخت چھوڑ چکی ہے۔کتنے لوگ ہیں جو بچے ہوئے ہیں تو جب تہذیب ومعاشرت اور حلیہ رہن سہن ایک ہو جائے گا تو فرمایا پھر کافر بھی تباہ نہیں ہوں گے۔جب تم نے ان کی تہذیب اپنالی دونوں ایک جیسے ہو گئے تو کسی کو تباہ کرنے کی کیا ضرورت ہے کون تباہ ہوگا۔فرمایا قَالَ قَدۡ أُجِيبَت دَّعۡوَتُكُمَا آپ دونوں کی دعا تو قبول فرمالی گئی فَاسۡتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَ89 اپنے حال پہ اپنی تہذیب اپنی شریعت اپنی معاشرت پر قائم رہیے اور ان جاہلوں جیسا مت ہو جائیے ان کی راہ مت اپنایئے۔

وَجٰوَزۡنَا بِبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱلۡبَحۡرَ پھر ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرا دیا۔موسیٰ کو حکم ہوا کہ آپ یہاں سے نکل جائیں اور اپنی قوم کو بھی ساتھ لے جائیں۔قوم نے آپ کی پیروی کی اور آپ کے ساتھ راتوں رات سارے نکل کھڑے ہوئے۔آگے سمندر تھا ساحلِ سمندر پر پہنچے۔پیچھے فرعون کو بھی اطلاع ہوگئی۔اس نے بھی اپنے لاؤ لشکر جمع کیے۔قرآن کریم میں اس کا ذکر موجود ہے اور ان کے پیچھے چل نکلا بنی اسرائیل گھبرائے کہ گرد اڑ رہی ہے لگتا ہے شاہی لشکر آرہا ہے۔آگے سمندر ہے ہم تو مارے گئے تو موسیٰ نے فرمایا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهۡدِينِ○ (الشعراء:62) میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔ارشاد ہوا آپ عصاء سمندر پہ ماریے عصاء سے سمندر پھٹ کر الگ الگ پہاڑوں کی شکل میں پانی رک گیا كَٱلطَّوۡدِ ٱلۡعَظِيمِ ۞ (الشعراء:63)

فرعون اور اس کا سارا لشکر غرقاب ہو گیا فرمایا وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ بنی اسرائیل کو تو ہم نے سمندر پار کرا دیا فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ فرعون کا شکر بغاوت کرتا ہوا اور زور زبردستی کرتا ہوا اور ان کی دشمنی میں جوش وجذبات میں بڑھتا چلا آرہا تھا اور وہ سب ان کے پیچھے پیچھے سمندر میں اتر گئے حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ حتی کہ غرق کردیے گئے۔ جب فرعون کے غرق کی باری آئی اور اسے سمندر میں غوطے آئے اور موت کے فرشتے دیکھے اور آخرت منکشف ہوئی تو کہنے لگا قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ 90 میں ایمان لاتا ہوں اس معبود پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لا الہ الا الذی کوئی مستحق عبادت نہیں سوائے اس ذات کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں اسلام قبول کرتا ہوں میں مسلمان ہوتا ہوں لیکن اس کا ایمان لانا مقبول نہ ہوا۔ کیوں؟

ایمان کی بنیادی شرط یہ ہے يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (البقرۃ: 3) اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر، اپنے جانے بغیر اللہ کے نبیؑ اور اللہ کے رسولؐ کے بتانے پر غائبانہ ایمان لائیں۔ دوسری ایمان کی شرط یہ ہے کہ ایسا مانیں جیسا اللہ کا نبیؑ منواتا ہے اس طرح سے ماننا اسلام ہے ورنہ اپنے طور پر اپنے انداز میں اللہ کی الوہیت اور واحدنیت کا انکار کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ مختلف نام رکھ لیں اللہ نہ رکھیں کوئی اور نام رکھ لیں لیکن انہیں ایک ایسی ہستی ماننا پڑتی ہے جو بالآخر سب کی حاکم ہے سب کی خالق ہے سب کو پیدا کرنے والی ہے حتی کہ ہندو بھی بے شمار دیوی دیوتا ماننے کے بعد مہادیوتا کو مانتے نہیں جو سب سے بڑا دیوتا ہے وہ اکیلا ہے وہ سب کا حاکم ہے انہیں بھی ماننا پڑتا ہے یہ ماننا ماننا نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے ایسا گھڑ لیا مان لیا۔ ماننا ایسا ماننا ہے جیسا اللہ کا نبیؐ ماننے کا حکم دیتا ہے۔ ہمارے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ بچہ کو جب آپ اللہ کا اللہ کی ذات پر ایمان لانے کا تصور دیں تو اسے یہ سمجھائیں کہ میں اس اللہ کو ویسا ہی مانتا ہوں جس کو حضرت محمد ﷺ جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور جنہوں نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی جیسا وہ منواتے ہیں ویسا ہی میں اس اللہ کو مانتا ہوں۔ یہ اتنی تفصیل اس لیے دی ہوئی ہے کہ یہ شرط ہے ایمان کی۔

جب فرعون کے سامنے موت آ گئی، غوطے آئے تو کہنے لگا میں بھی مانتا ہوں اسی معبود کو جس کو بنی اسرائیل مانتے ہیں۔ جیسے انہیں موسیٰؑ نے منوایا میں ویسا ہی مانتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوتا ہوں اسلام قبول کرتا ہوں مسلمان ہوتا ہوں۔ ارشاد ہوا آٰلْـٰٔنَ اب مسلمان ہوتے ہو۔ اب موسیٰؑ کی تعلیمات کا کیا کرو گے اب تو فرشتے تمہارے سامنے ہیں دوزخ سامنے ہے عذاب نظر آرہے ہیں۔ تو جب معاملہ بالغیب نہ رہا توبہ کا وقت گزر گیا۔ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ 91 جب ماننے کا وقت تھا اس وقت تو سخت نافرمانی کرتا رہا اور نہ صرف خود نافرمان رہا

ہوں۔ارشاد ہوا آٰلْـٰٔنَ اب مسلمان ہوتے ہو۔اب موسیٰ کی تعلیمات کا کیا کرو گے اب تو فرشتے تمہارے سامنے ہیں دوزخ سامنے ہے عذاب نظر آرہے ہیں۔تو جب معاملہ بالغیب نہ رہا تو بہ کا وقت گزر گیا۔ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ 91 جب ماننے کا وقت تھا اس وقت تو سخت نافرمانی کرتا رہا اور نہ صرف خود نافرمان رہا بلکہ ایک بڑی مخلوق کو فساد میں مبتلا کیا لوگوں کے ایمان تباہ کر دیے تو اب ماننے کا کیا فائدہ۔فرمایا فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۔ آج ہم تیرے بدن کو پانی سے نکال کر باہر رکھ دیں گے اور اسے آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا سامان بنادیں گے۔تو دیکھ لیں کہ خدائی دعوے کرنے والوں اور طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا لوگوں کا انجام کیا ہوتا ہے چنانچہ سمندر نے اس کی لاش باہر پھینک دی۔قبطیوں نے اس کی ممی بنا کر وادی شاہان میں دفن کی پھر وہ وہاں سے برآمد ہوئی۔آج کل بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھی ہے وہی فرعون موسیٰ کے مقابلے میں غرق ہوا تھا اسی کی لاش آج تک درس عبرت بنی ہوئی پڑی ہے۔ڈاکٹروں نے اس پر تحقیقات کی تھیں ان پر بھی عیسائی پادریوں نے بڑا زور لگایا کہ آپ کہیں کہ یہ وہ فرعون نہیں جو موسیٰ کے مقابلے میں تھا لیکن ان ڈاکٹروں نے اگرچہ وہ ڈاکٹر خود عیسائی تھے کہا کہ اگر ہم یہ کہہ دیں گے تو جو بعد میں آنے والا تحقیق کرے گا وہ ثابت کر دے گا کہ اس کی جلد میں سمندر کی نمکیات ہیں یہ سمندر میں غرق ہو کر مرا ہے تو ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔تحقیقات کوئی ہم تک ختم تو نہیں ہوتیں اور یہ تو پڑا رہے گا اور پتہ نہیں کب تک پڑا رہے گا اور وہ ابھی تک ویسا ہی پڑا ہے۔

تو فرمایا جب ماننے کا وقت تھا تو نے نافرمانی کی اور پھر صرف تو خود نافرمان نہیں تھا وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ 91 تو فساد کرنے والوں میں سے تھا تو نے بے شمار مخلوق کے ایمان تباہ کیے لوگوں کو گمراہ کیا محض اپنے دنیوی اقتدار کے لیے مال و دولت جمع کرنے کے لیے پیسہ اکٹھا کرنے کے لیے لوگوں کو دھوکہ دیا، گمراہ کیا اللہ کی راہ سے روکا اور یہ ایسا جرم ہے کہ ہم تیرے بدن کو سمندر سے نکال پھینکیں گے اور آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا نشان بنادیں گے وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ 92 بے شمار لوگ ایسے ہیں جو ہماری ان نشانیوں کے باوجو غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں پروا نہیں کرتے۔آج بھی دین کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دینا آج بھی ایسے دعوے کرنا جن کی بندے میں اہلیت نہیں ہے اور دین کے حوالے سے لوگوں کو لوٹنا، ان سے مال لینا، ان سے خدمت کرانا، ان کی ایک جمعیت بنا کر ان سے دنیوی فائدے حاصل کرنا یہ وہی عمل ہے جو فرعون نے کیا تھا اللہ اس سے بچائے اور دین کو (Exploait) کر کے دنیا جمع کرنا بدترین گناہ ہے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ دین کو دنیا کے لیے بیچا جائے۔

سورۃ یونس رکوع 10 آیات 93 تا 103

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا
اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔـلِ الَّذِيْنَ
يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ
جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ
فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ
الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ
فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ
عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا
تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ
اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا
نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾

اور یقیناً بنی اسرائیل کو ہم نے رہنے کی عمدہ جگہ دی اور انہیں کھانے کو پاکیزہ چیزیں عطا
کیں پھر وہ باوجود علم آ جانے کے اختلاف کرتے رہے بے شک آپ کا پروردگار ان
میں قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا جس چیز میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿93﴾ پھر
اگر (بالفرض) آپ کو اس (کتاب) میں کوئی شبہ ہو جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا
ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجیے جو آپ سے پہلے (کی) کتاب کو پڑھتے ہیں۔
بے شک آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس حق آ چکا سو آپ کو ہرگز شک
کرنے والوں میں نہ ہونا چاہیے ﴿94﴾ اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے
ہماری آیات کو جھٹلایا ورنہ آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿95﴾
بے شک جن لوگوں کے بارے آپ کے پروردگار کا حکم (کہ ایمان نہ لائیں گے)
آ چکا وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿96﴾ اور اگرچہ ان کے پاس ہر طرح کی نشانی
آ جائے یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں (97) چنانچہ کیوں کوئی بستی (ہلاک
شدگان میں سے) ایمان نہ لائی پھر اس کا ایمان لانا اسے نفع دیتا ہاں مگر یونس (علیہ
السلام) کی قوم جب وہ ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے رسوائی کے
عذاب کو ٹال دیا اور ایک خاص وقت (مدت العمر) تک ان کو فوائد (دنیا) سے بہرہ مند
رکھا ﴿98﴾ اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب ضرور ایمان
لے آتے (جب یہ بات ہے) تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ
ایمان لے آئیں ﴿99﴾ کسی شخص کا اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لانا ممکن نہیں اور بے
عقل لوگوں پر وہ (کفر کی) گندگی ڈالتے ہیں ﴿100﴾ (ان سے) فرمایئے دیکھو
آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کو نشانیاں اور
ڈرانے والے کام نہیں آتے ﴿101﴾ سو کیا وہ (ایسے بڑے دنوں کا) انتظار کر رہے
ہیں جیسے (بڑے) دن ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے فرمایئے پس انتظار کرو بے شک
میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ﴿102﴾ پھر ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان
والوں کو بچا لیتے ہیں اسی طرح ہمارا ذمہ ہے کہ ایمان والوں کو نجات دیں ﴿103﴾

تفسیر ومعارف

اللہ کریم سے بڑھ کر قدر دان کوئی نہیں۔ فرمایا بنی اسرائیل نے میرے نبیؑ کے کہنے پر اپنے گھر بار چھوڑ دیئے اور اٹھ کھڑے ہوئے تو ہم نے انہیں بہت خوب صورت، عمدہ اور مبارک جگہ عطا فرمائی۔ انہیں رہنے کو فلسطین کا بابرکت علاقہ دیا۔ اور ان کی مفلسی بھی دور کردی۔ وَّرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ انہیں کھانے کو حلال اور پاکیزہ چیزیں دیں اور ان پر مزید کرم فرمایا انہیں مصر کی بادشاہت بھی مل گئی اور جب ہم نے ان پر یہ انعامات کیے تو نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے پر انہوں نے اختلاف کیا جبکہ بنی اسرائیل کی اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کی بعثتِ عالی کی پیشین گوئی موجود تھی، حلیہ مبارک موجود تھا حتیٰ کہ خلفائے راشدین کا حلیہ مبارک بھی موجود تھا۔ ان سب کے باوجود فَمَا اخۡتَلَفُوۡا حَتّٰى جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ؕ جب ان کے پاس علم آیا تو اختلاف کرنے لگے۔

یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ فرعون نے برائی کی تو فرعون غرق ہوگیا۔ یہ اصول سب کے لیے ہے جو بھی برائی کرے گا اپنے برے اعمال کا انجام پائے گا۔ خواہ دنیا میں غرق ہو کر مرے یا مر کر بارگاہ عالی میں جا کر انجام کو پائے۔ نیک وبد کا فیصلہ ضرور ہوگا۔ اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ آپ کا پروردگار ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ 93 قیامت کے دن جب ساری مخلوق بارگاہ الوہیت میں حاضر ہوگی تو جس کسی کے درمیان جو اختلافات ہوں گے ان سب کا فیصلہ ہو جائے گا۔ حق قائم رہے گا اور باطل ثابت ہو جائے گا کہ یہ باطل ہے اور اپنی سزا کو پائے گا۔

فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ اے مخاطب! جو کچھ تمہارے لیے نازل ہوا ہے، اللہ کا جو کلام آیا ہے اگر اس کے کسی جملے، کسی آیت، کسی خبر، کسی حکم میں وسوسہ آتا ہے یا شک پیدا ہوتا ہے فَسۡـَٔلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ تو اپنے سے پہلے لوگوں سے جو کتاب کو پڑھتے ہیں بات کیجئے اور اپنا شک دور کیجئے۔

وسوسہ آنا مسلمانی کے خلاف نہیں:

کسی اچھے مسلمان کو بھی کسی شرعی حکم میں وسوسہ آجائے تو قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق اسے عمل کرنا چاہیے۔ فرمایا کسی وسوسے کو چھپا کر نہ رکھو اہل علم کے پاس جاؤ، بیان کرو اور شک دور کرو۔ اسے چھپائے رکھنا زہر کے مانند ہے۔ زہر کا اندر رہنا موت کا سبب بن سکتا ہے۔ کسی کو دین کے بارے، دینی حکم کے بارے، کسی سنت کے

بارے یا کسی واقعہ کے بارے اگر کوئی وسوسہ یا شبہ آتا ہے تو اسے دل میں نہیں رکھنا چاہیے۔ اسے اہل علم کے سامنے بیان کرنا چاہیے، تسلی کرنا چاہیے تاکہ عقیدہ درست رہے۔

اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ کوئی شخص ایسی بات کرے تو اس پر خفا نہ ہوں، ناراض نہ ہوں بلکہ اسے دلائل دے کر سمجھائیں۔ تفسیر بتائیں، آیت کا شانِ نزول بتائیں۔ اس کا حق ہونا واضح دلائل سے ثابت کریں۔ اس کی تسلی کرائیں اور مدد کریں کہ وہ وسوسے سے نکل سکے۔

راہنمائی انسانی ضرورت ہے۔ انسان اس کا محتاج ہے کہ اس کا ایمان غائب پر ہے نہ قیامت اس کے سامنے ہے نہ وہ آخرت کو دیکھ رہا ہے نہ دوزخ اسے نظر آ رہی ہے اور عذاب وثواب بھی اس کے سامنے نہیں اس کا ایمان تو بالغیب ہے اس لیے ہوسکتا ہے اسے کوئی وسوسہ آ جائے۔ شیطان اس کے دل میں کوئی وسوسہ ڈال دے۔ وسوسہ آنے میں غذا کا بھی بڑا اثر ہے اگر رزق حلال نہ ہو تو مزاج پر برا اثر پڑتا ہے بے یقینی پیدا ہوتی ہے اگر رزق حلال بھی ہو آدمی حلال روزی کما کر لائے پھر اس میں کوئی ناپاک چیز شامل ہو جائے تو غذا پاکیزہ نہیں رہتی غذا کا حلال ہونا اور پھر پاکیزہ ہونا دونوں ضروری ہیں۔

رزق حرام کے اثرات بہت شدید ہوتے ہیں۔ ہزاروں وساوس آتے ہیں اور بے یقینی کی کیفیت گھیر لیتی ہے۔ اللہ کے حرام کو حلال کہنے لگتے ہیں۔ آج کے معاشرے میں یہ چیز بڑی واضح نظر آتی ہے۔ قرآن حکیم نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ جو سود نہیں چھوڑے گا وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ کے لیے تیار رہے۔ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ (البقرہ:279) اس کے باوجود سود کو جائز کہنے کے لیے لوگ بڑی دلیلیں دیتے ہیں یہ رزق حرام کھانے کا نتیجہ ہے اور جائز ناجائز پر جرح شروع کر دیں تو بحث کبھی ختم نہیں ہوتی۔

سادہ سی بات ہے فرمایا لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ اس بات پر یقین کرو کہ جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ حق ہے۔ ایک ایک فرد سے کہا جا رہا ہے کہ تیرے پروردگار نے جو نازل فرمایا ہے یہ حق ہے اور اس کے خلاف باطل ہے۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ 94 اس پر شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جاؤ۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ 95 اور ان لوگوں میں شامل نہ ہونا جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

شک مہلک ہے:

شک، انکار کی طرف لے جاتا ہے یہاں دو درجے ارشاد فرمائے کہ بندہ اول شک کرنا شروع کر دیتا ہے کہ پتہ نہیں ایسا ہوگا یا نہیں۔ اس طرح کیسے ہوسکتا ہے وغیرہ۔ پھر یہ شک انکار کی طرف لے جاتا ہے اور بالآخر وہ انکار کر بیٹھتا ہے۔ دونوں سے خبردار کیا جارہا ہے کہ اس طرف مت جانا۔

یاد رہے قرآن کریم وحی الٰہی ہے اور حضور ﷺ کا عمل یعنی سنتِ مطہرہ اور ارشاد پاک، حدیث رسول ﷺ بھی وحی الٰہی ہے کہ حضور ﷺ نے کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دیا جیسا کہ سورہ النجم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ جب تک آپ ﷺ پر وحی نازل نہ ہو جائے آپ ارشاد نہیں فرماتے۔ اسی لیے قرآن حکیم کو وحی متلو اور حدیث کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ تمام مفسرین کی تشریح اسی دائرے کے اندر ہے جو تفسیر و تعبیر اس دائرے سے باہر نکل جائے وہ تفسیر قرآن نہیں تحریف قرآن ہے۔ قرآن میں غلط باتیں ملانا ہے۔

اسی لیے فرمایا شک کرنے والوں اور پھر انکار کرنے والوں کے قریب سے بھی نہ گزرنا ان میں شامل نہ ہونا کہ ان کے دونوں عالم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت خسارہ پانے والے شدید نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ 96 جنہوں نے گناہوں سے دلوں کو سیاہ کر دیا ہے۔ اللہ سے دشمنی مول لے لی ہے اور اس جرم کی پاداش میں اللہ نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے، وہ نہیں مانیں گے۔ انہیں ماننے کی توفیق ہی نہیں ہوگی۔ ایسے لوگ جن کی زندگی مسلسل نافرمانی سے عبارت ہو اور وہ کبھی توبہ نہ کریں اصلاح کی طرف نہ آئیں تو پھر انہیں توفیق ہی نہیں ہوتی۔ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ 97 بے شک ان کے پاس کتنی دلیلیں آجائیں، معجزات دیکھ لیں انہیں ایمان کی توفیق نہیں ہوگی تو پھر یہ ایمان کیسے لائیں گے۔ ہاں حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ وہ تب مانیں گے جب فرعون کی طرح دردناک عذاب دیکھ لیں گے۔ اس وقت وہ کہیں گے ہم مانتے ہیں لیکن تب ماننے کا وقت گزر چکا ہوگا۔

اللہ کریم اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ حضور ﷺ کے اتباع کی توفیق نصیب فرمائے، توبہ کی توفیق دے۔ توبہ قبول فرمائے اور اپنے عذاب سے پناہ عطا فرمائے۔ آمین

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ جو بستیاں تباہ ہو گئیں، قومیں

ہلاک ہو گئیں یہ ایمان کیوں نہیں لائے؟ اگر یہ ایمان لاتے تو ان کو بھی ایمان لانا، مومنین کی طرح نفع دیتا۔ عذاب سے، رسوائی سے اور تباہی سے بچا لیتا۔ جیسے یونسؑ کی قوم توبہ کر کے تباہی سے بچ گئی۔ اللہ نے انہیں ایک خاص وقت تک فوائد دنیوی سے بہرہ مند رکھا۔ اسی ضمن میں اللہ کریم نے ایک تاریخی واقعہ سبق کے طور پر بیان فرمایا۔ خوبصورت انداز بیان لیے ہوئے فرمایا جو لوگ ہلاک ہوئے وہ ایمان کیوں نہ لائے جبکہ انہوں نے اپنے کردار بد کے آثار دیکھ لیے تھے۔ ہاں، مگر یونسؑ کی قوم کے۔

واقعہ قوم یونسؑ:

حضرت یونسؑ اللہ کے نبیؑ اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے جو عراق اور موصل کے علاقے میں نینوی نامی بستی میں آباد تھی۔ اس بستی کی آبادی ایک لاکھ کے قریب تھی۔ آپؑ بڑی دلسوزی اور استقلال سے لوگوں کو تبلیغ کرتے رہے لیکن لوگ انکار ہی کرتے رہے۔ ایک وقت آ گیا کہ آپؑ کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی کہ ان پر تین دن میں عذاب آ جائے گا۔ آپؑ نے بستی والوں کو آگاہ کیا اور بحکم الٰہی خود بستی سے نکل گئے۔ بستی والوں نے جب دیکھا کہ آسمان پر تاریکی چھانے لگی ہے تو وہ ڈر گئے۔ ان کے بڑوں نے کہا یونسؑ کو تلاش کرو۔ اگر وہ بستی میں ہیں تو یہ ایک قدرتی آندھی طوفان ہے۔ اور اگر انہوں نے بستی چھوڑ دی ہے تو پھر یہ یقیناً عذاب الٰہی ہے جو آ رہا ہے اور ہم تباہ ہو جائیں گے۔ قوم نے یونسؑ کو بستی میں تلاش کیا۔ نہ پایا تو بڑوں نے کہا، مرد، عورتیں، بچے سب باہر نکلو اور گڑگڑا کر اللہ سے توبہ کرو۔ یونسؑ کا اتباع کرو۔ وہ سارے باہر نکل آئے۔ اللہ کریم سے توبہ کی۔ اللہ پر اللہ کے نبی علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اللہ کریم نے ان کی توبہ قبول فرمالی وہ تاریکی چھٹنا شروع ہو گئی اور عذاب ہٹ گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ 98 جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے ذلت کا عذاب ہٹا لیا اور جب تک ان کی زندگی مقدر کی تھی انہیں مہلت دی لیکن وہ مہلت اس شرط پر تھی کہ ایمان لائے ہو تو میرے نبی علیہ السلام کی اطاعت کرو۔

جب یونسؑ کی قوم، پوری بستی مان گئی تو ان پر سے عذاب ٹل گیا لیکن اب انہوں نے واقعی مان لیا تھا۔ یونسؑ کو تلاش کرنے لگے تاکہ ان سے دین سیکھیں اور اتباع کریں۔ یونسؑ چونکہ بستی چھوڑ چکے تھے، بحیرہ روم کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ جب آپؑ نے دیکھا کہ بستی پر چھائیں تاریک گھٹائیں چھٹ گئی ہیں، عذاب ٹل گیا ہے تو آپؑ نے خود سے اندازہ فرما لیا کہ میں اب واپس جاؤں گا تو یہ لوگ میری اور میرے پیغام کی، اللہ کے دین کی توہین کریں گے کہ آپ کا بتایا ہوا عذاب کہاں ہے، وہ تو چلا گیا۔ تو آپؑ نے فیصلہ کیا کہ مجھے یہاں سے دور نکل جانا چاہیے۔ یہ فیصلہ ان کا

اپنا تھالیکن اس میں کوئی نافرمانی یا گناہ نہیں تھا۔ اس لیے کہ نبیؑ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ نبیؑ سے خطا نہیں ہوتی۔ آیت کی راندش یہ بتاتی ہے کہ چاہیے تھا کہ از خود فیصلہ نہ کرتے۔ اللہ کریم سے دعا کرتے عرض کرتے کہ میں اب واپس قوم میں جاؤں یا کہیں اور چلا جاؤں۔ آپؑ نے کہیں اور جانے کا فیصلہ کرلیااور سمندر کے سفر کے لیے تیار کشتی نما جہاز پر سوار ہو گئے عین سمندر میں جا کر وہ رک گیا لوگوں نے کہا اس میں کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہے اس لیے یہ جہاز رک گیا ہے۔

حضرت یونسؑ سمجھ گئے کہ مجھے اللہ کریم سے اجازت لے کر نکلنا چاہیے تھا میں نے خود ہی فیصلہ کرلیا۔ یہ اللہ کریم کو پسند نہیں آیا۔ آپؑ نے فرمایا، وہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں۔ لوگوں نے کہا آپ کے کہنے پر فیصلہ نہیں ہوگا۔ ہم تمام مسافروں کے ناموں کا قرعہ ڈالیں گے جس کا نام نکلا اس کو نکال دیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے تین مرتبہ قرعہ ڈالا اور ہر مرتبہ یونسؑ کا ہی نام نکلا۔ انہوں نے آپؑ کو سمندر میں ڈال دیا۔ سمندر میں پھینکتے ہی اللہ کریم نے مچھلی کو حکم دیا اس بڑے قد کاٹھ والی مچھلی نے آپؑ کو نگل لیا۔

آپؑ مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو دعا کی لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانبیاء: 87) اللہ جل جلالہٗ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جس کی عبادت کی جائے، کوئی معبود برحق نہیں جس سے امید رکھی جائے، جس کی اطاعت کی جائے تو پاک ہے یا اللہ! بیشک میں غلطی پر ہوں اللہ کریم نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ مچھلی کو حکم دیا اس نے کنارے پر آ کر اُگل دیا (واقعہ کی دیگر تفصیل سورہ الصّٰفّٰت اور سورت الانبیاء میں مذکور ہے)

توبہ کی مہلت کب تک؟

اللہ کریم فرماتے ہیں ہلاک شدگان بستیوں کے رہنے والوں کو ایمان کی توفیق کیوں نہ ہوئی۔ اگر یہ توبہ کر لیتے، ایمان لے آتے اپنے کردار کو بدل لیتے تو اللہ انہیں معاف فرما دیتا۔ جب تک عذاب ظاہر نہ ہو جائے، برزخ منکشف نہ ہو جائے، فرشتے نظر آنا نہ شروع ہو جائیں تب تک کافر کے لیے بھی توبہ کی مہلت ہے۔ وہ توبہ کرلے تو اللہ کریم قبول فرما لیتے ہیں۔ بندہ دنیا میں کفر سے توبہ کر سکتا ہے۔ جب موت کے فرشتے نظر آنے لگیں، برزخ منکشف ہو جائے تو پھر کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ ایمان بالغیب درکار ہے جو اسے اس وقت تک نصیب نہیں تھا۔ جیسے فرعون کا قصہ گزرا ہے کہ برزخ کا عذاب دیکھ کر اس نے کہا میں ایمان لاتا ہوں تو اللہ کریم نے فرمایا: آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ اب ایمان لاتا ہے جبکہ ایمان لانے کا وقت گزر چکا۔ اب تو نے عذاب وثواب دیکھ لیا۔ اب ماننے کا کیا فائدہ۔ ماننا تو اس وقت تھا جب میرا نبیؑ میری دعوت دے رہا تھا۔ تو اس وقت کی توبہ قبول نہ ہوئی۔

مومن کی مہلت اس سے آگے تک ہے۔ ایمان کی برکت یہ ہے کہ مومن تو زندگی میں ایمان بالغیب لا چکا۔ اپنے نبیؑ پر اعتماد کر کے تمام ضروریات دین پر ایمان لا چکا۔ اس نے اس وقت کفر سے تو توبہ نہیں کرنی، گناہ سے توبہ کرنی ہے تو اگر مومن کو موت کے فرشتے بھی نظر آ جائیں، برزخ منکشف ہو جائے اور وہ اس وقت گناہوں سے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

سنتِ الٰہی:

دنیا میں جو کوئی اللہ اور اللہ کے نبی علیہ السلام کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ پہلے دن زمین میں دھنسا دیا جائے یا تباہ ہو جائے اسے مہلت دی جاتی ہے وہ جب اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور غلط کاری کے راستے پر جم جاتا ہے تو پھر دنیوی رسوائی اس پر مسلط ہو جاتی ہے ایسے لوگوں کو دنیا میں بڑے بڑے عہدے مل جاتے ہیں۔ سینکڑوں لوگ اس کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔ ان کے دربانوں، چوکیداروں سے دل کی بات پوچھو تو وہ اسے بددعائیں دے رہے ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں اس کی عزت نہیں ہوتی۔ یہ علامت ہے کہ یہ بندہ اللہ کا نافرمان ہے یہ اللہ کی ناراضگی کا اظہار ہے۔ پھر بندہ اگر اس حد سے بھی آگے نکل جائے تو دنیوی تباہی بھی مقدر ہو جاتی ہے۔

یہ تو حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمین کا صدقہ ہے کہ آپ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد اللہ نے قوموں پر سے اجتماعی عذاب اٹھا لیا۔ پہلے جس طرح قومیں مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بنا دی گئیں یا بستیاں الٹ دی گئیں یا غرق کر دی گئیں تو یہ سارے اجتماعی عذاب دنیا سے ٹال دیئے گئے۔

آج وہ لوگ جو خود کو دانشور سمجھتے ہیں اور دل و جان سے مغربی معاشرے پر نثار ہیں اور ان کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے وہ اگر ذرا سا غور کر لیں اور مغربی معاشرے میں رشتوں کی تمیز دیکھ لیں لیکن یہ تو مغرب کی پیروی میں یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ اپنی بیٹیوں کو سٹیج پر ناچتا دیکھ کر تالیاں بجاتے ہیں لیکن ایسا تو وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ کے نافرمان ہیں۔ جو اللہ کی اطاعت کرتا ہو اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کرتا ہو اس کا یہ حال کبھی نہیں ہوتا۔

اللہ ایسا کریم ہے اور ایسا قادر بھی ہے وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اگر اللہ چاہے تو دنیا کا ہر فرد ایمان لے آتا لیکن اللہ نے ایمان لانے کو بندے پر چھوڑ دیا ہے۔ انسان کو شعور دیا ہے، معرفتِ الٰہی کی استعداد دی ہے اور یہ استعداد دے کر دنیا کو سجا دیا ہے۔ دنیوی عہدے، دولت، دنیوی وقار اور بے شمار

خوبصورت چیزیں اسے کے اردگرد پھیلا دی ہیں۔ یہ چیزیں اسے ایسے دھوکے میں رکھتی ہیں کہ وہ ان پر فدا ہو جاتا ہے اور حق کی تلاش چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اللہ پاک اتنے کریم ہیں زندگی میں کسی لمحے کسی کو یہ ہوش آ جائے کہ مجھے اللہ کے سامنے جواب دینا ہے اور میرے اعمال کیسے ہیں مجھے توبہ کرنی چاہیے اور پھر وہ خلوصِ دل سے ایک مرتبہ توبہ کر لے تو اللہ کریم اس کے سارے گناہ معاف کر دیتے ہیں اور نیکی کی توفیق ارزاں کر دیتے ہیں۔

اگر اللہ نے اپنی پسند سے منوانا ہوتا تو کسی کی کیا مجال ہے کہ انکار کرتا۔ لیکن اس نے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار انسان پر چھوڑ دیا کہ یہی انسان کی آزمائش ہے اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ 99 تو کیا لوگوں سے زبردستی منوا سکتے ہیں۔ حضور ﷺ کا قلب اطہر اس بات سے بہت ملول ہوتا تھا کہ میری بعثت کے بعد بھی یہ لوگ جہنم میں جائیں گے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ اللہ کی گرفت سے بچ جائیں تو اللہ پاک نے فرمایا، اگر اللہ نے زبردستی منوانا ہوتا تو خود منوا لیتا کس کی مجال تھی کہ نہ مانتا لیکن اللہ نے اسے انسان پر چھوڑ دیا ہے لہٰذا میرے حبیب ﷺ آپ کا کام ان تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ اگر ماننا چاہیں گے تو ماننے کا اختیار بھی ان کے پاس ہے اور نہیں مانتے تو اپنے نہ ماننے کا انجام وہ خود بھگتیں گے۔

قضائے مبرم اور قضائے معلق:

فرمایا، یہ بھی اگر توبہ کرتے تو یونسؑ کی قوم کی طرح ہم ان کی بھی توبہ قبول کر لیتے اور جب تک ان کی زندگی مقرر تھی اس وقت تک ہم انہیں مہلت دے دیتے۔ قضاء دو طرح کی ہے۔ معلق اور مبرم۔ مبرم وہ قضاء ہے جو اللہ نے طے کر دی ہے کہ فلاں کی زندگی فلاں لمحے ختم ہو جائے گی اور وہ برزخ منتقل ہو جائے گا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اسے کوئی آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔ قضاء میں اللہ کریم استثنیٰ بھی رکھتے ہیں جسے قضائے معلق (Hanging decision) کہتے ہیں۔ یہ انسان کے کردار پر ہوتی ہے کہ اگر کسی کی برائیاں حد سے بڑھ جائیں تو وہ وقت سے پہلے تباہ ہو جائے گا۔ یہ جو قوموں کی قومیں غرق ہوئیں وہ قضائے معلق سے غرق ہوئیں۔ اگر توبہ کر لیتیں تو قضائے معلق ٹل جاتی اور قضائے مبرم کے آنے تک انہیں مہلت مل جاتی۔

ہدایت کا مدار انابت پر ہے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ اور کسی شخص کا اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لانا ممکن نہیں

یعنی کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا۔

عام آدمی کے ذہن میں یہ خیال گزرتا ہے کہ جب اللہ ہی اجازت نہیں دیتے تو نہ ماننے والے کا کیا قصور؟ لیکن اس سوال کی وضاحت قرآن حکیم میں جا بجا کر دی گئی ہے کہ جب بندے کے دل میں ہدایت کی امنگ اٹھتی ہے، جب بندہ دل کی گہرائی سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ اس کے لیے راستے کھول دیتا ہے۔ اسے ایمان بھی نصیب ہو جاتا ہے، عمل بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ○ (الشوریٰ:13) اس طرح کی آیات کی تفسیر میں مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جس دل میں تڑپ پیدا ہو جاتی ہے اور بندہ توبہ کرنا چاہتا ہے، اصلاح احوال کرنا چاہتا ہے تو اللہ کریم اسے ایسے بندوں سے ملوا دیتے ہیں جو اس کو ایمان کے عقائد سے آگاہ کرتے ہیں، اعمال صالحہ کے لیے اس کی رہنمائی کرتے ہیں اور اس کی دینی تربیت کرتے ہیں اور وہ اللہ کا بندہ بن جاتا ہے۔

اور جو فرعون بن کر اکڑا رہے۔ دنیا کے لالچ کے پیچھے بھاگتا رہے، ہوس اقتدار میں مبتلا رہے اور دولت جمع کرنے کا جنون اس پر مسلط ہو تو ایسے لوگوں کو پھر اللہ توبہ کی توفیق نہیں دیتا۔ اس انداز سے دیکھا جائے تو یہ کتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ نے اپنا کلام القرآن نازل فرمایا، رسولوں کے بھی امام حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور بندہ نہ اس کتاب کی سنے نہ اس کے حبیب ﷺ کی سنے تو بجائے خود یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ پھر اللہ اسے کیوں توبہ کی توفیق دے گا۔ جسے یہ احساس گناہ ہوگا کہ میں غلط کر رہا ہوں۔ جو حضور ﷺ نے فرمایا ہے وہ حق ہے اور مجھے ماننا چاہئے تو اسے اللہ توبہ کی توفیق بھی عطا فرما دیتا ہے۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ○100 اور ایسے بے عقل جو عظمتِ الٰہی اور آخرت کو نہیں مانتے اللہ ان پر کفر کی گندگی ڈالتے رہتے ہیں۔ جو لوگ دین کو اہمیت نہیں دیتے اور دنیا کو اہمیت دیتے ہیں اللہ نے ان کے بارے فرمایا یہ بیوقوف ہیں۔ دین ابدی نعمت ہے۔ دنیا میں کوئی نعمت ملے تو وہ وقتی ہے۔ بندہ اسے پوری طرح استعمال بھی نہیں کر سکتا۔ بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اور دوسروں کے لیے چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ ان بیوقوفوں کی دنیا میں یہ سزا ہوتی ہے کہ ان پر گندگی اچھلتی رہتی ہے۔ ان کی بدکرداریوں کے قصے زبان زد عام ہوتے ہیں۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور عدالتوں میں ان کے خلاف مقدمات چل رہے ہوتے ہیں۔ عوام میں عزت نہیں ہوتی۔ لوگ بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو حضور ﷺ کے فرمانے کو حق مان لے اور اپنی غلطی کو تسلیم کر لے اللہ کریم اسے اصلاح کی

توفیق بھی خود دے دیتے ہیں۔ فرمایا، اے میرے حبیب ﷺ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ان سے کہیے زمینوں، آسمانوں کے عجائبات میں غور تو کرو۔ یہ تو مادی آنکھوں سے نظر آتے ہیں موسموں کے جو اثرات روئیدگی پر ہیں انہیں دیکھو۔ غور کرو، بارش برستی ہے تو کھربوں تنکے اگتے ہیں، گھاس کا ہر تنکہ گُل بکف ہے۔ بارش ایک ہے، زمین ایک ہے لیکن روئیدگی فرق ہے۔ ہر ایک کی بناوٹ جدا، خوشبو جدا، تاثیر جدا ہے۔ کسی ایک درخت کے پتوں کا شمار نہیں پھر وہ سب جھڑ جاتے ہیں اور پھر اس سے زیادہ نکل آتے ہیں۔ معدنیات کو دیکھو۔ جانوروں اور ان کی اقسام کو دیکھو۔ اللہ کی قدرت کا کارخانہ کس خوبصورتی اور انتظام سے چل رہا ہے۔ غور کرو، تحقیق کرو تو تمہیں سمجھ آجائے گی کہ کوئی ہے جو اس سارے نظام کو چلا رہا ہے۔

وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ 101 لیکن جو ایمان ہی نہیں رکھتے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر یقین ہی نہیں رکھتے انہیں یہ نشانیاں کیا کام دیں گی۔ یہ نشانیاں تو ان کے لیے ہیں جنہوں نے نورِ فطرت کو، حق قبول کرنے کی فطری استعداد کو ضائع نہیں کیا اور وہ ان عجائبات کو دیکھ کر رجوع الی اللہ کرے۔ نیکی کو اپنائے، برائی کو چھوڑ دے۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو آپ ﷺ کے ذمے بات پہنچانا ہے اور یہ لوگ جو آپ ﷺ کی بات نہیں مانتے فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ تو کیا وہ اس تباہی کا انتظار کر رہے ہیں جس طرح نہ ماننے والی پہلی قوموں پر تباہی آئی۔ تو آپ ﷺ فرما دیجیے قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا لوگو! پھر انتظار کرو۔ دیکھو کیا انجام ہوتا ہے۔ اگر تم نے یہی ٹھان لی ہے اور تمہیں اللہ کی عظمت کا، اللہ کی اطاعت کا اور آخرت کا کوئی خیال نہیں ہے تو پھر اللہ کی گرفت کا انتظار کرو۔ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ 102 میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

برائی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی ایسا بڑا جرم ہے کہ بندے کے باطن کا تعلق دوزخ سے جڑ جاتا ہے۔ اندر بے چینی ڈیرا ڈال لیتی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے تعلق نہیں ہوتا، اس لیے ہر چھوٹی، بڑی بات گھبراہٹ لے آتی ہے، پریشانی لے آتی ہے۔ بندہ رات دن تڑپتا رہتا ہے پھر اللہ پر شکوہ کرتا ہے کہ ہم تو ساری عمر دکھ ہی بھگتے رہے اور یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اللہ نے تو بندے کو سکھ کا، آسانی کا راستہ بتایا ہے۔ بندہ خود اسے چھوڑے گا تو دکھ ہی بھگتے گا۔ یہ تو بندے کا اپنا فیصلہ ہے۔ اس نے خود وہ راستہ اختیار کیا ہے جس میں دکھ ہی دکھ ہیں۔

فرمایا، اگر تم میری بات نہیں مانتے، میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو پھر اس وقت کا انتظار کرو۔ میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ جو میرا عقیدہ اور عمل ہے اس کا نتیجہ مجھے ملے گا اور جو عقیدہ و عمل تمہارا ہے اس کا انجام تمہارے سامنے آجائے گا اللہ کریم نے اس کا نتیجہ بھی بتا دیا فرمایا، ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ 103 پھر ہم اپنے رسولوںؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیتے ہیں اور یہ ہمارا ذمہ ہے کہ ایمان والوں کو نجات دیں۔ یعنی جب نتیجہ سامنے آتا ہے تو ہمیشہ ہمارے رسولؑ ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ کفار کو اپنے برے عقیدے اور برے کردار کا انجام بھگتنا پڑتا ہے۔ صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو انبیاء پر ایمان لاتے ہیں انہیں نجات نصیب ہوتی ہے، درجات علیا نصیب ہوتے ہیں، اللہ کریم کی رضا نصیب ہوتی ہے اور ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

قرآن حکیم میں جہاں ایمان کا حکم ہے وہاں ارشاد ہوا ہے آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے۔ یوں تو دنیا میں ہر آدمی کہتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے اچھا ہی کرتا ہے لیکن وہ اسے اپنی سمجھ سے اچھا سمجھتا ہے حالانکہ ضروری نہیں کہ وہ عمل اچھا بھی ہو۔

اچھائی کا معیار:

کون سا کام اچھا ہے؟ اچھائی کا معیار اللہ کے نبی و رسول علیہم السلام ہوتے ہیں۔ اور اللہ کا کلام ہوتا ہے کس کام کو کس وقت کرنا ہے، کیسے کرنا ہے۔ یہ بتانا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذمہ داری ہے۔ ہر وہ کام اچھا ہے جو اللہ کے نبیؐ کی اطاعت میں کیا جائے اور ہر وہ کام اچھا نہیں ہے جس میں اطاعت رسولؐ نہ ہو۔

ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی اتنی اہمیت ہے کہ فقہا کرام فرماتے ہیں نیک عمل ہی ایمان ہے چونکہ ایمان تو ایک دعویٰ ہے وہ حقیقت تب بنتا ہے جب اس کے ثبوت میں عمل بھی ہو۔ ہر دعویٰ اپنی شہادت سے ثابت ہوتا ہے۔ میں یہ دعویٰ رکھتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو اس کی دلیل میرا کردار ہے، میرے اعمال ہیں۔ اگر میرے اعمال، میرا کردار میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے مطابق ہے تو میرا ایمان سچا ہے اور اگر میں زبانی، زبانی کہتا ہوں کہ میں ایمان لاتا ہوں اور عملاً نافرمانی کرتا ہوں تو میرے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے کہ ایمان تو غیر مشروط اطاعت قبول کرنے کا نام ہے۔ عقائد، اعمال، عبادات ہر جگہ اطاعت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام مقدم ہو کوئی دوسرا

طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے اس بات کو اس طرح واضح فرمایا کہ زمین پر ایک سیدھا خط کھینچا۔ پھر اس کے دائیں بائیں کئی خط کھینچے اور فرمایا یہ سیدھا خط میرا راستہ ہے جو کوئی دائیں بائیں کسی راستے پر نکل جائے اس نے اللہ کا راستہ چھوڑ دیا۔ عقیدے اور عمل میں جس طرف بھی کوئی نکل گیا اس سے اللہ کا راستہ چھوٹ گیا۔

اسی صراط مستقیم پر چلنے کے لیے روزمرہ کے ضروری امور دین کا جاننا ضروری ہے اور اتنا علم حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض عین ہے۔ ہر ایک کے لیے عالم بننا ضروری نہیں۔ عالم بننا فرض کفایہ ہے۔ ایک آبادی میں ایک عالم بھی ہو تو راہنمائی کرسکتا ہے اور پوری آبادی میں کوئی بھی عالم نہ ہو تو پوری آبادی گناہ گار ہوگی۔

حلال، حرام، جائز، ناجائز کا علم۔ طہارت، وضو، صلوٰۃ کے احکام، روزہ کے احکام کہ یہ احکام الٰہی کیسے پورے کرنے ہیں ان کا جاننا ہر مرد وعورت پر فرض ہے والدین کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو سکھائیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی اگلی نسل کو سکھائیں۔ بھائی بہنوں کا فرض ہے کہ ایک دوسرے کو بتائیں۔

ہم اپنے اندازے سے اچھے اور برے کا فیصلہ کرتے رہتے ہیں جو غلط ہے جس طرح کوئی ڈاکٹر ہمیں اعلیٰ سے اعلیٰ پھل کھانے سے روک دیتا ہے کہ اس سے تمہاری بیماری میں اضافہ ہوگا اور ہم ڈاکٹر پر اعتبار کرکے رک جاتے ہیں اسی طرح حضور ﷺ جس کام سے روکیں اس سے فوراً رک جانا ہمارا فائدہ ہے۔ اس کے لیے حضور ﷺ پر اعتبار چاہیے۔

اچھائی اور برائی کا ہمارا اپنا کوئی معیار نہیں۔ ہر وہ کام اچھا ہے جس میں خواہ جان چلی جائے لیکن محمد رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہو۔ اس جان کا جانا بھی شہادت کہلاتا ہے کہ وہ بندہ موت کو بھی شکست دے دیتا ہے اور ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

اللہ کریم نے دنیا میں ہی اعلان کردیا کہ ایمان والوں کو کامیابی دینا میرا ذمہ ہے۔ **حَقًّا عَلَيۡنَا نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝103** یہ تو ہم نے اپنے ذمے لے لیا ہے کہ ہم ایمان داروں کو نجات دیں گے۔

اللہ کریم خالق ہیں۔ مخلوق اللہ کی ذمہ داری مقرر نہیں کرسکتی۔ یہ ذمہ داری خود ذاتِ کریم نے اپنے اوپر لے لی ہے کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو قبول کرے اور آپ ﷺ کی اطاعت کرے ہم اس کو نجات دیں گے۔

سورۃ یونس رکوع 11 آیات 104 تا 109

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ
فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ
اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ
عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى
يَحْكُمَ اللهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

فرما دیجیے اے لوگو! اگر تم کو میرے دین میں شک ہو تو جن کی تم اللہ کے سوا عبادت
کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا ولیکن میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری
جان قبض کرتا ہے۔ اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں
﴿104﴾ اور یہ کہ یکسو ہو کر دینِ حنیف کی پیروی کریں اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ
ہوئیے گا ﴿105﴾ اور یہ کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکاریئے جو نہ آپ کا کچھ سنوار
سکے نہ بگاڑ سکے پھر اگر آپ نے ایسا کیا تو یقیناً غلط کرنے والوں میں سے ہو جائیں

گے ﴿106﴾ اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچا دیں تو کوئی اسے دور کرنے والا
نہیں سوائے اس کے اور اگر وہ آپ کو راحت پہنچانا چاہیں تو کوئی اس کے فضل کو
ہٹانے والا نہیں وہ اسے (اپنے فضل کو) اپنے بندوں میں جسے چاہیں پہنچائیں اور وہ
بخشنے والے مہربان ہیں ﴿107﴾ فرمادیجیے اے لوگو! بے شک تمہارے پاس
تمہارے پروردگار کی طرف سے حق آچکا سو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے پس بے
شک وہ ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو کوئی گمراہ رہتا ہے تو یقیناً
وہ گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور میں تم پر داروغہ نہیں ہوں ﴿108﴾ اور
آپ کو جو حکم بھیجا جاتا ہے اس کی پیروی کریں اور (تکلیفوں پر) صبر کریں یہاں
تک کہ اللہ فیصلہ فرمادیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں سے اچھے فیصلہ کرنے
والے ہیں ﴿109﴾

تفسیر و معارف

فرمایا قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡ دِيۡنِىۡ اے لوگو! اگر تمہیں میرے لائے ہوئے دین میں جس کی طرف میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں کچھ شک ہے تو پھر غور سے سن لو فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ یہ بات کبھی بھی ممکن نہیں کہ تم اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہو، میں ان کی عبادت یا اطاعت کروں۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔

اللہ کے سامنے اپنے اختیارات چھوڑ دینے کا نام مسلمانی ہے:

یہاں بات ذرا نازک سی ہوجاتی ہے ہم سمجھتے ہیں ان آیات میں صرف بتوں کی پوجا کی بات ہورہی ہے۔ دیوی دیوتاؤں کو پوجنے کی بات ہورہی ہے یا اللہ کے بعض نیک لوگوں کے بھی بت بنالیے جاتے ہیں اور لوگ ان کی پوجا کرتے ہیں تو شاید ان کی بات ہورہی ہے لیکن یہاں یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کریم کی اطاعت چھوڑ کر اللہ کے مقابلے میں جس کی بھی اطاعت کی جائے گی وہی بت ہوگا۔ وہی معبود بن جائے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری ہے اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الجاثیہ:23) آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود

بنالیا ہے۔ یعنی کوئی کسی بت کے لیے نہ ہی کسی دیوی دیوتا کے لیے نہ ہی محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت چھوڑ دیتا ہے تو اس کی وہ خواہش بھی بت بن گئی۔ یہ بہت نازک معاملہ ہے۔

شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

مسلمانی یہ ہے کہ اللہ کے سامنے اپنے سارے اختیارات پھینک دیئے جائیں۔ اپنی عقل اور سوچ سے کنارا کرلیا جائے اور وہ کیا جائے جو اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ کرنے کا حکم دیں۔ اگر کسی نے ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرلی یا حکومت واقتدار لے لیا تو وہ دولت وحکومت کب تک ساتھ دے گی آخر پیوند زمین ہونا ہے اور صرف اعمال کو ساتھ جاتا ہے۔ جب موت آتی ہے تو عموماً برزخ منکشف ہوجاتا ہے۔

پچھلے دنوں ایک آدمی مرض الموت میں تھا۔ مجھے پیغام آیا کہ کچھ کریں کالی کالی ڈراونی شکلوں سے کمرہ بھرا ہوا ہے۔ یہ کہتی ہیں کہ تجھے مزا چکھائیں گے میں نے کہا میرے آنے سے یہ نہیں بھاگیں گی۔ یہ تمہارے اعمال ہیں۔ انہیں تمہارے ساتھ قبر میں جانا ہے۔

اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کی نافرمانی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ ہاں توبہ کی توفیق ہوجائے تو اللہ بڑا کریم ہے کتنی ہی غلطیوں اور گناہوں کے باوجود اس نے کسی کو توبہ سے نہیں روکا۔ توبہ کا دروازہ وا ہے۔ بندہ جب بھی خلوص دل سے توبہ کرے اور اطاعت کا راستہ اپنالے تو اللہ کا کرم بہت وسیع ہے۔

فرمایا اگر تمہیں میرے لائے ہوئے دین میں شک ہے تو پھر کھری کھری سن لو۔ اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی پوجا کرتے ہو میں کبھی ان کی پوجا کرنے والا نہیں۔ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚ لیکن میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرتا ہے جس کے حضور تم نے حاضر ہونا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے جس نے موت کے بعد حساب لینا ہے جس کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر بتانا ہے کہ کیا، کیا اور کیا نہیں کیا۔

عظیم خوشخبری:

فرمایا وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ اللہ کریم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ اس آیہ کریمہ میں کتنی بڑی خوشخبری ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ مجھے اللہ کریم نے حکم دیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے رہوں۔ یعنی ایمان لانا اور اطاعت نصیب ہونا گویا معیت رسول اللہ ﷺ

نصیب ہونے کے برابر ہے۔ اتباع رسالت معمولی بات نہیں ہے کہ ہم چند ٹکوں کے لیے چھوڑ دیں یا فضول گوئی کے لیے چھوڑ دیں یہ وہ نعمت ہے کہ جسے نصیب ہو جائے اس کو قرآن حکیم خوشخبری دے رہا ہے۔ لیکن اطاعت شعار وہی ہوتے ہیں جو حضور ﷺ پر اعتبار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ پر اعتبار کرنے کا نام ہی ایمان ہے۔ ہمارے پاس تو کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ واحد لاشریک ہے۔ ہمارے پاس اس مقدس کتاب کے کتاب الٰہی ہونے کی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ حضور ﷺ ہی خالق اور مخلوق کے درمیان واحد واسطہ ہیں۔

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے زمانے میں ایک نہایت قابل اور منطق کے ماہر بزرگ تھے۔ آخر عمر میں شیخ کے پاس حاضر ہوئے کہ ساری عمر بحث ومباحثے میں گزار دی اب نظر آتا ہے کہ اس کا کچھ حاصل نہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اللہ اللہ سکھائیں۔ انہوں نے فرمایا۔ ایک شرط پر سکھاؤں گا وہ یہ کہ عمر بھر جس فن سے وابستہ رہے ہو اسے کُلّیۃً چھوڑ دو۔ تھوڑا ہی عرصہ گزار کر ان کا وقت آخر آ گیا۔ شیخ کو اطلاع دی گئی حضرت تشریف لائے خیریت دریافت کی۔ وہ کہنے لگے میں ایک مصیبت میں مبتلا ہوں۔ شیطان کہتا ہے اللہ کوئی نہیں۔ یہ محض اتفاقات ہیں کہ چند جرثومے جڑتے ہیں تو وجود بن جاتا ہے کسی ترتیب سے جڑیں تو انسان بن جاتا ہے کسی دوسری ترتیب سے جڑیں تو حیوان بن جاتا ہے۔ وہی منتشر ہوتے ہیں تو بندہ مرجاتا ہے جیسے کسی شاعر نے یہی بات یوں کہی:

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب

اور موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشان ہونا

ان بزرگ نے عرض کی میں اللہ کے ہونے پر ابلیس کو ننانوے دلیلیں دے بیٹھا ہوں وہ میری ہر دلیل رد کر دیتا ہے میں بڑا پریشان ہوں۔ حضرت نے فرمایا تمہارے پاس جو اصلی دلیل ہے وہ تم دیتے نہیں تم کہو مجھے محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ہے ہمارے پاس تو ایک ہی دلیل ہے تم کہاں فلسفے اور منطق میں پھنس گئے تم اس بے ایمان سے کہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ زندگی دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے وہ ہر چیز پہ قادر ہے جب انہوں نے یہ دلیل دی تو وہ موذی بھاگ گیا۔

لہٰذا نہ ہماری عقل دلیل ہے نہ معاشرے کی رائے دلیل ہے اہل مغرب کیا کرتے ہیں اور اہل مشرق کیا کرتے ہیں یہ بھی کوئی دلیل نہیں۔ دلیل صرف ایک ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ کام بھلا ہے اور یہ کام نقصان دہ ہے۔

ہمیں تو اللہ کی پہچان حضور ﷺ نے دی۔ قرآن کی پہنچان حضور ﷺ نے دی۔ نیکی بدی کی پہچان حضور ﷺ نے دی اور قرآن حکیم نے جو دلیل دی اس نے تمام دلائل کو ختم کر دیا۔ حضور ﷺ نے بحکم الٰہی فرمایا۔ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں الَّذِیْ یَتَوَفّٰىکُمْ جو تمہاری جان قبض کرتا ہے۔

لوگ جو دلائل دیتے ہیں اس میں فوائد گنتے ہیں کہ اس کام سے دنیا کا فلاں فائدہ ہوگا۔ اس سے صحت اچھی ہوگی یعنی اچھائیاں گنتے گناتے ہیں۔ اللہ کریم نے جو دلیل دی وہ اتنی واضح اور ٹھوس حقیقت ہے کہ بات مکمل ہو جاتی ہے۔ فرمایا میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس نے ساری دنیا کا بکھیڑا ختم کر کے تمہاری روح قبض کر لینی ہے جن کو تم مفید کہہ کر بطور دلائل پیش کرتے ہو یہ ساری اچھائیاں، خوبیاں تو یہیں رہ جائیں گی جب روح قبض ہوگی۔ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ 104 اور مجھے اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ میں ایمان لانے والوں میں سے رہوں۔ مومنین کے لیے اس میں کتنی بڑی بشارت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے حکم سے ان کے ساتھ شامل ہیں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ کہ میں دین حنیف کی پیروی کروں دین حنیف جس میں اللہ وحدہٗ لاشریک اس کی الوہیت اس کی ذات اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے کوئی دوسری ہستی نہ اس کی ذات میں شریک ہے نہ کوئی دوسری ہستی اس کی صفات میں شریک ہے نبیؑ ہو یا ولی، اللہ کے کسی وصف میں شریک نہیں ہوتے کوئی اللہ کی ذات کا حصہ نہیں بن سکتا اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ 105 میں کبھی بھی شرک کرنے والوں کا ساتھ نہ دوں جو شرک کرتا ہے وہ میرے ساتھ سے محروم ہے اسے میرا ساتھ نصیب نہیں ہوگا اور مجھے حکم دیا گیا ہے وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ اور اللہ کے سوا میں کسی کو نہ پکاروں کہ کوئی نہ فائدہ دے سکتا ہے نہ نقصان کر سکتا ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی دوسری ایسی ہستی نہیں ہے جو کسی کو فائدہ دے یا کسی کا نقصان کر دے یہ کسی سے نہیں ہو سکتا۔

ہمارے ایمان تو آج اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ ذرا کسی کو کچھ ہو فوراً کہتا ہے کسی نے جادو کر دیا گو یا نظام کائنات جادوگر چلا رہے ہیں کسی کو صحت دے دیں کسی بیمار کر دیں کسی کا نفع کریں کسی کا نقصان کریں یہ بھی تو شرک ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے میری کائنات میں کسی کی مداخلت نہیں۔ دکھ آ گیا وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ سے توبہ کرو، اللہ سے معافی مانگو، اللہ سے دعا کرو، جائز علاج کرو، فوراً منہ سے نکلتا ہے کسی نے جادو کر دیا اور پھر مزے کی بات یہ ہے میرے پاس لوگ آتے ہیں تائید چاہتے ہیں کہ آپ بھی کہیں کسی نے جادو کیا ہے میں تو اس کا قائل نہیں ہوں میرا

عقیدہ یہ ہے کہ جادوگر کچھ نہیں کر سکتے۔ نہ سنوار سکتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ہیں۔ جادوگر کسی کا بگاڑ سنوار سکتے تو پہلے اپنا سنوارتے اپنے لیے چند سکے ہی پیدا کر لیتے تو مانگ کر روٹی کھانے والا تمہارا کیا بگاڑے گا۔ فرعون نے کتنے بڑے بڑے جادوگر اکٹھے کیے تھے وہ زمانے کے مانے ہوئے جادوگر تھے تو انہوں نے پہلی بات جو فرعون کے دربار میں کہی وہ یہ تھی اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ○ (الاعراف:113) اگر ہم جیت گئے تو آپ ہمیں انعام دیں گے؟ اس کا مطلب ہے اپنی روزی کے لیے وہ بھی محتاج تھے۔ فرعون سے مانگ رہے تھے کہ ہمیں آپ کوئی عہدہ کوئی شئے دیں گے اگر وہ اپنے جادو سے کر سکتے تھے تو فرعون سے مانگنے کی کیا ضرورت تھی؟ آج جو لوگ اپنی روٹی کے لیے ساری دنیا کو تعویزوں سے چلائے پھرتے ہیں جنہیں تعویز دیتے ہیں ان سے دو دو چار چار روپے لے کر کھاتے ہیں، ایک چڑیا بچے پال لیتی ہے ایک درندہ بچے پال لیتا ہے یہ کیسے لوگ ہیں ان سے اپنے بچے نہیں پلتے لوگوں سے دو دو چار چار روپے لے کر گذارا کرتے ہیں وہ کسی کو کیا دیں گے۔ جو اپنی اولاد، اپنا آپ نہیں پال سکتا۔ وہ کسی کو دے گا یہ صرف ہمارے ایمان اور یقین کی کمزوری ہے۔

میرے پاس ایک بزرگ آئے ستر کے قریب عمر ہوگی ساٹھ ستر کے درمیان ہوں گے کہنے لگے میری ٹانگیں شل ہو جاتی ہیں کسی نے جادو کر دیا ہے میں نے کہا بابا بڑھاپے نے جادو کر دیا ہے۔ یہ جب آتا ہے سب سے پہلا جادو ٹانگوں پر کرتا ہے۔ ٹانگیں سب سے پہلے جواب دیتی ہیں کہ ہم سے بدن کا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ کانوں نے بوجھ نہیں اٹھایا یہ کہتے ہیں ہم سے سنا نہیں جاتا لہٰذا تمہاری عمر میں کوئی جادو کر کے کیا کرے گا؟ جو بوڑھا ہو جاتا ہے دماغ خشک ہو جاتا ہے اسے طرح طرح کے وہم آتے رہتے ہیں پھر کہتے ہیں مجھے جن نے پکڑا ہوا ہے میں کہتا ہوں کونسا ایسا بیوقوف جن ہے جو ستر سال کے کھوسٹ کے پاس رات دن بیٹھا ہے۔ اس عمر میں تو اولاد چھوڑ جاتی ہے جن کو آپ نے اپنے ہاتھوں گودوں میں پالا ہوتا ہے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں کبھی رات میں ایک دفعہ دن میں پوچھ لیں کہ بابا کیا حال ہے یہ بھی بڑی بات ہے کوئی خوش نصیب ہو جس سے کوئی اولاد پوچھ لے ورنہ پوچھتا کوئی نہیں تو جن کون سا اتنا فارغ ہے کہ تمہارے ساتھ بیٹھا ہے۔

یہ ساری باتیں تب ہوتی ہیں جب اللہ پر وہ یقین نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے۔ لا تتحرك ذرة الا باذن الله کوئی ذرہ حرکت نہیں کر سکتا سوائے اللہ کی اجازت کے۔ دکھ بھی آتے ہیں، سکھ بھی آتے ہیں۔ سکھ اللہ کی عطا ہوتا ہے دکھ ہمارے کردار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دکھ آئے تکلیف آئے تو سوچنا ہے میں کون سا غلط کام کر رہا ہوں اس سے توبہ کرنی

کرنی چاہیے کچھ سمجھ نہ آئے تو بھی استغفار کریں کہ کوئی ایسا کام ہم سے ہو رہا ہے جس کا ہمیں پتہ ہی نہیں کہ یہ غلط ہے یا صحیح ہے۔ اللہ سے توبہ کرو اللہ سے دعا کرو جائز علاج کرو اللہ آپ کو شفا دے گا۔ سکھ آئے تو اللہ کریم کا شکر ادا کرو، لیکن یہاں معاملہ الٹا ہے سکھ آئے تو ہم کہتے ہیں یہ میری عقل مندی اور میرا کمال ہے کہ میں نے حاصل کر لیا۔ دکھ آئے کہتے ہیں اللہ نے بھیج دیا۔ اپنا گناہ تسلیم کرنے کو بہت کم خوش نصیب ہیں جو اپنا گناہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔

بات بن جائے تو شان یہ تدبیر کی ہے
اور بگڑ جائے خطا کاتب تقدیر کی ہے

دین حنیف:

سو فرمایا مجھے تو ارشاد ہے کہ تک سیدھا دین حنیف پر رہوں اور جو نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ سنوار سکتے ہیں ان میں سے کسی کو نہ پکاروں صرف اللہ کو پکاروں فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ اے مخاطب اگر تم نے اللہ کے علاوہ کسی سے امیدیں وابستہ کیں تو پھر تو غلط کام کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا۔ یہاں ہمارے عجیب فرقے بن گئے ہیں کچھ تو ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ نیک لوگوں کی اور اہل اللہ کی توہین کی جائے تو بڑی بات ہے دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو اللہ کی عبادت نہیں کرتے نیک اور بزرگوں کے وظیفے شروع کر دیتے ہیں۔ دونوں زیادتی کرتے ہیں راستہ درمیان میں ہے۔ اللہ کی عظمت اپنی ہے وہ واحد لاشریک ہے اللہ کے بندوں کا کام بندے کو اللہ سے ملانا ہے خود اللہ بن بیٹھنا نہیں ہے اور کوئی ایسا ولی اللہ نہیں ہے جس نے کہا ہو کہ میرے نام کا وظیفہ پڑھو۔ بعد والوں نے گھڑ لیے حضور ﷺ کے لیے اپنی طرف سے عجیب و غریب درود گھڑ لیے ہیں جیسے ایک شخص نے مجھ سے بھی پوچھا کہ فلاں درود شریف پڑھوں؟ میں نے کہا جو حدیث شریف میں ہے وہ کیوں نہیں پڑھتے؟ کہنے لگا یہ فلاں بزرگ نے بتایا ہے میں نے کہا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا وہ اچھے ہیں یا جو اس بزرگ نے بتایا تھا؟ حدیث شریف میں متعدد درود شریف دیے گئے ہیں وہ کیوں نہیں پڑھتے کوئی نہیں ملتا تو جو نماز میں پڑھتے ہو وہی پڑھتے رہو یہ تو یاد ہے کم از کم ایک تو حضور ﷺ کا ارشاد کردہ ہے حدیث میں ارشاد ہے یہ پڑھتے رہو تو بعض لوگ مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی ایسا کرتے ہیں۔ میں مسلمانوں کی بات کر رہا ہوں غیر مسلم تو گئے وہ تو ہیں ہی بے دین مسلمانوں میں بھی بعض لوگوں نے اللہ کے بندوں میں اللہ کے اوصاف مان لیے ہیں اور بعض نے اہل اللہ کی توہین کرنا توحید سمجھ لیا ہے۔ یہ دونوں انتہائیں غلط ہے زیادتی ہے راستہ درمیان میں ہے۔ اللہ کے بندے اس ذمہ

داری کو آگے نبھاتے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے ان پر ڈالی ہے کہ اللہ کے دین کو آگے پہنچاؤ، اللہ کی نسبت کو آگے پہنچاؤ، اللہ کی فکر کو آگے پہنچاؤ، لوگوں کو اللہ سے پیوست کرو، جوڑو، اللہ کے قریب لاؤ، عبادت اللہ کی کرے، مصیبتیں وہ ٹالے گا، بھلائیاں وہ دے گا۔ انعام واکرام از قسم ثمرات ہوتے ہیں پھل ہوتے ہیں، پھل اللہ لگاتا ہے۔ آپ بیج ڈال سکتے ہیں، کھاد ڈال سکتے ہیں، پانی دے سکتے ہیں رکھوالی کر سکتے ہیں اس پر پھل لگانا اس کا کام ہے۔ ثمرات اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ فرمایا، اے مخاطب اگر تم پر اللہ کی طرف سے مصیبت آجائے اسے پھر اللہ ہی ہٹا سکتا ہے۔ دوسرا کوئی ایسا نہیں ہے کہ وہ اسے ہٹا دے جو تکلیف آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے آتی ہے اور اسے دور بھی اللہ ہی کر سکتا ہے وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ اور اگر وہ تیرے ساتھ مہربانی فرماتا ہے تجھ پر احسان فرماتا ہے اور تیری بھلائی ہوتی ہے تو پھر اس کو روکنے والی دوسری کوئی طاقت نہیں ہے کہ جو بھلائی اللہ تجھ تک پہنچانا چاہتا ہے۔ کوئی اسے روک لے یہ نہیں ہو سکتا اور ہمارا تو یہاں حال یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں میری تو کسی نے اولاد ہی روک دی ہے پیدا نہیں ہوتی۔ بھئی دینے والے نے نہیں دی لوگوں سے کب رکتی ہے۔ روکنے کی بات ہوتی تو موسیٰ کو فرعون نے روک لیا ہوتا قتل کروا دیا ہوتا اور بنی اسرائیل کے کتنے ہزاروں بچے قتل کروا دیے اور موسیٰ کو گھر میں پالتا رہا اللہ ایسا قادر ہے جس بچے کو قتل کرنے کے لیے اس نے ہزاروں بچے قتل کروا دیے اللہ نے اسے اس کے گھر بھیج دیا کہ اس کی خدمت تو کرے گا اسے تو پالے گا پھر کون کہتا ہے کہ کسے کہتا ہے جادوگر نے میرا رزق روک دیا ہے۔ جو اللہ نے کسی کو دینا ہے کوئی اسے روک نہیں سکتا وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ اللہ اگر تم پر کوئی تکلیف بھیج دے فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ تو اس کو ہٹانے والا صرف اللہ ہی ہے کوئی دوسرا نہیں ہٹا سکتا وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ اور اگر اللہ تیرے ساتھ بھلائی کرے فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ تو اس کی مہربانیوں کو کوئی روک نہیں سکتا یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے جس کو جو چاہتا ہے وہ عطا فرماتے ہیں یہ اس کو اپنی پسند ہے کس کو کیا دیتا ہے یہ اس کی اپنی مرضی ہے کائنات میں تمام لوگ عام آدمی سے لے کر بادشاہ تک سب محتاج ہے ایک ایک گھونٹ پانی کے محتاج ہیں ایک ایک لقمے کے محتاج ہیں، اگر پانی ملنا بند ہو جائے کوئی ایسا مرض ہو جائے کہ وہ پانی نہ پی سکے تو پیاسا مر جائے اللہ کریم کھانا روک دے تو کون ہے جو اس کو غذا دے سکے ہر کوئی اس کی عطا کا محتاج ہے اور وہ کیسا ہے فرمایا وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۷﴾ وہ بہت بڑا مہربان ہے بندے کو خیال آتا ہے کہ اتنی زندگی تو میں گناہوں میں گزار چکا تو میرا کیا ہوگا۔ فرمایا تیرے گناہ میری بخشش کو عاجز نہیں کر سکتے۔ تُو دنیا کا ایک چھوٹا سا جزو ہے کتنی وسیع کائنات

ہے جو میری مہربانیوں سے پل رہی ہے تیری حیثیت کیا ہے تو نے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لادا اور کسی کا کچھ نہیں بگاڑا لیکن اللہ بخشنے والا ہے آج بھی تو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خلوص دل سے توبہ کر لے سب بخشش دوں گا اور صرف بخشنے والا نہیں الرَّحِيْمُ ہے جس کے ساتھ کا کوئی دوسرا رحم کرنے والا نہیں ہے وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ میرے حبیب ﷺ آپ لوگوں کو بتا دیجیے فرما دیجیے قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اے اولاد آدم اے لوگو! قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس حق آ چکا (سبحان اللہ) آپ ﷺ سے پہلے سلسلہ نبوت حضرت آدمؑ سے جاری تھا۔ پہلا انسان جس نے زمین پر قدم مبارک رکھا وہ آدمؑ اللہ کا نبیؑ تھا۔ پھر قوموں، شہروں، بستیوں، آبادیوں کو اللہ کریم نے نبوت سے محروم نہیں رکھا۔ ایک ایک زمانے میں متعدد نبیؑ ہوئے ہیں۔ دنیا میں ہر قوم میں، ہر ملک میں پھر وہ تشریف لے گئے انؑ کے بعد اور آ گئے قوموں کی حیثیت اور حالات کے مطابق احکام تبدیل ہوتے رہے لیکن فرمایا اب آنے والا تشریف لے چکا قَدْ جَآءَكُمْ وہ آ چکا جس نے تمہارے پاس آنا تھا قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ یہاں رب استعمال ہوا ہے ربوبیت اللہ کی وہ شان ہے کہ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر وقت ہر جگہ پوری فرماتا ہے۔ انسانیت کی ضرورت تھی کہ اس کی راہنمائی ہو سو اللہ کریم نے اپنا آخری رسول اور امام الانبیا نبی ﷺ مبعوث فرما دیا لہٰذا اب کسی کا انتظار نہ کرو کوئی نہیں آئے گا کوئی کتاب نہیں آئے گی کوئی نیا نبی اور رسول نہیں آئے گا اس بات پر مت رہنا کہ نیا نبی آئے گا تو ہم اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے آنے والا تشریف لا چکا اور حق تمہارے پاس پہنچ چکا کیا یہ عجیب بات نہیں ہے قرآن کریم کا یہ معجزہ کم ہے کہ جو عبادات آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے فرض کیں اور ان کے اوقات متعین کیے دنیا بھر میں موسم مختلف ہیں اقوام کے عادات مختلف ہیں غذائیں مختلف ہیں قد کاٹھ مختلف ہیں اس کے باوجود ساری دنیا پر آج بھی قابل عمل ہیں روئے زمین پر مسلمان ہر جگہ وہ فرائض ادا کر رہے ہیں جو حلال و حرام طے ہو چکے روئے زمین پر آج بھی وہ قابل عمل ہے جس کام کو جرم کہا اور جس کو جائز کہا آج بھی زمین پر وہ جرم جرم ہی ہے اور جائز جائز ہی ہے بڑے زمانے بدلے بڑی تہذیبیں، بدلیں انسان بدلے لیکن احکام شریعت آج تک اسی طرح لاگو ہیں اور اسی طرح قابل عمل ہیں اور قیامت تک قابل عمل رہیں گے اب نیا نہیں آئے گا کوئی نیا حکم نہیں آئے گا کوئی نیا نبی نہیں آئے گا کوئی نئی کتاب نہیں آئے گی۔ بعثت محمد رسول ﷺ کی صورت میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق آ چکا فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ جس نے ہدایت کی حق کو قبول کیا حق پر عمل کیا اس نے کسی دوسرے پر احسان نہیں کیا۔ فَاِنَّمَا

یَّهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ اس نے اپنی بھلائی سوچی اور جو اچھا کام کیا وہ اپنے لیے کیا دوسروں پر احسان نہ کرے نہ اللہ پر احسان کرے نہ اللہ کے نبیؐ پر احسان کرے نہ دین پر احسان کرے نہ کسی زبرگ پر احسان کرے نہ کسی عالم پر احسان کرے نہ کسی استاد پر احسان کرے کہ اس نے جو اچھا کام کیا اچھا نتیجہ خود اسی کو ملے گا۔ اس نے اپنے لیے کیا وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡهَا ۚ اور جس نے قبول نہیں کیا اور گمراہ ہو گیا اس کی گمراہی کا خسارہ بھی خود اسی کو اٹھانا ہوگا اس کی گمراہی کسی دوسرے پر نہیں لادی جائے گی اس نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا نہ اللہ کا بگاڑا نہ رسول اللہ ﷺ کا کچھ بگاڑا نہ دین کا کچھ بگاڑا نہ کسی استاد کا نہ عالم کا نہ ولی اللہ کا اگر کسی نے گمراہی اختیار کی تو اس نے اپنا نقصان کیا وہ گمراہی اس کے اپنے گلے پڑے گی وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ ﴿۱۰۸﴾ اور میرے حبیب ﷺ آپ انہیں بتا دیجیے کہ میں تم پر داروغہ متعین نہیں کیا گیا ہوں کہ تمہارے کان سے پکڑ کر تمہیں کسی کام پہ لگا دوں۔ میری ذمہ داری ہے کہ میں اللہ کا پیغام تم تک پہنچاؤں۔ اور حضور ﷺ نے وہ پہنچانے کا حق ادا کر دیا اور اس قوت سے پہنچایا کہ پندھرویں صدی جاری ہے لیکن حق پوری آب وتاب سے روئے زمین پر پہنچ رہا ہے۔ اللہ اکبر کی صدا جو اذان کے لیے گونجتی ہے چوبیس گھنٹے کا کوئی لمحہ خالی نہیں جب اذان نہ ہو رہی ہے۔ آپ زمین کی گردش اور سورج کی گردش کے اوقات کو دیکھ لیں ہر لمحے دنیا پر کسی نہ کسی جگہ کوئی نہ کوئی پکار کر کہہ رہا ہوتا ہے اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمد رسول اللہ حی علی الا الصلوۃ حی الا الفلاح روئے زمین پر اللہ کو سجدہ کرنے والے موجود ہیں جو صرف اللہ کو سجدہ کرتے ہیں غیر اللہ کو نہیں کرتے۔ تھوڑے سہی، دنیوی اعتبار سے کمزور سہی لیکن اللہ کی اطاعت کرنے والے دنیا میں موجود ہیں جن کے ساتھ اللہ ہے ان میں کمزوری کہاں کفر کی طاقتیں چودہ صدیوں میں کون سا ہتھکنڈا ہے جو آزما نہیں سکیں۔ قتل عام تک کیا اور اب بھی مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔ لیکن زمین پر اللہ اکبر کی صدائیں بند نہیں ہوئیں اللہ کا دین مٹتا نہیں ہے۔ لوگوں نے قرآن کریم غلط طرز کے چھاپے۔ مقابلے میں کتابیں لکھیں۔ سارے زور لگا دیئے اور لگائے جا رہے ہیں۔ شاید اس کا پورا رد نہ کر سکے تو بے حیائی پر آ گئے ہیں۔ جو پروگرام اور جو اشتہار دکھائے جاتے تھے اور جن کے بارے میں ہم کہتے تھے یہ بڑی بے حیائی ہے آج ہمارے اپنے ٹیلی ویژن پر دھڑا دھڑ آ رہے ہیں۔ یعنی جب حق کے مقابلے میں کوئی بات نہ کہہ سکے تو انہوں نے کہا کہ ان میں بے حیائی پھیلا دو برائی عام کر دو۔ اس سب کے باوجود اللہ کے بندے اللہ اللہ کر رہے ہیں اس بے حیائی سے بچے ہوئے بھی ہیں اور اس کو رد بھی کر رہے ہیں۔ برائی کے ساتھ تو دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں بھی ہیں اور بڑے بڑے معاشرے شامل ہیں تو پھر اس بے حیائی کو رد

کرنے والوں کے ساتھ کون ہے؟ ان کے ساتھ اللہ ہے اللہ کا رسول ﷺ ہے۔ انہیں اللہ کی معیت حاصل ہے، اللہ کے حبیب ﷺ کی معیت حاصل ہے کہ آج بھی اسے رد کر رہے ہیں۔ ان کے گھروں میں آج بھی پردہ ہوتا ہے۔ وہ آج بھی بچوں کو حلال کھلاتے ہیں۔ وہ آج بھی حرام سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ آج بھی غیر اللہ کے سامنے سجدہ نہیں کرتی فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ۝ فرمایا میں تم پر تھانیدار مقرر نہیں کیا گیا کہ زبردستی تم سے دین منواؤں زبردستی نیکی کراؤں میرا کام ہے اللہ کا پیغام پہنچا دینا وہ تمہارا خالق مالک ہے تم اس کے بندے ہو، مخلوق ہو۔ آگے معاملہ تمہارے اور تمہارے اللہ کے درمیان ہے جو راستہ تم چن لو گے اس راستے کے ثمرات تم پر مرتب ہوتے رہیں گے۔ وَاتَّبِعۡ مَا يُوۡحٰۤى اے میرے حبیب ﷺ آپ اس بات پر عمل کریں جو اللہ کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے یعنی ایمان کی ایک اور تعریف (Definition) آ گئی ایمان کیا ہے؟ اس بات پر عمل جو حضور ﷺ نے فرمایا اور جہاں سے روک دیا ہے وہاں سے رک جانا ایمان ہے۔ جہاں صلح کا حکم ہے وہاں صلح ایمان ہے اور جہاں جنگ کا حکم ہے وہاں جنگ ہی ایمان ہے وَاتَّبِعۡ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ اور اسی اِلَيۡكَ میں ساری اُمت آ جاتی ہے کہ وحی کا اتباع کرو جو اللہ نے بتا دیا وَاصۡبِرۡ اب اس راستے میں شیطانی طاقتیں روکتی ہیں، طاغوتی طاقتیں رکتی ہیں، کفر کی طاقتیں روکتی ہیں تو جمع رہو، جم جاؤ۔ ڈٹ جاؤ۔ صبر ہوتا ہے خود کو ایک جگہ قائم کر لینا ہمارے ہاں تو وَاصۡبِرۡ کا یہ معنی لیا جاتا ہے کہ کسی کا نقصان ہو جائے یا کوئی مر جائے اور وہ جزع فزع نہ کرے۔ صبر کا مطلب لغت میں یہ ہے کہ جیسے کوئی تیز رفتار گھوڑا دوڑ رہا ہو تو ایک دم سے اس کی لگام کھینچ کے روک لے، اس رک جانے کو صبر کہتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت میں رک جائے نافرمانی کی طرف نہ جائے تو فرمایا اگر اتباع وحی کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے، دین پر عمل کرتے ہوئے مصیبتیں آئیں، کوئی رکاوٹیں آئیں شیطان کی طرف سے طاغوتی طاقتوں کی طرف سے کفر کی طرف سے آئیں واصبر تو آپ حق پر جمے رہیے۔ نیکی پر قائم ہو جایے حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ ۚ حتی کہ اللہ فیصلہ کر دے۔ وہ خود فیصلہ کر دے گا آخر برائی کو ہار ہو گی نیکی کی جیت ہو گی لیکن تم ذرا جم تو جاؤ۔ اگر تمہارے قدم ہی ڈگمگا گئے تو پھر کیا ہو گا تم نیکی پر جم جاؤ گے تو نیکی جیتے گی اللہ کی طرف سے فیصلہ آ جائے گا۔ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ ۝ اور وہی بہترین فیصلے کرنے والا ہے۔ اصل حاکم تو وہی ہے۔ باقی سب بناوٹی ہیں حقیقی حکومت اسی کی ہے جس کی ازل سے ہے ابد تک رہے گی ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ تک رہے گی اور اسی کے فیصلے نافذ العمل ہوں گے۔ باقی سب کچھ تو فانی ہے آتا جاتا رہتا ہے۔ اللہ کریم استقامت دین کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سورۃ ہود رکوع 1 آیات 1 تا 5

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۫ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا
تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ
فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى
اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ
لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا
يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾

الٓرٰ۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم کی گئی ہیں پھر (اللہ) حکمت والے اور خبر رکھنے والے کی طرف سے کھول کر بیان کردی گئی ہیں ﴿1﴾ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بے شک میں اس کی طرف تم کو (ایمان نہ لانے پر) ڈر سنانے والا اور (ایمان لانے پر) خوش خبری دینے والا ہوں ﴿2﴾ اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے سامنے توبہ کرو وہ تمہیں وقتِ مقررہ تک (حیاتِ دنیا میں) اچھی اچھی نعمتیں عطا فرمائے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ عطا فرمائے گا اور اگر روگردانی کرو گے تو بے شک مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا ڈر ہے ﴿3﴾ تم (سب) کو اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿4﴾ دیکھیں! یہ لوگ اپنے سینوں کو لپیٹے ہوئے ہیں تا کہ (اندر کی باتیں) اس (اللہ) سے چھپالیں یاد رکھو! جب یہ کپڑے لپیٹتے ہیں تو

وہ (اس حال میں بھی) جانتے ہیں۔ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ تو دلوں کی باتوں کی خبر رکھتے ہیں ﴿5﴾

تفسیر و معارف

سورہ ہود مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس میں عقائد اور برے اعمال کے بدترین انجام پر بات ارشاد فرمائی گئی ہے آخرت کے سخت عذابوں کا تذکرہ ہے۔ مکی سورتیں جتنی بھی ہیں عموماً ان میں برائی پر تنبیہ، برے عقائد پر عذاب اور آخرت کے عذابوں کا تذکرہ ہے اور مدنی سورتوں میں اکثر اعمال پر بحث فرمائی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے اوکما قال رسول ﷺ نے فرمایا الٓرٰ بعض سورتوں کے ابتداء میں جو حروف آتے ہیں انہیں حروف مقطعات کہتے ہیں۔ ان کا مفہوم اور مطلب کیا ہے یہ اللہ کریم بہتر جانتے ہیں یا اللہ کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں یا وہ لوگ جنہیں اللہ کریم ان کا علم عطا کر دے لیکن ان کی تلاوت ضروری ہے ان سے جو انوارات و برکات ملتے ہیں جو فائدہ ملتا ہے وہ ہر پڑھنے والے کو ملتا ہے اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوگا ہے کہ اگر قرآن کریم کا ترجمہ نہ؟ بھی آتا ہوتا ہو تو قرآن مجید کی تلاوت دل پر اثر چھوڑتی ہے، انوارات آتے ہیں برکات نصیب ہوتی ہیں۔ ترجمہ آتا ہو تو نور ''علی نور ہے۔ اللہ کریم قرآن سیکھنے کی توفیق دے اس کا ترجمہ سمجھنے کی توفیق دے اور اس پر عمل کی توفیق دے تب جا کر بات بنتی ہے لیکن ترجمہ نہ بھی آتا ہو تو تلاوت کا اپنا اثر ہے اپنا اجر ہے اپنا ثواب ہے۔

کتاب أُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ یہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب جس کی آیات مستحکم ہیں جن میں کبھی کوئی تبدیل نہیں آئے گی۔ قرآن کریم خود بہت بڑا معجزہ ہے۔ لیکن یہ قرآن کا عجیب معجزہ ہے کہ اس کی آیات نے عقائد سے لے کر اعمال تک فیصلہ دے دیا کہ یہ اس طرح سے ہوگا۔ پہلے جو صحائف جو کتابیں نازل ہوئیں ان میں جو احکام تھے وہ تبدیل ہوتے رہے کسی امت پہ کچھ احکام تھے دوسری پہ وہ احکام بدل گئے۔ کتاب الٰہی میں دو طرح کے امور ہوتے ہیں۔ ایک کو اخبار کہتے ہیں اور دوسرے کو احکام۔ اخبار خبر کی جمع ہے اخبار عقائد کہلاتے ہیں جو طویل نہیں ہوتے۔ یعنی اللہ کی توحید اللہ کی ذات کہ وہ واحد و لاشریک ہے، وہ غفور و رحیم ہے۔ اس کی ذات اس کی صفات اس خبر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی چونکہ خبر میں کوئی تبدیلی ہو تو ایک خبر سچی ہوتی ہے دوسری جو اس کے مقابل ہے وہ سچی نہیں

ہوگی۔تو اخبار میں تبدیلی نہیں ہوتی۔آدمؑ نے فرمایا لا الہ الا اللہ تو عیسیٰ تک تمام انبیاؑ و رسلؑ کے کلمے کا پہلا جزو لا الہ الا اللہ ہی رہا۔ یہ خبر ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوتی آخرت حساب و کتاب، ثواب و عذاب، جنت، دوزخ، موت، مابعد الموت کی حیات، ملائکہ یہ ساری چیزیں خبر سے تعلق رکھتی ہیں اور خبر تمام ادیان میں ایک ہی تھی لیکن احکام جو انسانی زندگی سے براہ راست متعلق ہیں خرید و فروخت بیع و شرع، لین دین دوستی دشمنی، صلح اور جنگ، کاروبار، ملازمت، نکاح، طلاق، اولاد، وراثت، بے شمار احکام ہیں۔ایک عام آدمی سے لے کر ایک ملک حکومت اور بین الاقوامی دنیا تک احکام کے فیصلے سنا دیئے گئے ہیں اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو فیصلے قرآن میں آ گئے ہیں یہ مستحکم ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ پہلی کتابوں میں جو فیصلے آئے تھے بعض امتوں پر بعض چیزیں حرام تھیں بعض پر حلال کر دی گئیں بعض میں دو نمازیں تھیں بعض میں چار تھیں۔ رمضان کے احکام مختلف تھے۔ رمضان ہر امت میں تھا لیکن اس کے احکام اپنے تھے، اوقات اپنے تھے، طریق کار اپنا تھا۔ وقت کی مناسبت سے اور لوگوں کی استعداد کے مطابق احکام میں تبدیلی ہوتی رہی چونکہ ایک وقت میں ایک حکم مناسب ہوتا ہے۔ دوسرے وقت دوسرا مناسب ہوتا ہے۔تو جو انسانوں کے لیے مناسب ہوتا تھا اللہ کریم اس طرح انہیں تبدیل فرماتے تھے۔

نزول قرآن کے بعد روئے زمین پر قیامت تک قرآن کے احکام لاگو ہوں گے کسی حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اللہ کریم نے ایک اصول ارشاد فرمایا لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (الانعام:152) کہ کسی بندے کو اس کام کی تکلیف نہیں دی جاتی جو وہ کر نہیں سکتا۔ تو گویا قرآن کے احکام قیامت تک روئے زمین پر قابل عمل ہیں اور یہ بہت بڑا معجزہ ہے۔ آپ دیکھیں ہمارے ملک میں بھی اسمبلیاں بنتی ہیں بڑے پڑھے لکھے چنے ہوئے لوگ وہاں جاتے ہیں وہ قانون بناتے ہیں جب نفاذ کی باری آتی ہے تو پھر اس میں خود ترامیم کرتے ہیں کہ اس میں یہ بھی کمی رہ گئی اس میں یہ کمی ہے اب حالات بدل گئے ہیں اب یہ ہونا چاہیے۔ اب جو پاکستان میں قانون بنتے ہیں وہ کسی دوسرے ملک پر لاگو نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں کہ وہاں کے حالات اور ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر ملک کے قوانین اپنے عوام کی ضرورت کے مطابق اپنے ملک کی معاشی حالت کے مطابق اپنی مخصوص سیاسی صورتحال کے مطابق بنائے جاتے ہیں اسی لیے ایک ملک کے قانون دوسرے میں نہیں لگ سکتے ناقابل عمل ہیں ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ واحد کتاب ہے جس کے قوانین بیک وقت ساری دنیا پر نافذ العمل ہیں اور ہمیشہ رہیں گے اس لیے کہ ہمیشہ ہر ملک میں قابل العمل ہیں جو قانون انسان خود بناتے ہیں وہ اپنی عقل اپنے شعور اپنی استعداد کے مطابق بناتے ہیں۔ قرآن کے قوانین بندوں

کے خالق مطلق نے بنائے ہیں وہ بندوں کی ضروریات سے بھی واقف ہے موسم بھی اس کے پیدا کردہ ہیں حالات بھی اس کے اپنے پیدا کردہ ہیں وہ ہر حال سے واقف ہے لہٰذا فرمایا كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات مستحکم ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اور اس کے احکام ایسے نہیں جو سمجھ میں نہ آنے والے ہوں۔ ان کو کھول کر بیان کر دیا ہے اس ہستی نے جو حکیم بھی ہے باخبر بھی ہے، بندوں کے ہر حال سے ہر لمحہ ہر آن باخبر ہے اور حکیم و دانا بھی ہے یعنی احکام قرآنی میں ہی انسانیت کی بہتری ہے اور یہ بات مشاہدے میں ہے کہ کوئی اللہ پہ ایمان نہیں رکھتا قرآن پہ ایمان نہیں رکھتا آخرت پہ ایمان نہیں رکھتا لیکن کوئی عمل قرآن کے حکم کے مطابق کرتا ہے تو دنیا کا فائدہ اس کا بھی ہو جاتا ہے کام اس کے لیے بھی آسان ہو جاتا ہے دنیاوی فائدے کے لیے ایمان شرط نہیں آخرت کے لیے ایمان شرط ہے۔

پوری دنیا میں سود پھیلا ہوا ہے ہمارے ہاں بھی وہی سودی نظام جاری ہے مغربی ماہرین معاشیات نے بڑی تحقیق بڑی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر سود کو معیشت سے نکال دیا جائے تو شاید سب لوگ آسودہ حال ہو سکتے ہیں اب یہ وہ فیصلہ ہے جو قرآن نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ سود کے قریب مت جاؤ سود کو ختم کر دو۔ ابھی مسلمان ممالک میں سے تو کسی کو توفیق نہیں ہوئی البتہ برطانیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم سود کو ختم کرنے کا تجربہ کرتے ہیں تو ان کے وزیراعظم نے دو چیزوں سے سود ختم کرنے کا اعلان کیا ہے کہ جو گھر بنانے کے لیے قرضہ لے گا اس پر سود نہیں ہوگا جتنی رقم لے گا اتنے ہی واپس کرے گا اس سے سود نہیں لیا جائے گا یا کوئی گھر قسطوں پر خریدے گا تو اس پر بھی سود معاف کر دیا گیا ہے۔ یعنی کافر یہ آزمانا چاہ رہے ہیں کہ یہ سود ختم کر دیں تو کیا معیشت بہتر ہو سکتی ہے اگرچہ ان کا نہ قرآن پر ایمان ہے نہ حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے نہ آخرت پر ایمان ہے۔ ان کے اپنے عقائد و نظریات ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے ابتدا کر دی ہے مسلمان ممالک میں سے کسی کو ابھی توفیق نہیں ہوئی۔

تو فرمایا اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ اس کی آیات محکم ہیں قیامت تک یہی واجب العمل ہیں اور انہی پر عمل ہوگا ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اور یہ آیات کوئی ایسی مہمل نہیں ہیں کہ کسی کی سمجھ میں نہ آئیں۔ اللہ جو حکمت والے بھی ہیں اور ہر حال سے باخبر ہیں ان کی طرف سے ان کو کھلا کھلا بڑا واضح بیان کر دیا گیا ہے اور اس کی بنیاد کس بات پر ہے اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت مت کرو۔ ہم سمجھتے ہیں

کہ اس سے مراد ہے کہ کسی دوسرے کو سجدہ نہ کیا جائے۔ یہ بات نہیں ہے۔ عبادت کہتے ہیں اس اطاعت کو جو نفع کی امید یا نقصان کے ڈر سے کی جائے اگر میں اس کی اطاعت نہیں کروں گا تو نقصان اٹھاؤں گا اس کی اطاعت کروں گا تو مجھے اس سے نفع حاصل ہوگا۔ اب کہیں بھی اللہ کے حکم کے خلاف کسی کی بھی اطاعت کرو جو شرعاً جائز نہ ہو تو یہ اس کی عبادت ہے وہ علامہ مرحوم نے کہا تھا۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

انسانوں سے، لوگوں سے موہوم ہستیوں سے، سنی سنائی باتوں سے بھلے کی امید رکھنا اور اللہ کی اطاعت نہ کرنا ہی کافری ہے ہم عجیب لوگ ہیں دنیا میں اس قدر کھو چکے ہیں کہ پرسوں میرا ایک عزیز کسی کا واقعہ سنا رہا تھا کہ ایک شخص کے پاس گاڑی تھی اس نے تقریباً پچیس لاکھ میں خریدی تھی بعد میں پتہ چلا کہ یہ گاڑی تو صحیح نہیں ہے اس کا تو نمبر غلط ہے یہ رجسٹر نہیں ہو سکتی تو اسے دل کا دورہ پڑ گیا، اس نے ساری زندگی کبھی سجدہ نہیں کیا تھا اس غم میں اسے ہارٹ اٹیک کیوں نہیں ہوا کہ میری اتنی نمازیں چھوٹ گئیں۔ اس نے کبھی آخرت کی تیاری نہیں کی تھی اور اس کی عمر ضائع ہو گئی تو اسے ہارٹ اٹیک کیوں نہیں ہوا؟ یہ گاڑی تو یہیں چھوڑ جائے گا آج نہ سہی کل سہی یہ تو ویسے ہی اس نے چھوڑ جانی ہے تو دولت سے اتنا پیار کہ اسے پچیس لاکھ کا نقصان ہوتا ہے تو اسے ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ تو کروڑوں روپے سے قیمتی ایک سجدہ ہے کبھی نہیں سنا کہ کسی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہو کہ میری اتنی نمازیں فوت ہو گئیں میرے اتنے روزے فوت ہو گئے ہمارے دلوں میں اس قدر دنیا کی محبت رچ بس گئی ہے۔ جب اس طرح کیا جاتا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ روپے کے پجاری ہو گئے، آپ بندوں کے پجاری ہو گئے، اس بندے سے مجھے یہ ملے گا۔ بندہ تو خود محتاج ہے تمہیں کیا دے گا، محتاج محتاج کو کچھ نہیں دے سکتا۔ یہاں ہمارے علاقے میں جھگیوں والے آتے رہتے ہیں مانگ کر کھاتے ہیں جھگیاں لگا کر بیٹھ جاتے ہیں یہاں سے دس میل آگے جا کر بیٹھ گئے میں کبھی کبھی ان لوگوں کے پاس جا بیٹھا کرتا تھا کہ معلوم ہو ان کا عقیدہ کیا ہے، طرز حیات کیا ہے، یہ کس طرح جیتے ہیں؟ تو مجھے بڑی حیرت ہوئی ایک جھگی میں ایک شخص لیٹا ہوا تھا چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے بیوی بھی تھی تو میں نے کہا کیوں مانگنے نہیں گئے کہنے لگا میں بیمار ہوں، بخار ہو گیا اور بخار بھی زیادہ تھا بیوی بھی نہیں جا سکی بچے چھوٹے ہیں تو آج رات فاقہ میں ہو گی کل کوئی کوشش

کریں گے آج تو کھانے کو کچھ نہیں میں نے کہا تم فاقہ کرو گے تو یہ تمہارے ساتھ دس بارہ جھگیاں اور بھی ہیں اور یہ تو سارے گاؤں سے مانگ کر لائے ہیں، ایک وقت کی روٹی ان روٹیوں میں سے تمہیں نہیں دے سکتے؟ تو وہ کہنے لگا جو مانگ کر کھاتا ہے وہ دوسرے کو کچھ نہیں دیتا ان سے مانگنا فضول ہے۔ شاید ان میں اس کے بھائی بھی ہوں شاید ان میں اس کا والد ہو تو کہنے لگا ہم ان سے نہیں مانگتے اس لیے کہ خود مانگ کر لاتا ہے وہ دوسرے کو کب دے گا، گدا گر سے آگے میں کیا مانگوں؟ وہ تو خود گدا گر ہے حیرت ہوتی ہے ہر بندہ خود محتاج ہے اپنا تو کسی کے پاس کچھ نہیں ہے۔ جو کچھ جس کے پاس ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور ہر بندہ اس کی بارگاہ میں محتاج ہے ہمیں وہ شاہ نظر آئے بادشاہ نظر آئے اس کا تو حقیر بندہ ہے اور اسی سے مانگ کر کھاتا ہے۔

نوشیروان کہیں سفر پہ تھا اسے پیاس لگی تو اس نے پانی منگوایا اس کے سات جو شاہی طبیب تھا اس نے پانی ملازم کے ہاتھ سے لے لیا اور کہنے لگا اجازت ہو تو کچھ عرض کروں اجازت ملی تو کہنے لگا بادشاہ سلامت اگر اس مسافرت اور اس گرمی میں آپ کو یہ پانی نہ ملے تو یہ گلاس آپ کتنے میں خریدیں گے؟ اس نے کہا میں آدھی سلطنت دے دوں گا اور یہ گلاس خرید لوں گا۔ اس نے دے دیا انہوں نے پی لیا جب پی چکے تو اس نے کہا کہ جناب اگر اب یہ پانی باہر نہ نکلے تو پھر کیا کریں گے کتنی قیمت دیں گے؟ اس نے کہا میں ساری سلطنت دے دوں گا ورنہ تو میری جان جاتی رہے گی۔ اس نے کہا پھر آپ یہ یاد رکھیے کہ آپ کی سلطنت کی قیمت اتنی سی ہے اس پہ فخر نہ کیجئے اس ساری بادشاہت کی قیمت اتنی سی ہے تو بندہ تو خود محتاج ہے جو خود مانگ کر لاتا ہے اس سے مانگنے کا کیا فائدہ اور یہی توقع کسی سے رکھنا بھی ایسا ہی ہے۔

فرمایا توقع اللہ سے رکھو اس کی اطاعت کرو ہم بندے بندے سے امید لگا لیتے ہیں اللہ کے در پہ جھکنا ہمیں گوارا نہیں ہوتا۔ ہماری نمازیں فرائض ضائع ہو جاتے ہیں۔ دعا کا سلیقہ لڑ جھگڑ کے مانگو رو، رو کے مانگو سجدے میں گر کے مانگو جیسے بھی مانگو آپ کا اپنا پروردگار ہے کوئی تکلف نہیں جیسے جی چاہے مانگو، اس سے مانگو وہی دیتا ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ مومن کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی اس کا ایمان صحیح ہو اس کا عقیدہ ٹھیک ہو اس کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی ہاں یہ ہوتا ہے کبھی ہم کوئی چیز مانگتے ہیں ہمیں پتہ نہیں ہوتا کہ یہ چیز ہمیں نفع دے گی یا نقصان کرے گی۔ ہمیں نفع کی امید ہوتی ہے اور ہوسکتا ہے وہ ہمارا نقصان کر دے تو اللہ کریم اتنے کریم ہیں کہ ہمیں اس نقصان

سے بچا کر کوئی ایسی چیز عطا کر دیتے ہیں جو ہمارے لیے نفع کا سبب بنے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ ہماری وہ دعا قبول ہو جاتی ہے اور وقت میں تاخیر ہو جاتی ہے اس کا وقت مقرر ہوتا ہے وہ اپنے وقت پہ پوری ہوتی ہے اور جو ان دونوں میں نہ آئے وہ دعائیں اللہ کریم اپنے پاس جمع فرما لیتے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میدان حشر میں جب اعمال تولے جائیں گے کچھ لوگوں کے اعمال کا وزن کر کے فرشتے عرض کریں گے کہ اس کے سارے اعمال ترازو پر تولے گئے تو ارشاد ہوگا نہیں اس کے کچھ اعمال میرے پاس بھی ہیں جو تمہارے علم میں نہیں وہ بھی اس کے پلڑے میں رکھو اور وہ، وہ دعائیں ہوں گی جو اس نے کی تھیں اور اللہ کریم نے ان کو دنیا میں پورا نہیں کیا تو حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس دن بڑے بڑے مستجاب الدعوت یہ آرزو کریں گے کہ کاش ہماری دنیا میں کوئی آرزو پوری نہ کی جاتی اور آج ہمارے کام آتی تو مومن کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی اسے فائدہ ہی دیتی ہے اور اللہ کریم نے پانچ نمازوں میں کیا سبق سکھایا ہے سوائے دعا کے صلوٰۃ میں ہم کچھ دیتے تو نہیں ہیں قیام میں بھی دعا ہے رکوع اور سجدے میں بھی عظمت الٰہی کی بات ہے التحیات میں بھی دعا ہے اپنے لیے اور اپنوں کے لیے کتنا کچھ سکھایا۔ جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو اللہ کی بارگاہ سے مانگنے جاتے ہیں دینے کچھ نہیں جاتے پھر ہم کیوں نہیں پڑھتے۔

تو فرمایا یاد رکھو اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ کسی کے محتاج نہ بنو، کسی سے امیدیں وابستہ نہ کرو، کسی کی عبادت نہ کرو اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲ میں اللہ کی طرف سے تمہیں غلط کاموں کے انجام کی خبر دینے والا ہوں اور ایمان اور نیک عمل پر مبارکباد خوشخبری دینا یہ میری ذمہ داری ہے میں تمہیں کاموں کے اس انجام سے آگاہ کرنے والا ہوں جو میدان حشر میں پیش آئیں گے جو تمہاری سمجھ میں مرنے کے بعد آئیں گے۔ نذیر کا مطلب سنانے والا یا ڈرانے والا لکھ دیا جاتا ہے اور اردو میں ارو کوئی ایسا متبادل لفظ نہیں ہے جو اس کا مکمل مفہوم ادا کر سکے۔ ڈر تو مختلف قسم کے ہوتے ہیں دشمن کا ڈر ہوتا ہے، نقصان کا ڈر ہوتا ہے بیماری کا ڈر ہوتا ہے جس ڈر کا ذکر اس آیت میں وہ ان سب سے مختلف ہے نذیر کا انداز کا مطلب ہے کہ جو کام آپ کر رہے ہیں اس کا جو نتیجہ پیش آئے گا جس سے آپ بے خبر ہیں۔ اگر وہ غلط ہے تو اس کی بروقت خبر دینا یہ انداز ہے اور یہ انبیاء علیہما الصلوۃ والسلام کا منصب ہے۔ ہم جب قبر میں جائیں گے تو آنکھ کھلے گی کہ وہ جو ہم نے کیا تھا اس کا تو یہ نقصان ہو گیا۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام وہ نتیجہ اسی دنیا میں بتا دیتے ہیں کہ ابھی توبہ کر لو اس سے رجوع کر لو اس کا یہ انجام ہے۔ تو فرمایا میں یقیناً تمہیں برائی کے برے انجام

سے باخبر کرنے والا ہوں اور نیک کام کے نیک انجام کی بشارت اور خوشخبری دینے والا ہوں۔

صاحب کتاب ﷺ کے بغیر کتاب سمجھنا ممکن نہیں:

اس بات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب بغیر نبیؐ کے سمجھ میں آنے والی نہیں۔ کتاب سہل ہے آسان ہے مفصل ہے لیکن معنی کا تعین نبی ﷺ کرے گا۔ نبی ﷺ کے بغیر کتاب کا کوئی معنی کرے گا تو پھر ہر شخص اپنی پسند سے کرے گا تو پھر لوگ متفرق ہو جائیں گے۔ عربی میں تو ایک ایک لفظ کے متعدد معنی ہیں اب کوئی کونسا معنی منتخب کر لے اس لیے قرآن کی تفسیر وہی معتبر ہے جو حضور ﷺ نے سکھائی جس پر حضور ﷺ نے عمل کیا آپ ﷺ کی ساری زندگی کا عمل بھی قرآن کی تفسیر ہے۔ آپ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی حدیث قرآن کی تفسیر ہے۔ آپ ﷺ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سیکھا اس پر عمل کیا اور حضور ﷺ کے سامنے اس پر عمل کیا اور حضور ﷺ نے تصدیق فرمائی کہ یہی مفہوم ہے اور یہی عمل کرنا ہے جو تم کر رہے ہو۔ آج بھی قرآن کا ترجمہ یا تفسیر وہی درست ہوگا جو حضور ﷺ نے سکھایا یا صحابہؓ نے سیکھا پھر اس پر عمل کیا۔ آج اگر مختلف ڈکشنریاں اور مختلف لغات لے کر مختلف معنی نکال لے تو قرآن میں تحریف ہوگی وہ تشریح یا تفسیر نہیں ہوگی آج بھی تفسیر وہی معتبر ہے جو حضور ﷺ کے ارشادات ہیں۔ کتنی قرآنی آیات نازل ہوئیں اور صحابہ کرامؓ بڑے بڑے فصحائے عرب تھے ایسے ایسے لوگ تھے جو بہت زبان دان تھے۔ عرب میں تو یہ خاصہ تھا کہ لونڈیاں، غلام اور کنیزیں بھی بات بات پر شعر کہہ دیا کرتی تھیں، جواب شعروں میں دے دیا کرتی تھیں اور عرب دوسری دنیا کو عجم کہتے تھے۔ عجم گونگے کو کہتے ہیں، اہل عرب کو اپنی زبان دانی پر بہت ناز تھا۔ باقی دنیا کو عجمی کہتے تھے کہ یہ لوگ تو گونگے ہیں ان کی تو کوئی زبان ہی نہیں لیکن قرآن کی جب کوئی آیت نازل ہوتی اور حضور ﷺ کرم فرماتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے حاضرین محفل سے پوچھ لیتے کہ آج یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی ہے جانتے ہو اس کا مفہوم کیا ہے؟ تو بڑے بڑے فصحاء جو بیٹھے تھے کہتے تھے **اللہ و رسولہ اعلم** اللہ جانتا ہے یا اللہ کا رسول جانتا ہے آپ ﷺ جو ارشاد فرمائیں گے وہی حکم ہوگا۔ جب صحابہ کرامؓ نے از خود مطلب نکالنے کی کوشش نہیں کی تو میری اور آپ کی کیا حیثیت ہے کہ ہم آج اپنی مرضی سے ترجمہ کریں گے ہم اپنی مرضی کی تفسیر کریں۔ ایسا کیا گیا تو وہ رد ہوگی وہ قبول نہیں ہوگی وہی تفسیر معتبر ہے جو اللہ کا نبی ﷺ فرمائے۔

ہمارے ہاں بعض لوگ بات بات پر کہتے ہیں کہ یہ بات قرآن میں کہاں ہے؟ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن میں تو حکم ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (البقرہ:43) نماز قائم کرو، اب اس کے اوقات کیا ہیں اس کی رکعات کتنی ہیں، اس میں کیا پڑھنا ہے، رکوع وسجود کتنا ہے کیسے کرنا ہے؟ یہ کون بتائے گا یہ تفصیل تو قرآن میں نہیں ہے کہ پہلے ثنا پڑھو، پھر سورۃ فاتحہ پڑھو، پھر قرآن کریم کی چند آیات پڑھو پھر رکوع کروں پھر اس میں یہ تسبیح پڑھو پھر قیام کرو پھر سجدہ کرو اس میں یہ تسبیح پڑھو۔ التحیات یوں پڑھو قرآن میں تو یہ تفصیل نہیں ہے، یہ تفصیل کہاں سے آئی؟

ڈھنا کوٹ کلر کہار سے آگے ایک جگہ ہے یہاں ایک مناظرہ ہو رہا تھا حضرتؒ اہل سنت کی طرف سے مناظر تھے اور شیعہ حضرات کی جانب سے ایک اور مناظر تھے جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان کا نام فیض بخش تھا مسئلہ تھا کہ حضرت عمرؓ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ دیا تھا اور ان کا نکاح کیا تھا۔ وہ واقعہ یوں ہوا تھا کہ حضرت عمرؓ نے رشتہ پوچھا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ کی عمر بہت زیادہ ہے یہ بچی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ علیؓ مجھے شادی کا شوق نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا قیامت کو کسی کا کوئی رشتہ نہیں ہوگا ہر ایک کو اپنی اپنی ہوگی سوائے میرے رشتے کے تو میں اس لیے رشتہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں نبی ﷺ کے خاندان میں آجاؤں میرا رشتہ قیامت کو بھی قائم رہے۔ انہیں یہ بات بڑی پسند آئی انہوں نے ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے کر دیا تو وہ شیعہ مناظر کہنے لگا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ام کلثومؓ کے نکاح کی بات قرآن سے نکال کر دکھاؤ، کیا یہ بات قرآن میں ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا بالکل ہے۔ قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ کہنے لگا کہاں ہے آپ دکھائیں؟ حضرتؒ نے کہا قرآن کھولو جہاں حضرت علیؓ اور مائی فاطمہؓ کے نکاح کی بات لکھی ہے اس سے اگلی آیت میں حضرت ام کلثومؓ کا ذکر ہے۔ اب قرآن سے وہ کہاں سے حضرت علیؓ اور مائی فاطمہؓ کے نکاح کے بارے میں آیت نکالتا۔ یہ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرے کا ایک علمی انداز تھا ورنہ کس کا نکاح کس سے ہوا یہ قرآن میں تو نہیں لکھا ہوا۔

قرآن تو احکام کا مجموعہ ہے اس کی تفسیر حدیث سے تلاش کرو صحابہ کرامؓ سے تلاش کرو سیرت النبی ﷺ سے تلاش کرو۔ احکام الٰہی کے بارے بعض لوگوں کا یہی رویہ ہوتا ہے کہ قرآن میں کہاں لکھا ہوا ہے؟ قرآن میں اصول لکھے ہوئے ہیں ان کی ساری تفصیلات محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان حق ترجمان سے بھی ارشاد فرما دیا ہے اور ان پر عمل کر کے بھی ان تفصیلات کو بتا دیا۔ تو ہمارے ہاں یہ بھی ایک مرض ہے لوگ کہتے ہیں حدیث کا تو اعتبار نہیں ہے

قرآن میں دکھاؤ، ہم اہل قرآن ہیں۔ بھئی آپ اہل قرآن بن گئے صاحب قرآن ﷺ سے چمٹو گئے تو اہل قرآن بنو گے۔ صاحب قرآن ﷺ کو چھوڑ کر کوئی اہل قرآن نہیں بن سکتا۔ نبی ﷺ کے بغیر قرآن کا مفہوم سمجھ نہیں آ سکتا کہ نبی ﷺ کا منصب ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل :44) نبی ﷺ کا منصب جلیلہ ہے کہ لوگوں کو بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ پھر حضور ﷺ نے اگلا ارشاد ربانی سنایا کہ میرا کام، برے کام کے انجام کی بروقت خبر دینا اور نیکی کے نیک کام پر بشارت دینا اور تمہیں یہ بھی سمجھانا ہے وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ کہ ہمیشہ اپنے اللہ سے معافی طلب کرتے رہو استغفار کرتے رہو اور ہمیشہ کرتے رہو۔ جنہیں تم نیکیاں سمجھتے ہو وہ نیکی کر کے بھی استغفار کیا کرو کہ وہ بارگاہ بہت عالی ہے۔ ہم جو سجدہ بھی کرتے ہیں وہ پتہ نہیں اس بارگاہ کے لائق ہے بھی کہ نہیں۔ خطا کرنا تو اپنے آپ کے ساتھ بہت ظلم ہے، ہم جو عبادت بھی کرتے ہیں پتہ نہیں اس میں وہ خلوص ہے کہ نہیں جو اس بارگاہ میں پیش کیا جا سکے۔ تو نیکی کر کے بھی اللہ سے بخشش مانگتے رہا کرو کہ اللہ یہ نیکی تب نیکی ہے تیری بارگاہ میں قبول ہو۔ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ کہ وہ تمہارا پروردگار ہے تمہاری تمام ضرورتیں وہی پوری کر رہا ہی ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اس کے سامنے توبہ کرتے رہو۔ انسان کتنا بھی پارسا ہو اس سے غلطی ہو سکتی ہے اسے استغفار اور توبہ کرنی چاہیے۔ پھر ہم جو نیکیاں بھی کرتے ہیں وہ بھی بڑی حد تک گستاخیاں بن جاتی ہیں۔ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں دل ہمارا پتہ نہیں کہاں ہوتا ہے۔ سجدے کر رہے ہوتے ہیں ہمیں یاد نہیں رہتا پتہ نہیں کتنی رکعت پڑھی ہے۔ نماز میں اتنی توجہ نہیں ہوتی کہ یہ تو یاد رکھیں کہ اب دوسری پڑھی ہے یا تیسری رکعت پڑھی ہے۔ اللہ کریم نے توبہ کے ذریعے اپنی رحمت کا دروازہ کھول کر اس امت پر احسان کیا ہے۔ پہلی امتوں میں بھی توبہ تھی لیکن اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ جب لوگ توبہ کرتے تو ان پر کوئی نہ کوئی آزمائش ڈال دی جاتی کہ یہ کام کرو تو تمہاری توبہ قبول ہو جائے گی۔ اس امت پر اللہ نے یہ آسانی فرمائی ہے کہ کوئی کتنے گناہ کر چکا ہو، خلوص دل سے اللہ سے عہد کر لے کہ جو ہو چکا میں اس کی معافی چاہتا ہوں اور آئندہ نہیں کروں گا تو وہ معاف کر دے گا۔ کسی کے گناہ اس کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتے وہ فرماتا ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف :156) میری رحمت ہر چیز سے وسیع تر ہے۔ اور یہ اس کا کتنا احسان ہے۔

توبہ حصول نعمت کا سبب:

پھر فرمایا استغفار اور توبہ کا فائدہ یہ ہے یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى جب تک تمہاری دنیا کی زندگی ہے تمہارے لیے دنیا میں بھی بہترین سامان پیدا کردوں گا۔ استغفار اور توبہ کی برکت یہ ہے کہ تمہاری دنیا کے کام بھی آسان ہوجائیں گے اور دنیا کی زندگی بھی آسان ہوجائے گی وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اور زیادہ عطا فرمائے گا۔ اگر ساتھ استغفار بھی کرتے رہو، توبہ بھی کرتے رہو، رجوع الی اللہ قائم رکھو اللہ تمہاری نیکیوں کو بھی کئی گنا بڑھادے گا۔ تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا تمہیں گناہ سے بچنے کی توفیق عطا کردے گا ایسے اسباب مہیا کردے گا کہ تم اس کے سوا کسی کے محتاج نہیں رہوگے سو دنیوی مسائل کا بھی یہ بہت بڑا علاج ہے کہ آدمی استغفار کی تسبیحات پڑھے اور توبہ کرتا رہے ہر وقت اللہ سے معافی مانگتا رہے تو فرمایا تمہاری دنیاوی مصیبتیں بھی ٹل جائیں گی اور دنیا میں بھی تم پر آسانی پیدا فرمادے گا اجل مسمی موت تک عمر بھر تمہاری حفاظت فرمائے گا تمہیں آسانیاں دے گا اور جو تم نے نیکیاں کی ہیں ان پر کئی گناء زیادہ انعام عطا فرمائے گا فرمایا وان تولوا اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی آپ ﷺ کی طرف سے ارشاد فرمایا:

حضور ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین:

حضور ﷺ کتنے کریم ہیں قیامت تک آنے والی انسانیت کو ارشاد فرمایا صرف اپنے زمانے کے لوگوں کو نہیں صرف ان کو نہیں جنہوں نے حضور ﷺ پر پتھر برسائے صرف ان کو نہیں جنہوں نے کانٹے بچھائے صرف ان کو نہیں جنہوں نے ہجرت پر مجبور کردیا صرف ان پر نہیں جنہوں نے دندان مبارک شہید کیے کتنے صحابہؓ کو شہید کیا اور کتنی جنگیں لڑنا پڑیں صرف ان کے لیے نہیں ساری انسانیت کے لیے فرمارہے ہیں وان تولو! اگر تم اس سے روگردانی کروگے اگر تم ایسا نہیں کروگی فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳ لوگو مجھے اس بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے کہ تم عذاب میں پھنس جاؤ گے کیسی عجیب بات ہے کہ ہم ساڑھے چودہ سو سال بعد پیدا ہوئے ہمارا درد بھی اس میں ہے اور نہ جانے کب تک دنیا قائم رہے گی لوگ آتے رہیں گے تو جو ایمان نہ لاسکے یا نیک عمل نہ کرسکے ان کا درد بھی اس ارشاد میں موجود ہے کہ لوگو اللہ سے توبہ کرو، اللہ سے بخشش مانگتے رہو اور اللہ کے سوا کسی کے آگے مت

جھکو اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو مجھے تمہاری طرف سے ڈر لگتا ہے کہ اس بڑے دن کے عذاب میں پھنس نہ جاؤ تمہاری طرف سے مجھے خوف آ رہا ہے۔ حضور ﷺ کی شان ہے رحمت للعالمین یہ آیہ کریمہ اس شان کا ترجمہ کر رہی ہے کہ قیامت تک آنے والے جو بھی خطا کار ہوں گے ان کا دکھ نبی کریم ﷺ محسوس کر رہے ہیں کیا کوئی ایسی ہستی کا دنیا میں کوئی تصور ہے! پھر نہ جانے کیوں ہم ان ﷺ کے دامن میں پناہ کیوں نہیں لیتے ہم ان ﷺ کی اطاعت کیوں نہیں کرتے۔ **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ** فرمایا یہ بات یاد رکھو تم سب کو لوٹ کر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اس پر یقین کر لو۔ یہ نہ سمجھو کہ جو مرضی ہے لوٹ کھسوٹ لیں، عیش کر لیں مرے تو بات ختم ہو گئی۔ ختم نہیں ہوگی۔ مر جاؤ گے تو بات شروع ہوگی۔ **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ** ہمیں لوٹ کر اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے **وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٤** اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کو تمہارے ہر حال سے زرہ زرہ کی خبر ہے وہ تمہیں معاف کر دے اس پر بھی قادر ہے وہ سزا دے اس پر بھی قادر ہے وہ جو چاہے کرے اور اس نے سنا دیا ہے کہ جو اطاعت کرے گا وہ فائدہ پائے گا جو نافرمانی کرے گا وہ سزا پائے گا۔ **اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ** فرمایا یہ بدنصیب جو آپ ﷺ کی بات نہیں مانتے یہ سینوں کو بھینچتے ہیں کہ کہیں ہمارے دل کی بات واضح نہ ہو جائے۔ سینوں پر چادریں لپیٹے ہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری اندر کی بات ظاہر ہو جائے **اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ** اپنے آپ پر چادریں اور کپڑے لپیٹے ہیں **يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ** تو اللہ ان چھپی باتوں سے بھی باخبر ہے۔ جانتا ہے جو انہوں نے دلوں میں چھپا رکھی ہیں اور جو یہ ظاہر کرتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اس لیے کہ **اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٥** وہ ایسی ہستی ہے کہ جو خیال دل میں گزرتا ہے وہ اس سے بھی واقف ہے اور وہ اس سے بھی واقف ہے جو تم چوری چھپے کرتے ہو جو تم سامنے کرتے ہو وہ بھی اس کے سامنے ہے۔ اس علیم کی بارگاہ سے کچھ چھپ نہیں سکتا۔

یاد رکھو تم اللہ کریم کے سامنے کر رہے ہو۔ اب تمہاری مرضی جو تم نے کرنا ہے کر لو وہ تم سے حساب لے گا۔

اللہ کریم اپنی اطاعت نصیب فرمائے۔ اپنے حبیب ﷺ کا اتباع نصیب فرمائے آمین۔

الحمد للہ گیارہواں پارہ بتوفیق الٰہی اختتام پذیر ہوا۔

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقۂ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔